خطباتِ محمود

جلد دوم

از

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

خلیفہ ارشد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ

جدید ترتیب

محمد اسحاق ملتانی

ناشر

ادارہ تالیفات اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان 41501-540513

باہتمام : محمد اسحاق عفی عنہ

نام کتاب : خطبات محمود جلد دوم

طباعت : سلامت اقبال پرنٹنگ پریس چوک فوارہ ملتان

ادارہ تالیفات اشرفیہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

اسلامی کتب خانہ ایبٹ آباد

کشمیر بک ڈپو چنیوٹ بازار فیصل آباد

مکتبہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

صدیقی ٹرسٹ لسبیلہ چوک کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر
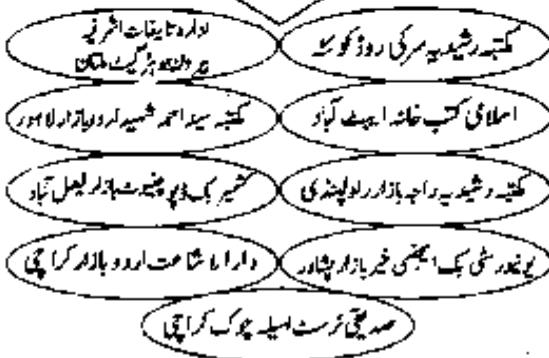
تبلیغ دین میں خطبات کی اہمیت وافادیت ایسی مسلم ہے کہ کوئی بھی صاحب بصیرت اس کا منکر نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء و مبلغین نے ہر دور میں اس سلسلہ خطبات کو جاری رکھا اور ہزاروں تشنگان ہدایت کو صراط مستقیم دکھایا

خطبات محمود کی دوسری جلد اس وقت حاضر خدمت ہے۔ حضرت موصوف کی شخصیت محتاج تعارف نہیں حضرت مفتی صاحب کے اس سے قبل فتاوی جات 18 جلدوں میں چھپ کر کافی مقبول ہو چکے ہیں۔ حضرت کے یہی خطبات ہندوستان میں "مواعظ فقیہ الامت" کے نام سے قسط وار طبع ہوتے رہے۔ جن کی مقبولیت کے پیش نظر اب ادارہ نے انہیں ترتیب دے کر اولاً پہلی جلد شائع کی جو کہ الحمد للہ کافی مقبول ہوئی۔ امید قوی ہے کہ یہ دوسری جلد بھی لوگوں کی دلچسپی اور رہنمائی کا سبب بنے گی۔ اللہ پاک ہماری اس سعی کو شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین

والسلام

احقر محمد اسحٰق عفی عنہ

عشرہ اخیرہ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

فہرست

خطبات محمود

جلد ۲

عنوانات	صفحہ نمبر

ترجمہ و تفسیر سورۂ فاتحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ ہی کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ
الدِّیْنِ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ
نَسْتَعِیْنُ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ
اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ
عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو کہ
تمام جہانوں کا پروردگار بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔ جزا کے دن کا مالک
ہے (جس دن تمام اعمال کا بدلہ دیا جائیگا)
اے پاک پروردگار تیری ہی ہم عبادت
کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں
ہم کو چلا سیدھے راستے پر۔ ان لوگوں کا
راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ نہ ان کا راستہ جن پر غضب نازل ہوا
اور نہ گمراہ لوگوں کا راستہ۔

ترجمہ مکمل ہوا۔ اب رہا یہ کہ الف لام کیسا ہے "الحمد" میں۔ زمخشری نے
کیا لکھا؟ معتزلہ کیا کہتے ہیں؟ اور یہ کہ شروع کرتا ہوں یہ کہاں سے نکالا اور
یہ کہ "ب" ابتدا کے لئے ہے۔ یہ شرح مانے نا مانیں آیا اس طرح "ب" حرف
جار اس کے بعد مجرور۔ اور جار مجرور کا حق تو یہ ہے کہ اس کو موخر کیا جائے

متعلق فعل ہے۔ لیکن یہاں تقدیم ما حقہ التاخیر ہوا۔ یہ مفید ہے حصر کو، اسلئے
اس کا ترجمہ حصر کے ساتھ کیا گیا "اللہ ہی کے نام سے" "ہی" حصر کا کلمہ ہے۔ وغیرہ
یہ اساتذہ درس میں بتا دینگے۔ یہ نہیں ترجمہ کیا کہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے۔
بلکہ یہ کہ اللہ ہی کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے شروع کرتا ہوں۔

اَلْحَمْدُ۔ تمام خوبیاں تمام کمالات اللہ ہی کے لئے ہیں۔ الف لام استغراق
کا ہو گیا۔ لِلّٰہِ میں لام اختصاص کا ہے۔ اللہ جو سارے جہانوں کا پالنہار ہے،
پالنے والا ہے۔ ربّ پالنے والا۔ عالم کی جمع عالمین ہے۔ ذوی العقول کو
غیر ذوی العقول پر تغلیب کر کے جمع مذکر سالم کا صیغہ لایا ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہایت مہربان رحم والا مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ دین کا ترجمہ
بدلہ جیسے دِنَّاھُمْ کَمَا دَانُوْا۔ ہم نے لوگوں کو ایسا بدلہ دیا جیسے انہوں
نے ہمارے ساتھ معاملہ کیا تھا۔ یوم الدین یعنی بدلے کے دن کا مالک ہے۔
مالک تو آج بھی ہے لیکن آج دوسرے بھی اپنے آپ کو مالک سمجھتے ہیں وہ
دن ایسا ہوگا کہ اس دن کوئی بھی اپنے آپ کو مالک نہیں سمجھے گا۔ صرف اللہ
کی مالکیت ظاہر ہوگی۔ کہیں گے لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ آج ملک کس کے لئے ہے۔
لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ اللہ کے لئے جو واحد قہار ہے۔

اِیَّاکَ کی ضمیر منفصل منصوب ہے۔ مقدم لائے۔ جب خداوند تعالیٰ کی یہ صفات
ہیں کہ وہ تمام خوبیوں کا مالک ہے۔ تمام خوبیاں اس کے ساتھ مخصوص ہیں وہ
تمام جہانوں کا مالک ہے۔ نہایت مہربان ہے رحم والا ہے۔ بدلے کے دن کا وہ مالک
ہے۔ اب ان امور کی وجہ سے اس کا کیا حق ہے؟ یہی کہ ہم اسی کی عبادت کریں اس
کے علاوہ کسی اور کی نہیں۔ اس لئے نَعْبُدُکَ کا ک ضمیر متصل کی منصوب اس کو
منفصل سے بدل کر مقدم کیا حصر کے لئے۔ اے خدا تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم

اسم ظاہر کے الفاظ استعمال کئے۔ اللہ۔ رب۔ رحمٰن۔ رحیم۔ مالک۔ ان کے ذریعہ سے ذہن میں تصور قائم ہوا کہ خدا ایسا پاک کیسا ہے وہ خدا پاک ایسا ہے کہ ساری خوبیوں کا مالک ہے۔ جس کے اندر جو کمال جو خوبی ہے وہ حق تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ اس کے پاس اپنی ذاتی خوبی نہیں۔ ساری خوبیوں کا خزانہ حق تعالیٰ کے پاس ہے۔ دُنیا میں جس کے پاس جو کچھ آتا ہے اسی کا دیا ہوا آتا ہے۔ وہ سارے جہانوں کا پالنہار ہے۔ دیکھنے میں ہم سمجھتے ہیں کہ ماں باپ اولاد کو پالتے ہیں۔ یا ان کھیتی کی پرورش کرتا ہے مگر حقیقت میں پالنے والا وہ ہے۔ اسی کے رحم و کرم سے سب دُنیا قائم ہے۔ اس کا رحم اُٹھ جائے تو دنیا ٹوٹ پھوٹ جائے، ختم ہو جائے۔ وہ یوم الدین کا مالک ہے۔ ان اسم ظاہر کے الفاظ سے صیغوں سے ایک تصور قائم ہوا کہ وہ کیسا ہے؟ جب تصور قائم ہوا تو گویا کہ وہ حاضر ہے ہمارے دماغ میں پہلے غائب تھا جس کو اسم ظاہر کے صیغوں سے تعبیر کر رہے تھے۔ اب وہ حاضر ہو گیا۔ اس حاضر کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے پاک پروردگار تیری کام کی ہم عبادت کرتے ہیں اور تیری عبادت بھی ہم خود نہیں کر سکتے ہیں، جب تک کہ تیری مدد شامل حال نہ ہو۔ اس لئے کہتے ہیں اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ عبادت میں بھی تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ اِهْدِ۔ ایک ترجمہ یہ ہے کہ ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ ایک ترجمہ ہے کہ ہم کو سیدھا راستہ بتا۔ میں نے ترجمہ کیا کہ ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔ راستہ دکھانا تو دُور سے بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن کوئی ضروری نہیں کہ آدمی اس راستہ پر پہنچ بھی جائے۔ راستہ بتانا زبان سے بھی بتایا جا سکتا ہے کہ فلاں جگہ کو جا کر فلاں نہر ہے فلاں دریا ہے فلاں پہاڑ ہے فلاں درخت ہے

اس کے قریب کا راستہ۔ یہ بتانا ہوا، اور چلانا، خود چلانا یہ ظاہر ہے۔
صراط مستقیم۔ وہ معتدل راستہ جس میں افراط اور تفریط نہ ہو، نہایت
معتدل سیدھا راستہ۔ جو سیدھا راستہ ہوتا ہے وہ قریب تر ہوتا ہے۔
اقرب الطرق صراط مستقیم ہے۔

وہ سیدھا راستہ کیسا؟ اس کی کوئی نشانی ہے؟ تو بتایا، ان لوگوں کا
راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ وہ کون ہیں۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ
وَالصّٰلِحِيْنَ۔ ان لوگوں کا راستہ جن کو سیدھے راستہ پر چلایا۔ سیدھے
راستہ پر چلانا بہت بڑا انعام ہے۔ لہٰذا کہا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے
انعام کیا یعنی ان کو سیدھے راستہ پر چلایا اور اپنے قرب کے، اپنی رضا کے
انعامات سے ان کو نوازا۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ نہ ان کا راستہ جن کے اوپر غضب
نازل ہوا۔ مغضوب علیہم یہود ہیں اور ضالین نصاریٰ ہیں۔ یہود اور نصاریٰ
دونوں کا راستہ غلط ہو گیا۔ وہ سیدھے راستے پر نہیں چلے ان کے اوپر انعام
نہیں ہے۔ ضال کہتے ہیں اس کو جو راستہ بھٹک گیا، بھول گیا۔ راہِ حق
کا طالب ہے۔ مگر راستہ بھٹک گیا بھول گیا اس کو بتا دیا جائے سیدھا راستہ
تو معاملہ آسان ہے۔ مغضوب علیہم۔ غضب والے۔ مغضوب اعراض کرنے
والا ہوتا ہے۔ یعنی راستہ سیدھا بتایا جاتا ہے ادھر کو نہیں چلتا۔ دوسری
طرف کو چلتا ہے۔ وہ راہِ راست پر نہیں آسکتا۔ جب وہ بتلانے پر بتانے
والے پر اعتماد نہیں کرتا، اس کے بتانے پر نہیں چلتا بلکہ اس کے بتانے ہوئے
راستے سے ہٹ کر دوسری طرف کو چلتا ہے وہ ہدایت نہیں پا سکتا ہے۔

یہ سورت دعا ہے۔ دعا کی گئی۔ دعا کے آداب میں سے کیا گیا ہے؟ ایک یہ کہ اللہ کے نام سے شروع کیا جائے۔ لہٰذا جو درخواست دی جائے باسمہ سبحانہ وتعالیٰ یا بسم اللہ الرحمن الرحیم وغیرہ سے شروع کی جائے۔ اس کی تعریف کی جائے کہ وہ کیسا ہے؟ اس کے آداب والقاب بیان کئے جائیں۔ اس کی شان کے لائق آداب والقاب۔ وہ بھی اس نے خود ہی بتا دیے، حق تعالیٰ نے کہ اس طرح سے ہیں۔ یہ گویا کہ ایک درخواست ہے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ہدایت کی صراط مستقیم کی۔ اس درخواست کے واسطے یہ آداب والقاب بتائے۔ پھر یہ وعدے کیے کہ ایاک نعبد وایاک نستعین کہ ہم آپ کی عبادت کریں گے، ہم آپ سے مدد طلب کریں گے۔ آپ ہم کو سیدھا راستہ بتا دیجئے۔ اور پورے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے جو درخواست دی جاتی ہے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے القاب کے ساتھ صدق دل سے وہ قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ یہ دعا ہے اس کی قبولیت کا وعدہ ہے۔ قبولیت کیسے ہوئی۔ اس کی ایک صورت یہ ہے اس کو کہہ دیا گیا۔ الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ تم نے ہدایت کی دعا کی تو ہم یہ کتاب دیتے ہیں تم کو جو ھدی للمتقین ہے۔ متقین کے لیے ہدایت۔ متقین کے لیے ہدایت کیسے؟

متقین۔ جلالین شریف میں لکھا ہے الصائرین علی التقویٰ۔ جو لوٹنے والے ہیں تقویٰ کی طرف۔ متقی تو کہتے ہی ہیں اسے جو ہدایت یافتہ ہو۔ پھر متقین کے لیے ہدایت کے کیا معنیٰ؟ یہ تو غیر متقین کے لیے فاسق فاجر لوگوں کے لیے ہدایت ہونی چاہیے۔ متقین کے لیے ہدایت ہے اس کا کیا

مطلب ؟ جبکہ وہ پہلے سے ہدایت یافتہ ہیں۔

میں نے اپنے ایک دوست کو ایک کتاب کے لیے لکھا کہ پاکستان سے وہ کتاب خرید کے لیتے آنا۔ وہ جب کتاب لینے کسی کتب خانہ پر گئے ، ان کی صورت کو دیکھ کر (چونکہ ان کی صورت جنٹلمینوں جیسی تھی) وہاں ان کو کہا کہ تمہارے کس کام کی یہ کتاب ؟ یہ تو عالموں کے دیکھنے کی کتاب ہے۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ جن کے واسطے لے جا رہا ہوں وہ تو عالموں کے عالم ہیں۔ دیکھئے کیا کہا عالوں کے عالم ، حالانکہ جاہلوں کے عالم ہوا کرتے ہیں۔ انھوں نے بھی اس بات کی رعایت رکھی کہ وہ عالموں کے عالم ہیں (محاورہ کی رعایت)

اسی طرح یہاں کہ یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔ اردو میں آپ اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے ایک کورس ہے بی اے کا۔ تو کہا جاتا ہے کہ یہ بی اے ہے کیا مطلب ہوتا ہے اس کا ؟ یہ کہ جو شخص اس کورس کو پڑھے۔ حاصل کرلے وہ بی اے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ یہ قرآن پاک ایک کورس ہے جو شخص اسکو پڑھے اس پر عمل کرے وہ متقی بن جاتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۔ ہدایت ہے متقین کے لیے۔ متقی کسے کہتے ہیں آگے ان حضرات کی صفات بیان کردی گئی ہیں۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں ، ان دیکھی بات پر ایمان لاتے ہیں۔ آنکھ دیکھی بات کو تو سب ہی مان لیتے ہیں۔ اور ہر شخص مان ہی لے گا آنکھوں سے دیکھ کر۔ جن عذابوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں ڈرایا تھا اور لوگ مانتے نہیں تھے وہاں جب عذاب سامنے آئیں گے تو کہیں گے۔

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۔	اے رب اب ہمیں لوٹا دیجئے دنیا میں جیسے وہ نبی کہتے ہیں کریں گے۔

لیکن یہاں تو ایمان بالغیب مقصود ہے۔ ایمان مشاہدہ تھوڑا ہی ہے۔ اب ہر شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ مجھے ایمان بالغیب حاصل ہے۔ اس دعویٰ کے لیے کوئی دلیل بھی تو چاہیے تو کہا وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ۔ اقامت صلوٰۃ اس کی دلیل ہے۔ نماز پڑھتا ہے نماز کا پابند ہے۔ آگے کہا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ کہ جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ نہ سمجھ کر ہم قوت بازو سے کماتے ہیں۔ دینے والا اللہ ہے۔ اسی نے دیا ہے وہی مالک رہا ہے۔ کہہ رہا ہے کہ اس کے نام پر خرچ کرو۔ اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں۔ ایسے نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے دیئے ہوئے کو اٹھا کے جیب میں رکھ لیتے ہیں کہ یہ ہمارا ہے۔ ہماری ملکیت ہے ہم خرچ نہیں کریں گے۔ ایسا نہیں۔ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اس چیز پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو کچھ نازل کیا گیا آپ سے پہلے۔ پچھلے انبیاء پر جو نازل کیا گیا توراۃ، انجیل، زبور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ہر نبی پر ایمان رکھتے ہیں لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ ہم ان رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے سب پر ایمان رکھتے ہیں۔
وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ۔ آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں کہ ضرور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب دینا ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ

ہر ہر چیز سامنے ہوگی۔ آگے فرمایا

أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں۔
وہ ہدایت جس کی دعا کی تھی اور جس کو کہا تھا کہ کتاب مل گئی۔ تو جو لوگ یہ

ایمان یہ اعمال اختیار کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہ ہدایت کا ملنا رب کی ربوبیت کی وجہ سے ہے۔ حق تعالیٰ کی تربیت ہے۔ حق تعالیٰ شروع سے تربیت کرتے چلے آئے ہیں۔

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ — یہی لوگ فلاح یاب ہیں کامیابی انھیں کو حاصل ہے۔

تقریباً بیس امور ایسے ہیں جن کے اوپر فلاح کو مرتب کیا ہے۔ قرآن کریم میں ان میں سے سب سے زیادہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ کے شروع میں ہے کہ ان لوگوں نے فلاح پائی۔ اور اَلَّذِیْنَ۔ اَلَّذِیْنَ سے ان چیزوں کو بیان کرتے چلے گئے ہیں۔

سائل:۔ ترجمہ یا تفسیر میں کن امور کی رعایت کرنی چاہیے؟

حضرت:۔ وہ تو پڑھانے والا آپ کے لیے، جن امور کی رعایت مناسب سمجھے گا کرے گا۔ ایک تو تفسیر کا پڑھانا ہوتا ہے اس میں بہت پھیلاؤ ہوتا ہے اور وہ بھی مختلف طُرُق سے۔ مثلاً امام فخرالدین رازیؒ تفسیر پڑھانے کے لیے بیٹھیں گے تو فِرَقِ باطلہ کی تردید کرتے چلے جائیں گے کہ مرجیہ ایسے ہیں، معتزلہ ایسے ہیں، خوارج ایسے ہیں اور روافض ایسے۔ انھوں نے یہ کہا وہ کہا۔ یہ ان پر رد ہے وہ ان پر رد ہے۔

اس کا نمونہ اردو میں دیکھنا ہو تو مولانا عبدالحق کی تفسیر حقانی کو دیکھ لو۔ ان کا خاص کام فِرَقِ باطلہ کی تردید ہے، خاص کر نصاریٰ کی تردید کرتے چلے جاتے ہیں۔

امام ابوبکر جصاص جب تفسیر کریں گے تو وہ فقہی مسائل استنباط کرتے چلے جائیں گے کہ اس آیت سے یہ مسئلہ نکلا اس سے یہ نکلا، سب کو

فقہی بنا دیں گے۔

امام جریر بن جریر طبری تفسیر کرنے کے لیے آئیں گے تو احادیث کا ڈھیر لگا دیں گے آپ کے سامنے۔ کہ یہ آیت فلاں موقع پہ نازل ہوئی، یہ آیت فلاں موقع پر نازل ہوئی، فلاں موقع پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، یہ فرمایا۔

قاضی بیضاوی تفسیر کرنے کے لیے اٹھیں گے تو ساری ترکیب نحوی آپ کے سامنے رکھ دیں گے کہ یہ فاعل ہے، مفعول ہے، یہ مفعول مطلق ہے۔ یہ حال ہے، تمیز ہے، مستثنیٰ ہے۔ یہی کرتے چلے جائیں گے۔

لہٰذا جیسا جیسا ذوق ہوتا ہے بیان کرتے چلے جائیں گے۔

تفسیر کے معنی، مراد خداوندی کو بیان کرنا ہے۔ اس کے لیے تین باتوں کی ضرورت ہے۔ اول یہ کہ لفظ کو حقیقی معنیٰ پر محمول کیا جاوے یا مجاز متعارف پر۔ اگر اس سے باہر نہ نکلے۔ حقیقی معنیٰ یا مجاز متعارف جو شائع ذائع ہے۔ دوسرے یہ کہ سیاق و سباق اور نصوص ظاہرہ کے خلاف نہ ہو وہ تفسیر۔ تیسرے یہ کہ شاہد نہ دین کی شہادت سے مؤید ہو۔ سب سے بڑا ماہر دین کون ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جن کے سامنے دین نازل ہوا تھا۔ ان کے اقوال پیش کیے جائیں کہ انہوں نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے۔ یہ تفسیر کی ہے۔

یہ تینوں چیزیں پائی جائیں گی تو تفسیر ہے۔ اگر ان تین میں سے دو پائی گئیں ایک نہیں تو تاویل قریب ہے، اور اگر ایک ہی پائی گئی دو نہیں تو تاویل بعید ہے، اور اگر تینوں نہیں پائی گئیں تو تحریف ہے۔

اور بھائی دیکھو میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ترجمہ قرآن پاک کا سب سے زیادہ مشکل ہے۔ تفسیر اتنی مشکل نہیں ہے، حدیث اتنی مشکل نہیں، فقہ اتنی مشکل نہیں، کوئی فن

اتنا مشکل نہیں جتنا مشکل ترجمہ ہے۔ ترجمے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی مثلاً اردو میں ترجمہ کرے تو اردو کے پورے محاورات سے واقف ہو۔ عربی کے پورے محاورات سے واقف ہو۔ ہر چیز پر اس کو پورا عبور ہو، شانِ نزول بھی معلوم ہو۔ اس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی اس کے ساتھ ہوں۔ دوسری نصوص جو بظاہر اس کے موافق ہوں وہ بھی اور جو اس کے معارض ہوں وہ بھی سامنے ہوں۔ تب جاکے ایک زبان کے لفظ کے مفہوم کو دوسری زبان کے لفظ میں ادا کرے۔

باقی اردو میں قرآن پاک کا ترجمہ نہایت جامع حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے۔ پہلے تو ہندوستان میں اردو فارسی کسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ نہیں تھا۔ سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔

اس کے بعد ان کے دو بیٹوں حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا۔ ایک نے تحت اللفظ ترجمہ کیا اور ایک نے بامحاورہ ترجمہ کیا۔ تیسرے بیٹے (بڑے) نے تفسیر کی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے۔ اس کے بعد سے معاملہ آسان ہوگیا۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے متعلق حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن پاک اگر اردو میں نازل ہوتا تو یہی ہوتا۔ اتنا جامع ہے یہ۔ یہ تو نہیں کہتا کہ یہی ہوتا۔ البتہ اس کی عبارتوں کی عبارتیں ہوتیں اگر اردو میں نازل ہوتا۔ مشہور ہے کہ وہ الہامی ترجمہ ہے۔ ہر لفظ کا ایسا جچا تُلا ترجمہ کیا ہے کہ بس قلب کے اندر وہ اترتا چلا جاتا ہے بہت ہی جامع مثلاً
إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ نیکیاں دور کر دیتی ہیں برائیوں کو۔

اس پر حاشیہ میں ایک لفظ لکھ دیا۔ جتنے میل اتنے صابن (جتنے میل اتنے صابن) بہت ہی جامع چیز ہے۔ جیسے جیسے گناہ ان کو مٹانے کے لئے ویسی ویسی نیکیاں حق تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہیں۔ بعض گناہ ایسے ہیں کہ وضو کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب آدمی وضو کرتا ہے چہرہ دھوتا ہے تو چہرہ سے جو آخری قطرہ گرتا ہے پانی کا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سب گناہ دُھل جاتے ہیں جو چہرے نے کئے تھے۔ اسی طرح ہاتھ سے پیر سے۔ بعض گناہ ایسے ہیں کہ جب آدمی وضو کرنے کے بعد گھر سے چلتا ہے نماز کے لئے۔ تو ایک قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ ایک قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ ایک قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ وہ جو چل کر آتا ہے اس چلنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں، تو کچھ گناہ وضو کرنے سے معاف ہوئے، کچھ گناہ چلنے سے معاف ہوئے۔ کچھ گناہ صدقہ دینے سے معاف ہوتے ہیں اور کچھ گناہ روزہ رکھنے سے معاف ہوتے ہیں کچھ حج کرنے سے۔ حتیٰ کہ آدمی جب حج کرتا ہے اس میں کچھ جنایت نہ کرے، پورے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے حج کرے تو ایسا ہو جاتا ہے جیسے کہ آج اس کی ماں نے اس کو جنا ہو۔ اور آج کل کچھ گناہ حج سے واپسی پر کسٹم میں معاف ہوتے ہیں، جو خلافِ قانون سامان خرید کر لاتے ہیں، پھر پکڑ دھکڑ ہوتی ہے اچھی طرح سے۔ کچھ گناہ ایسے ہیں کہ اس دُنیا میں معاف ہی نہیں ہوتے۔ قبر میں جا کر معاف ہوں گے جب وہاں پٹائی ہوگی، اور کچھ گناہ میدانِ حشر میں جا کر معاف ہوں گے غرض جتنے میل اتنے صابن۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ تو بندھ گیا۔

اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے کہا:

غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۔ دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، پھیلے ہوئے ہیں کشادہ ہیں۔

یہود نے تو ایک ہی ہاتھ ثابت کیا تھا۔ واحد کا صیغہ لایا۔ یہاں جواب میں تثنیہ کا صیغہ لائے یدٰہ، یہ تو دو ہاتھ ثابت ہوئے۔ تو بہت تلاش کیا کہ کہیں اس بارے میں کچھ ملے۔ تفسیر میں کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ ہاں حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ قہر اور مہر کے کھلے ہوئے ہیں۔ کسی کی طرف مہر کا ہاتھ محبت کا اور کسی کی طرف قہر کا ہاتھ۔

آیت ہے۔ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا

حضرت مریم کے جب بچہ پیدا ہوا۔ اور چونکہ بغیر شادی کے ہوا تھا جو کہ عام عرف کے خلاف تھا تو بدنامی، شرمندگی سب کچھ کا خدشہ تھا۔ کہنے لگیں يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا۔ کاش میں مر جاتی اس سے پہلے ہی پہلے وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔ اور بھولی ہوئی آتی، بھول جاتی۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بس اس کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے۔ انھوں نے ترجمہ کیا "بھولی بسری آتی" محاورے کے موافق ترجمہ کر دیا کہ یہ لفظ زائد نہیں ہے، اسی معنی میں آیا ہے۔

اسی طرح آیت ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا ہے "تھامتے ہیں اپنی شرمگاہوں کو" تھامنا کیا ہے۔ یوں سمجھو جس طرح ایک گھوڑا ہے۔ قابو سے باہر ہو کر نکلا چلا جا رہا ہے۔ لگام کے ذریعہ سے لگام کو کھینچ کر اس کو تھاما جائے، روکا جائے۔ یہ کہلاتا ہے تھامنا۔ بھینس ہے جو چلی

جا رہی ہے اس کو رسّہ باندھ کر، پکڑ کر زبردستی روکا جا رہا ہے۔ یہ ہے تقاضا خالی گناہ نہ کرنے پر اجر نہیں بلکہ گناہ کا داعیہ موجود ہے، غلبہ ہے، اسباب موجود ہیں گناہ کرنے کے۔ پھر نفس کو روکتا ہے آدمی زبردستی جیسے کہ اس بجنس کو بند کرتا ہے رسّے سے، تاکہ کفُّ النفس کا مفہوم ہو جائے۔ اس لئے ترجمہ کیا، تھامتے ہیں اپنی شرمگاہوں کو۔

اسی طرح سے آیت میں ہے اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ، یہ تم لمس کرو عورتوں کو۔ لمس کے کیا معنی ہیں۔ تم ہاتھ لگاؤ، یا جماع کرو۔ اختلاف احناف شافعی سے پڑھتے چلے آ رہے ہو اس پر۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا، یا لگو تم عورتوں کو۔ بس سب اختلاف نکال دیا، قصہ ختم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کو سمجھ کر پڑھنے اور اس پر عمل کی توفیق دے۔ آمین!

ختم شد

تفسیرِ سُورۂ والعصر

(درکٹ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ **امابعد**

اعوذ باللہ الخ وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ الآیۃ

قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے کسی کسی بات کو قسم کھا کر فرمایا۔ لوگوں کو منع کیا بات بات پر قسم کھانے سے وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ اور خود حق تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا قسم کا حاصل کیا ہے۔ قسم کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے مخاطب سے ایک بات کہتا ہے اور اس کو یقین دلانے کے لئے کسی عظیم اور بڑی ذات کا حوالہ دیتا ہے اس کو گواہ بناتا ہے مثلاً ایک شخص ایک بات کہتا ہے کہ اللہ کی قسم یہ بات اس طرح سے ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اے مخاطب تو میری بات پر یقین کرلے میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں، اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہیں دلوں کے اندر کی چیزوں کو جانتا ہے " وَيَعْلَمُ مَا تُخْفِي الصُّدُورُ " آنکھ کے اشاروں کو جانتا ہے " يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ ۔ ہر ارادہ کو جانتا ہے اگر میں غلط بات کہوں تو وہ چونکہ جانتا ہے اور غلط بات سے ناخوش ہوتا ہے وہ مجھے سزا دیگا وہ اس پر قادر ہے۔ تو دو صفتیں حق تعالیٰ کی اس کے ذہن میں مرکوز کرنا ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ عالم ہے ہر چیز کا اس سے کوئی چیز مخفی نہیں سینہ کے اندر کی چیز بھی مخفی نہیں۔ زبان پر کچھ اور ہو سینہ میں کچھ اور ہو اس کو بھی جانتا ہے اور وہ قادر ہے غلط بات کو ناپسند کرتا ہے غلط بات پر سزا دے گا وہ قادر ہے۔ تو یہ دو صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذہن میں حاضر کرنا ہوتی ہیں ان دو صفتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے بات کہتا ہے کہ اللہ عالم ہے ہر چیز کا، دل کے ارادہ کو جانتا ہے يَعْلَمُ مَا فِي الصُّدُورِ، إِنَّ اللَّهَ

ـــہ اور اللہ کی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا اثبات مقصود ہے جن کا تعلق تزکیہ کے اور تقویٰ کے اور اصلاح نفس کے [illegible] (بیان القرآن [illegible])

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ اگر میں غلط بات کہتا ہوں گا تو اس کے علم میں ہے کہ میں غلط کہہ رہا ہوں اور وہ غلط بات سے ناخوش ہوتا ہے مجھے سزا دینے پر قادر ہے۔ پھر وہی قاعدہ وَهُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ۔ الآیۃ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے اوپر سے عذاب دے۔ پتھر برسا دے، بجلی گرا دے، نیچے سے عذاب دے زمین پھٹ جائے اس کے اندر لوگ دھنس جائیں مر جائیں اس کو ہر طرح عذاب دینے کی قدرت حاصل ہے اسی واسطے اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا ناجائز ہے کیونکہ یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں کسی اور میں موجود نہیں اس لئے اللہ ہی کے نام کے ساتھ قسم کھائی جائے یا اس کی صفات کے ساتھ کھائی جائے کسی اور غیر کے ساتھ کھانا جائز نہیں۔ یہ تو ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جب قسم کھاتے ہیں قاعدہ بیان کرتے ہیں۔ جب حق تعالیٰ خود قسم کھا رہے ہیں اس کا کیا مطلب؟ ان کو کس چیز سے یقین دلانے سے بات مؤکد کرنی ہے ان کے سامنے کون سی ایسی ذات ہے جو ہر چیز سے واقف ہے اور اس چیز کے خلاف کرنے سے سزا دینے پر قادر ہیں۔ وہاں حاصل یہ ہوتا ہے کہ اے بندو! ہم تمہارے سامنے ایک چیز پیش کرتے ہیں تم اس کو سمجھو اگر تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو فلاں فلاں چیزوں کے حالات پر غور کرو تو وہ بات سمجھ میں آجائے گی یہ چیز شاہد ہے یعنی گواہ ہے۔ یعنی اس کے حالات پر غور کرنے سے اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایک چیز "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ" اِنَّ تحقیق، کے لئے ہے یقین دلانے کے لئے ہے "الانسان" پر الف لام استغراق کا ہے۔ انسان بالیقین بالتحقیق انسان کے تمام افراد "لَفِيْ خُسْرٍ" لام تاکید کا ہے "خُسْرٍ" میں تنوین تعظیم کے لئے ہے "خسرِ عظیم" تمام انسان بڑے گھاٹے میں ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تمام انسان بڑے گھاٹے میں ہیں اس بات کو سمجھو اگر نہ سمجھ میں آئے تو "وَالْعَصْرِ" عصر کے حالات پر غور کرو۔ عصر کے معنیٰ زمانہ، زمانہ کے حالات پر غور کرو، تو سمجھ میں آجائے گا کہ انسان کس طرح گھاٹے میں ہے۔ روز زمانہ کے حالات کیا ہیں زمانہ کا

حال یہ ہے کہ وہ گذرتا رہتا ہے ٹھہرتا نہیں۔ آپ کے پاس روپے ہیں آپ چاہیں تو
اس کو جیب میں رکھ لیں نہیں خرچ کرتے جیب میں رکھا ہے۔ لیکن زمانہ کو کوئی شخص بچا کے
جیب میں رکھ کر نہ خرچ کرنا چاہے یہ نہیں کر سکتا ہے وہ تو خرچ ہوگا۔ آدمی سو رہا ہے
سانس چل رہا ہے۔ گذر رہا ہے وقت۔ جاگ رہا ہے تو بھی وقت گزر رہا ہے۔ بچہ پیدا
ہوا خوشی منائی جا رہی ہے آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے خوشی کرتے ہیں کہ ایک سال
کا ہوگیا خوشی ہو رہی ہے دس سال کا ہوگیا بیس سال کا ہوگیا حالانکہ جب بیس سال کا ہوگیا
تو اس میں خوشی کی کیا بات ہے جتنی عمر لے کر آیا تھا اس میں بیس سال کم ہو گئے اگر ساٹھ
سال کی عمر لے کر آیا ہے اللہ کی طرف سے تو دنیا میں اس کو بیس سال ہو گئے اس کا کیا
مطلب کہ بیس سال اس کی عمر سے کم ہو گئے۔ ایک شخص ساٹھ ہزار روپیہ لے کر تجارت
کے لئے چلتا ہے راستہ میں اس کے بیس ہزار روپیہ گر جاتے ہیں تو کیا ہوگا؟ بیس ہزار کا
نقصان ہوگیا۔ دنیا کے لوگ نقصان نفع سمجھ لیتے ہیں۔ یہاں افسوس کی چیز کو خوشی کی چیز
سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ آدمی کی عمر کم ہوتی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انسان گھاٹے
میں ہے سب ہی انسان گھاٹے میں ہیں اس وجہ سے جس طرح ایک شخص ہے اس کے
ہاں برف ہے برف کی ایک بڑی سل ہے اس کے ہاں گھر میں ضرورت ہے آٹا دال
نمک تیل کی گھر کے کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں ہے وہ بازار جاتا ہے قیمت ہوگی تو
کیسے خریدیگا۔ وہ نقصان میں ہے۔ قیمت اس کے پاس وہی برف کی سل ہے وہ برف
کی سل لیکر چلتا ہے جو چیز جس کے ہاں ہوتی ہے عامۃ اسی کو سامان کی قیمت قرار دیا جاتا
ہے اسی سے سامان خریدا جاتا ہے۔ ہمارے بچپن کے زمانہ کی بات ہے کہ عورتیں دیہات سے
آتی تھیں ۔۔۔ کوئی اناج لے کر آرہی ہے کوئی چنے لے کر آرہی ہے کوئی گیہوں
لے کر آرہی ہے اس سے خریدنے کے لئے۔ ایک بوتل تیل کے لئے کپاس لیکر آرہی ہے اس
سے خریدنے کے لئے کیونکہ پیسہ نہیں تھا۔ اسی طریقے سے ایک شخص کے پاس پیسہ نہیں ہے
برف کی سل ہے لیکر چلتا ہے بیوی بچے کھانے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ ادھر وہ بازار

سے آٹا لیکر آئیگا دال لیکر آئیگا تیل لے کر آئیگا گھر میں پکانے کے واسطے۔ اور یہ چلا بازار کی طرف برف کی سل لے کر۔ وہاں پہنچکر اس نے کیا کیا دیکھا ایک جگہ کچھ مجمع بیٹھا ہے۔ کوئی شخص بندر کا تماشہ دکھا رہا ہے یہ بھی کھڑا ہو کر بندر کا تماشہ دیکھنے لگا اس کو جگہ بھی دھوپ میں ملی۔ تو کیا ہوگا برف کی سل آہستہ آہستہ پگھلنے لگی۔ پگھلتے پگھلتے ایک چوتھائی ختم ہوگئی۔ کھیل تماشہ ختم ہوا آگے چل کر کسی شادی کا باجا بج رہا تھا باجے کو کھڑے ہو کر دیکھتا رہا وہاں بھی برف پگھلتا رہا پگھلتے پگھلتے برف آدھا رہ گیا۔ آگے چلا وہاں دیکھا کہ لوگ محرم کا ماتم کر رہے ہیں سینے پیٹ رہے ہیں۔ ایک چوتھائی برف رہ گیا یہاں تک کہ چلتے چلتے ایک چھوٹی سی ڈلی رہ گئی، ادھر موسم بدلا ٹھنڈی ہوا چلی بادل آیا بارش برسنے لگی اب لوگوں کو برف کی ضرورت نہ رہی جو دوکانیں تھیں وہ بھی آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں رات کا وقت ہے خرید و فروخت کا وقت ختم ہو رہا ہے ادھر اس کا وہاں کوئی جان پہچان کا بھی آدمی نہیں ہے اس بازار میں کہ رات کو وہیں ٹھہر جائے واپس جانے کے لئے پریشانی ہے وہاں اسکے پاس کوئی سواری نہیں پیدل جاتا ہے۔ نگاہ اس کی کمزور، رات کو اندھیرے میں نظر بھی آتا نہیں ہے راستہ بھی دور، راستے میں شیر وغیرہ کا اندیشہ، چور ڈاکو کا بھی اندیشہ یہاں ٹھہرنے کو جگہ نہیں مکان جانے کو سواری نہیں، پیدل جانے کی ہمت نہیں۔ عوارض، خطرات، بے شمار ہیں بڑا پریشان ہے۔ اب کیا کریگا بتائیے! کتنا خسارہ میں ہے۔ اب اگر کسی دوکاندار کے پاس جاتا ہے کہتا ہے مجھے آٹا چاہئے تو وہ کہے گا لاؤ پیسہ یہ کہتا ہے پیسے تو ہیں نہیں یہ برف کی ڈلی ہے، لے لے اس کے عوض دیدے، کہے گا اس کو کیا کروں گا میں یہاں کی کوئی قیمت ہی نہیں، بس یہی حال ہے، کتنا خسارہ میں رہے گا اگر یہ سمجھدار ہوتا۔ عقل سے کام لیتا۔ جیسے ہی بازار میں پہنچا ہوتا پہلے اس کے پیسے بنا لیتا یا اس کا آٹا لے لیتا۔ جو چیز بھی خریدنی تھی وہ اس سے خرید لیتا۔ اب تو وہ سارا کا سارا ختم ہو گیا برف، پیسہ اس کے پاس نہیں یہاں ٹھہرنے کی جگہ نہیں، سامان مل نہیں رہا ہے، گھر جانے کے واسطے دشواریاں ہیں۔

کتنا پریشان ہے۔

اسی طریقہ سے اللہ تعالےٰ نے اس دنیا کو ایک بازار بنایا ہے اور انسان کو اس بازار میں بھیجا ہے عالم آخرت سے اصل اس کا گھر وہاں ہے اس کو دنیا میں بھیجا کہ یہاں سے وہ چیزیں خریدے جو تیرے لئے آخرت میں کام آئیں گی اس دنیا میں جو چیزیں کار آمد تھیں وہ یہاں سے لے لیتا اور وہ چیزیں خریدتا جو آخرت کے گھر میں کام آئینگی۔

یہ آیا دنیا میں پیدا ہوا، بچپن کا زمانہ ہے کھیل کود کرتا ہے۔ ماں باپ لاڈ پیار کرتے ہیں کچھ زور سے بول دیا گالی کا لفظ بول دیا بچوں سے سُن سُنا کر۔ بس ماں بھی خوش ہوگئی باپ بھی خوش ہوگیا، ہنس کر بولے کہ بڑی عجیب بات کہی ہے حتیٰ کہ بڑے بڑے خراب الفاظ یاد کرتا ہے' ماں باپ اسے ڈانٹتے نہیں' تمیز سکھاتے نہیں' یہ برابر ان کو سنتا ہے ماں باپ کہتے ہیں بڑے ہو کر آپ سُدھر جائے گا۔ حالانکہ بڑے ہو کر کیا ہوتا ہے جو چیز بچپن سے چلی آتی ہے بڑے ہو کر بھی پختہ ہو جاتی ہے اس کا چھوڑنا دشوار ہوتا ہے جو الفاظ زبان پر بچپن میں چڑھتے ہیں بڑے ہو کر ان کا چھوڑنا بڑا مشکل ہوتا ہے جو عادتیں پڑتی ہیں اچھی ہوں کہ بُری بڑے ہو کر وہی پکی ہیں بس۔ پھر کھیل کود کا زمانہ تھا پڑھنے کی فکر نہیں کی حتیٰ کہ اوباش بچوں کے ساتھ رہنے لگا بُری عادتیں پیدا ہونے لگیں نہ قرآن پڑھا نہ حدیث پڑھی نہ دین کو سیکھا نہ نماز سیکھی کچھ نہیں حتیٰ کہ جتنے جتنے بُرے اخلاق تھے وہ سارے کئے اچھا کام کوئی نہیں کیا۔ اب جب بڑھاپا آیا منہ میں دانت نہیں پیٹ میں آنت نہیں۔ بیٹھ کر اٹھنا مشکل، چند قدم چلنا مشکل اس وقت کسی نے کہا بڑے میاں قبر میں پیر لٹک رہے ہیں جانے والے ہو آخرت کے واسطے کچھ فکر کر لو، کچھ کلمہ سیکھ لو، کچھ نماز سیکھ لو، اب اس کو کلمہ سکھاتے ہیں تو ٹھیک طرح سے پڑھ نہیں پاتا نماز صحیح پڑھ نہیں پاتا۔

جیسے کہ اس شخص کی سب پونجی ختم ہوگئی ایک دن میں جو برف لیکر آیا تھا یوں سمجھو وہ ایک دن ساری زندگی کا تھا وہ برف سارے کا سارا پگھل گیا ایک ڈلی رہ گئی جو

کسی کام کی نہیں رہی۔ اسی طرح اس شخص نے ساٹھ سال کی زندگی گذار دی اور اب چلنے کا وقت آ گیا آخرت کی طرف، یہاں ٹھہر نہیں سکتا اس واسطے کہ ملک الموت آ جائے گا پکڑ لے گا وہ تھوڑا ہی چھوڑ دیگا۔ کون شخص ہے جو ذمہ داری لے گا ملک الموت سے کہہ دے کر اچھا میں اپنے ہاں ٹھہرا لیتا ہوں آپ کے پاس پہنچا دوں گا۔ وہاں جانے کے لئے راستہ دیکھا نہیں، وہاں جانے کے لئے بڑے خطرات منکر نکیر کا معاملہ، قبر کا معاملہ، عذاب کے فرشتوں کا معاملہ، یہاں ٹھہرنے کو جگہ نہیں وہاں جانے کو راستہ بڑا خطرناک ہے راستہ میں پریشانیاں ہیں۔ اور جو عمر کا حصہ لے کر آیا تھا وہ بمنزلہ برف کے تھا وہ گھلتے گھلتے ختم ہو گیا اب جو ڈلی رہ گئی وہ کسی کام کی نہیں۔ اس شخص کی پریشانیوں کا حال کتنا سخت ہے اسی لئے فرمایا وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ ہر انسان گھاٹے میں ہے گھاٹا کیا ہے؟ کہ برف کی طرح سے اس کی عمر کا ایک ایک قطرہ پگھلتا رہتا ہے اسی طرح سے انسان کی زندگی ختم ہوتی ہے۔ ہر انسان گھاٹے میں ہے۔ عالم ہے تو گھاٹے میں ہے جاہل ہے تو گھاٹے میں ہے مالدار ہے تو گھاٹے میں ہے فقیر ہے تو گھاٹے میں، حاکم ہے تو گھاٹے میں محکوم ہے تو گھاٹے میں نیک ہے تو گھاٹے میں، بد ہے تو گھاٹے میں۔ یعنی ہر ایک کی زندگی گذرتی ہی جا رہی ہے، کوئی شخص ایسا نہیں جو عمر کا کچھ حصہ لے کر کپڑے میں باندھ کر یا صندوق میں بند کر کے رکھ دے کہ جب ضرورت پیش آئے نکال لاؤں۔ زندگی تو گذر رہی ہے اس کے محفوظ کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس لئے فرماتے ہیں بالکل یقینی بات ہے پختہ بات ہے کسی شک و تردد کی گنجائش ہی نہیں کہ ہر انسان گھاٹے میں ہے جو زندگی انسان کو دی گئی تھی اس کے ذریعے سے اپنی آخرت کو درست کر لیتا وہ زندگی انسان کی اس دنیا میں آنے سے ختم ہو رہی ہے۔ اب کیا کریگا۔ چار فرقوں کو مستثنیٰ کیا گیا۔ اِلَّا۔ اِلَّا بھی تو قرآن میں آتا ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا۔ پہلا طبقہ وہ جنھوں نے ایمان قبول کیا دنیا میں آنے ایمان قبول کیا، صرف ایمان لانے کوئی اور عمل صالح نہیں کیا انشاء اللہ وہ بھی نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔ اگر کسی شخص کو ایمان مل گیا اس دنیا میں آ کر تو ایسے جیسے ایک بہت بڑا

پلاٹ مل گیا زمین کا۔ اس کے اندر باغ لگ سکتا ہے، دوکانیں بنا سکتا ہے، گھر بنا سکتا ہے، مسافر خانہ
بنا سکتا ہے، مدرسہ مسجد بنا سکتا ہے، سب کچھ بنا سکتا ہے۔ غرض ایک پلاٹ اس کو مل گیا۔
ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ صرف ایمان لایا اور جنت میں چلا گیا۔

ایک شخص جہاد میں آیا، وہ شخص مسلمان نہیں تھا مشرک تھا مشرکوں کی طرف سے آیا لڑنے
کے لیے قتال کے لیے۔ جہاد میں لڑا اور عین جہاد کی حالت میں اس نے کلمہ پڑھ لیا مسلمان
ہو گیا۔ ایسے ہی جیسے اس نے کلمہ پڑھ لیا مسلمان ہو گیا فوراً اس کے ایک تیر لگ گیا ختم ہو گیا
شہید ہو گیا۔ اب دیکھئے ایک وقت کی اس نے نماز نہیں پڑھی، ایک دن کا اس نے روزہ
نہیں رکھا، حج نہیں کیا، کوئی صدقہ نہیں کیا کوئی چیز نہیں کی صرف ایمان لایا کلمہ جنت
میں جائیگا مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ[1] کا ایک صحیح مصداق
یہ بھی ہے۔ ایک شخص آتا ہے اونٹ پر سوار پریشان حال۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق
پوچھتا ہے کہ وہ کہاں ہیں۔ دیکھا یہ ہیں۔ کہا میں بڑی دور سے آیا ہوں، راستے میں کھانے کو نہیں
ملا، کھانے کی چیزیں چھوڑ کر میں نکلا ہوں میں پوچھنے کے لئے آیا ہوں کہ ایمان کیا
چیز ہے؟ بتا دیا گیا کہ ایمان یہ چیز ہے۔ یہ سنتے ہی واپس جانے لگا اور اونٹ پر سوار تھا
اونٹ سے گرا اور گرتے ہی مر گیا یعنی جنت میں گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص
اہل جنت کی طرف دیکھنا چاہے وہ اس شخص کو دیکھے۔ یہ آدمی تھا اتنی دور سے چل کر آیا
تھا اور ایمان کی حقیقت کو پوچھا پھر اس کا انتقال ہو گیا تو وہ جنتی ہے اس لئے ایمان
بڑی دولت ہے۔

ایک طالبعلمانہ لطیفہ

ابو زرعہ ایک محدث ہیں بہت زبردست محدث ہیں لاکھوں
حدیثیں ان کو زبانی یاد تھیں حدیث بیان کر رہے تھے مجمع
کے سامنے مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ یا مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ
اتنا ہی کہا اور وہیں انتقال ہو گیا۔ اتنا کہتے ہی انتقال ہو گیا۔ شعرانی نے لکھا ہے کہ وہ

[1] جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حدیث پوری نہ کر سکے حدیث پوری کیا تھی؟ "مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ" دَخَلَ الْجَنَّةَ نہیں پڑھ سکے اس سے پہلے انتقال کر گئے لیکن ہمارے استاد نے بتایا کہ حدیث انھوں نے پوری کر دی. کیسے پوری کر دی ! بات کبھی تو پوری کی جاتی ہے زبان سے اور کبھی پوری کی جاتی ہے کسی اور اشارے سے. استاد کبھی بچوں سے کہتا ہے سبق یاد کرو اگر سبق یاد نہ کرو گے تو (اشارہ فرمایا ہاتھ سے جیسے چھڑی سے مارنے کا اشارہ فرمایا کرتے ہیں) ورنہ...... ' ہاتھ سے جو اشارہ کرتا ہے پٹائی کی طرف تو بات کو زبان سے پورا نہیں کرتا بلکہ ہاتھ سے پورا کرتا ہے. تو یہاں انھوں نے حدیث کو پورا کیا عمل سے " لا الٰہ الا اللہ" کہا اور جنت میں داخل ہو گئے. مَنْ قَالَ الخ کہا اور جنت میں داخل ہو گئے تو مَنْ قَالَ الخ یہ کیا چیز ہے ! یہ "اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا" وہ لوگ جو ایمان لائے، یہ طبقہ جنت میں جائیگا خسارے سے بچے گا، جتنی زندگی غفلت میں گذر گئی تھی وہ گذر گئی تھی لیکن جیسے ہی کلمہ پڑھ لیا ایمان لایا جنت میں داخل ہو گئے اللہ اپنے بندوں کے ساتھ ایسے ہی معاملات فرماتے ہیں.

انتقال کے وقت مدینہ طیبہ میں ایک شخص "روضۃ من ریاض الجنۃ" میں بیٹھا ہوا قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا. اذان ہوئی "اللہ اکبر، اللہ اکبر". اس نے بھی زبان سے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر. پھر مؤذن نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا اس نے بھی اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا پھر اس نے " اشہد ان لا الٰہ الا اللہ" کہا اس نے بھی اشہد ان الخ کہا. اس نے جب اشہد ان محمداً رسول اللہ" کہا تو یہ جو بیٹھا ہوا قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی طرف نظر کی اور "اشہد ان محمداً رسول اللہ" کہا اور وہیں انتقال ہو گیا، آگے چلنے کی نوبت ہی نہیں آئی. اس لئے جو شخص "لا الٰہ الا اللہ" کہے جنت میں جائیگا حدیث پاک صحیح ہے کسی اور توجیہ کی ضرورت نہیں، مَنْ قَالَ الخ میں جیسے طلباء توجیہ کیا کرتے ہیں. بس جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کہا اس کو کسی نیک عمل کا موقعہ

ہی نہیں ملا۔ لہذا یہی کافی ہوگیا اسکے واسطے ایک جھٹکا تو گھاٹے سے بچ گیا جو ایمان لے آیا۔

دوسرا طبقہ "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی کیا اعمال صالحہ کا میدان بہت بڑا وسیع ہے، ایک قسم نہیں بے شمار ہیں۔ اعمال صالحہ اس پلاٹ کو کام میں لانے کے واسطے بہت سے کام کیے جاسکتے ہیں اس پلاٹ میں ایک شخص نے مسجد بنوادی جب تک اس میں نماز ہوتی رہیگی اس کو ثواب ملتا رہیگا۔ اسی پلاٹ میں ایک مدرسہ بنادیا جب تک اسمیں پڑھائی ہوگی پڑھنے والے پڑھتے رہیں گے، پڑھانے والے پڑھاتے رہیں گے اس کا ثواب ملتا رہیگا، اعمال صالحہ یہ چیز ہے۔ حضرت امام بخاریؒ جن کی عمر تریسٹھ سال ہوئی ہے زیادہ نہیں ہوئی، غسل کرتے وضو کرتے، مسواک کرتے، دو رکعت نفل پڑھتے تب ایک حدیث لکھتے۔ اس طرح سولہ برس لگے ان کو بخاری شریف کی تصنیف فرمانے میں۔ اور احادیث کو تلاش کرنے نکلتے تھے کہاں محدث ہے کس کے پاس جانا ہے یہ صورت نہیں تھی اس زمانہ میں آج جو آپ کے یہاں ہے کہ گھنٹے مقرر ہیں اساتذہ متعین ہیں درسگاہیں تجویز شدہ ہیں کتابیں موجود ہیں پڑھنے کے لئے، امام بخاریؒ کی والدہ بھی ساتھ تھیں ان کو ٹھہرا کے رکھنے کی جگہ نہ تھی ان کو ساتھ لئے لئے سفر کرتے تھے جہاں کوئی محدث ہوا ان سے حدیث لیتے تھے تریسٹھ سال کی عمر ہوئی بخاری شریف تصنیف فرمائی اور اس شان کے ساتھ تصنیف فرمائی کہ ہر حدیث کے شروع میں وضو وغسل و دو رکعت نفل پڑھی اس کے بعد ایک حدیث لکھی۔ محنت کی دنیا سے چلے گئے۔ لیکن اتنا بڑا کام کر کے چلے گئے کہ اسی ہزار لوگوں نے بخاری شریف کی سند امام بخاری سے براہ راست لی ہے دنیا میں مشرق مغرب جنوب و شمال جگہ جگہ بخاری شریف پڑھی جا رہی ہے پڑھائی جارہی ہے لوگ اس کا ترجمہ لکھ رہے ہیں حاشیہ لکھ رہے ہیں اس سے مسائل استنباط کر رہے ہیں مسائل بتا رہے ہیں، کتنا بڑا کام کر گئے ہیں۔

اسی طرح سے کسی شخص کو اس پلاٹ کے ساتھ ساتھ مال و دولت بھی عطا فرمائی

یعنی ایمان کے ساتھ ساتھ دولت بھی عطا فرمائی ہے، وہ اپنی دولت کو خرچ کرتا ہے، غرباء پر خرچ کرتا ہے، مساکین پر خرچ کرتا ہے، دین کے کاموں پر خرچ کرتا ہے۔ اعمال صالحہ کا مستقل سلسلہ جاری ہے۔ اسی طرح سے دوسرے جتنے اعمال صالحہ ہیں ان کو اختیار کرتے ہیں ایک طبقہ تو ایسا ہے جو فقط ایمان لایا اس سے حساب وکتاب کچھ ہے ہی نہیں۔ ایمان لایا پھر ختم ہو گیا، اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ایک طبقہ آگے بڑھ کر اس کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ بھی کرتا رہے، اب مثلاً یہ دیکھئے کہ آدمی اپنے گھر سے درسگاہ تک آتا ہے، مسجد تک آتا ہے، خاموش چلا آتا ہے، کیوں خاموش چلا آتا ہے؟ درود شریف پڑھتا چلا آئے قرآن پاک پڑھتا چلا آئے، حدیث کی دعائیں پڑھتا چلا آئے۔ اب جتنے سانسات اس نے گھر تا مسجد تک خاموشی میں خرچ کئے اس کا حساب بھی تو ہوگا، نقصان ہی تو ہو گیا اسمیں کچھ نہیں کیا اس نے ہاں، اگر قرآن پاک پڑھتا چلا آتا، ہر ہر سانس اس کا آمد ہے۔ ہر سانس ایک ایک اشرفی سے زیادہ قیمتی ہے، اشرفی جیب میں لیکر چلتا ہے لیکن وہ جیب نیچے سے پھٹی ہے اشرفی نکلتی چلی جارہی ہے گرتی چلی جارہی ہے، بازار تک دوکان پر جب پہونچا دیکھا تو پوری جیب خالی، خسارہ میں ہے۔ لیکن اگر اسی اشرفی سے کام لے لے کافی ہے۔ یہی سانس بڑے قیمتی ہیں انکو ضائع کرنا اشرفیوں کو ضائع کرنے سے زیادہ خسارہ ہے

؎ تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے + یہ زجبرد جواہر کی لڑی ہے

یہ سانس کا اتار چڑھاؤ جواہر کی لڑی ہے

اس کو ضائع مت کرو اس کو کام میں لاؤ تو اگر مکان سے مسجد تک آتے آتے قل ھو اللہ ہی مثلاً پڑھتا چلا آئے تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ قل ھو اللہ پڑھتا ہے اس کو ایک تہائی قرآن شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے ایک سانس میں کئی دفعہ آدمی قل ھو اللہ احد پڑھ سکتا ہے، اتنی بڑی کمائی محنت معمولی سی ہے کچھ بھی نہیں زبان کی معمولی سی حرکت نے قل ھو اللہ ادا ہو جاتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ الحمد شریف

پڑھنے سے اتنا ثواب ملتا ہے جتنا دو تہائی قرآن پڑھنے سے ملتا ہے۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ پڑھنے میں اتنا ثواب ہے جتنا ایک چوتھائی قرآن پڑھنے میں ہے۔ سورۂ یٰسین شریف پڑھنے میں اتنا ثواب ہے جتنا دس قرآن پڑھنے میں ہے۔ اللہ نے کتنی سہولتیں مہیا کر رکھی ہیں مگر پھر بھی انسان اس سے غافل ہے اس کو اختیار نہ کرے تو کتنا خسارہ میں ہے اور اس سے زیادہ خسارہ میں وہ شخص جس کی زندگی کے سانس معاصی میں گذر جائیں خداوند تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرے زیادہ گھاٹے و نقصان میں وہ شخص ہے، اور وہ ایسا ہوگیا جیسے کوئی شخص گھر سے جیب میں اشرفیاں لے کر چلا اور ان اشرفیوں کو بچھوؤں سے بدل لیا۔

بے شمار قسمیں اعمال صالحہ کی ہیں احادیث کی کتابیں بھری ہیں فقہ کی کتابیں پُر ہیں قرآن پاک بھرا ہے اعمال صالحہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کوتاہی نہیں فرمائی تمام اعمال صالحہ بیان فرمائے، صحابہ کرامؓ نے اس کے نقل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ائمہ مجتہدینؒ نے ان کو سامنے رکھ کر مسائل کے استنباط کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اب نمبر ہمارا ہے ہم ان کو پڑھیں ان کی قدر کریں، ان پر عمل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہوگی۔

"وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" الخ ایک طبقہ تیسرا ہے پہلا تو وہ جو فقط ایمان لایا دوسرا وہ جس نے اعمال صالحہ بھی کئے تیسرا طبقہ وہ جس نے صبر کی تلقین کی، وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ایک طبقہ وہ جو تواصی بالحق کرتا ہے، ایک دوسرے کو حق کی وصیت حق کی تلقین کرتا ہے حق پیش کرتے رہے حق قبول کرتے رہے ایک دوسرے کو تلقین کرتے رہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے مَنْ اَسْلَمَ عَلٰى يَدَيْهِ رَجُلٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ يا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ. او كما قال صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. جس شخص کے ہاتھ پر ایک شخص ایمان لائے اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ تواصی بالحق کی ایک شان یہ ہے لوگوں کو حق پہنچانا، ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حالات میں لکھا ہے اتنے لاکھ آدمی ان کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ اب اتنے لاکھ آدمیوں میں سے

نہ جانے کتنے حافظ ہوئے ہوں گے کتنے قاری ہوئے ہوں گے کتنے عالم ہوئے ہوں گے کتنے ولی ہوئے ہوں گے اور آگے بھی انھوں نے کتنوں کو اسلام کی دعوت دی ہوگی کتنے خسارے سے بچ کر کس قدر نفع کمانے والے ہیں۔ یہ جو پونجی ہے جسے سرمایۂ حیات کہنا چاہیے۔ انسان کی زندگی کی ہر سانس یہ بڑی قیمتی چیز ہے اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے اس کو بیکار کرنے سے آگے انسان بڑے خسارے میں رہتا ہے۔

"وتواصوا بالصبر" - چوتھا طبقہ وہ جس نے خود بھی صبر کیا اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کی۔ "حبس النفس علی ما تکرہ رضاءً بقضائہ تعالیٰ" صبر ہے۔ نفس کو محبوس کرنا ایسی چیز پر جس کو نفس ناپسند کرتا ہو اللہ کی رضامندی کے لئے۔ اللہ کے بندوں پر آزمائشیں آتی ہیں یہ دنیا آزمائش گاہ ہے بڑا امتحان ہے۔ الٓمّٓ ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم آمنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے ان کی آزمائش نہیں ہوگی۔ آزمائش تو ہوگی بڑی بڑی آزمائشیں ہوں گی۔ حضور نے فرمایا کہ سب سے زیادہ آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوئی اور انبیاء علیہم السلام میں سب سے زیادہ آزمائش میری ہوئی۔ یہ حضورؐ کا فرمان ہے۔ انبیاء کے قصے آپ حضرات جانتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کیسی کیسی آزمائش ہوئی۔ مکان سے چلے، ہجرت کی، چلے بیوی ایک جگہ پر چھین لی گئی، چلے بیت اللہ کی تعمیر کے لئے، بیوی بچے وادی بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑنے کا حکم ہوا وہاں پر چھوڑ دئے، چھوٹا معصوم بچہ، بیوی، کوئی اور گھر نہیں کوئی اور جاننے والا نہیں، کوئی کھیتی کی پیداوار نہیں پھل کی پیداوار نہیں وہاں ایسی حالت میں چھوڑ کر چلے۔ تو پھر آگ میں ڈالنے کے لئے کتنا زبردست معاملہ کیا گیا آگ میں ڈالے گئے۔ حضرت موسیٰؑ کو کتنا آزمایا گیا، حضرت عیسیٰؑ کو کتنا آزمایا گیا، حضرت نوحؑ کو کتنا آزمایا گیا سب کو آزمایا گیا۔ یہ سب قرآن پاک میں موجود ہے۔ اور اس امت کے اولیاء اللہ کی بھی آزمائشیں کیا کیا ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو جیل میں ڈالا گیا دس کوڑے وہاں پر روزانہ لگتے تھے وہیں پر زہر دیا گیا۔ حضرت امام مالکؒ کی

شکنجوں اس طرح زور سے کسی گئیں کہ مونڈھے ان کے الگ ہو گئے۔ ان حضرات نے کسی سے
انتقام نہیں لیا۔ حضرت امام احمدؒ کے متعلق حضرت امام شافعیؒ نے خواب دیکھا بشارت دی
گئی کہ احمد کو بشارت دو آزمائش کی۔ حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد تھے امام احمدؒ۔ حضرت امام
شافعیؒ نے اپنے بھائی یا بیٹے امام مزنی کو بھیجا وہ گئے جا کر انہوں نے کہا کہ استاد محترم نے یہ کہا یہ
سنکر حضرت امام احمدؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے کہ استاد محترم کی خدمت میں
سلام عرض کریں اور کہو کہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے۔ جب وہ واپس آئے
تو حضرت امام شافعیؒ نے پوچھا کہ تم کو کچھ دیا بھی امام احمد نے۔ کیونکہ جو شخص خوشخبری سنائے
کسی کو تو اس کو کچھ دیا کرتے ہیں دینے کا معمول ہے۔ کہا ہاں! مجھے اپنا کرتا اتار کر دیا اس
خوشخبری میں۔ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا تم سے کہ تم یہ کرتا مجھے دیدو لیکن
پانی میں بھگو کر اس کا پانی مجھے دیدو۔ چنانچہ اس کا پانی نچوڑ دیا جس کو انہوں نے پیا اور سر چہرہ پر
ملا۔ آزمائش جب ہوئی "اللہ الصمد۔ اللہ الصمد" کوڑے لگتے تھے تو ہر کوڑے کے بدلے میں
کہتے تھے "غفر اللہ لک"۔ ان کی اس طرح آزمائش ہوئی اور خدا جانے کس کس کی آزمائش ہوئی
صبر کرے جتنا آدمی صبر کرے گا اسی قدر اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوگا۔

تو فرمایا چار طبقے ایسے ہیں جو خسران سے گھاٹے سے محفوظ رہیں گے۔ ایک "الذین آمنوا"۔
دوسرا "وعملوا الصالحات"۔ تیسرے "وتواصوا بالحق" چوتھے "وتواصوا بالصبر"

اور یہ مہینہ اس کا نام ہی ہے "شہر الصبر" صبر کا مہینہ ہے رمضان کا مہینہ۔ اس کے گذر گئے
آج تیسویں تاریخ ہے جتنا نقصان دگھانے میں گذرا اللہ اس کو معاف فرمائے جتنا باقی ہے اللہ
اس کی قدر ہمیں نصیب فرمائے۔ بھائی ہمارا حال ایسا ہے جس کو ہم یوں سمجھتے ہیں کہ ایک جسد تو ہمارا
سے گھرا ہوا ہے بالکل سر سے پیر تک معاصی سے بھرا ہوا حق تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم اور اپنے
حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی لاج رکھتے ہوئے ہماری بخشش فرمائے۔ آمین

برحمتک یا ارحم الراحمین

تفسیر سورۂ والعصر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس مختصر سی سورت میں بڑے عالی مضامین بیان فرمائے ہیں۔ انسان کی زندگی کا خلاصہ اور سارا نچوڑ بتا دیا۔ قسم کھا کر فرمایا: وَالْعَصْرِ قسم ہے زمانے کی۔ قسم کیوں کھائی؟ قسم کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جب آدمی کسی مخاطب سے بات کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں بالکل سچی دل کی بات بتاتا ہوں۔ اگر میں اس میں جھوٹ بولتا ہوں گا اللہ کو گواہ پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ جھوٹ کو ناپسند کرتا ہے، جھوٹی قسم کو ناپسند کرتا ہے، میرے جھوٹ بولنے پر واقف بھی ہوگا اور قادر بھی ہے اس کی سزا دینے پر۔ قسم کا حاصل تنا ہی ہوتا ہے مخاطب کے سامنے کسی بڑی ذات کو بطور گواہ کے پیش کرنا۔ اس واسطے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا منع ہے کیونکہ پورے طور پر وہی واقف ہے۔ یہ جو انسان کسی کے سامنے قسم کھا کر بات بتلاتا ہے، اس کی قسم کا یہ حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قسم کھائے اس کا کیا مطلب۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی کوئی ایسی عظیم الشان چیز ہے؟ ایسا تو نہیں! وہاں قسم کا حاصل یہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس پر غور کرو، تمہاری سمجھ میں نہ آتا ہو تو فلاں چیز کے حالات پر غور کر لینے سمجھ میں آجاوے گا۔ مثلاً اس سورت میں کیا بات بتائی۔ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ۔ کیا مقصود ہے انسان گھاٹے اور نقصان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر انسان نقصان اور گھاٹے

میں ہے۔ اگر تمھاری سمجھ میں نہیں آتا کہ گھاٹے اور نقصان میں کہاں ہے تو زمانہ کی حالت پر غور کرنے سے سمجھ میں آجاویگا یعنی زمانہ کی حالت پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ انسان گھاٹے میں ہے. زمانہ گزرتا رہتا ہے، زمانہ ایسی چیز نہیں کہ اس کو باندھکر محفوظ کر دیا جائے۔ پیسے ہیں انسان کے پاس خرچ کرتا ہے اٹھا کر رکھ بھی لیتا ہے جب ضرورت ہوگی خرچ کریں گے۔ کپڑا ہے پہنتا بھی ہے، اٹھا کر رکھ بھی لیتا ہے جب ضرورت ہوگی پہنیں گے، غلہ ہے کھاتا ہے رکھ بھی لیتا ہے. لیکن زمانہ کو اٹھا کر رکھ لے جب ضرورت پیش آئے گی نکال لیں گے. ایسا نہیں زمانہ تو گذر ہی رہا ہے ایک ایک سال، ایک ایک مہینہ، ایک ایک دن، ایک ایک گھنٹہ، ایک ایک سکنڈ، ایک ایک آن برابر گزرتا چلا جاتا ہے. چاہے انسان سو رہا ہے تب بھی اس کی زندگی گزر رہی ہے کھیتی کر رہا ہے تو زندگی گزر رہی ہے، دوکان میں بیٹھ کر سودا بیچ رہا ہے تو زندگی گزر رہی ہے، کھیل کود کر رہا ہے تو زندگی گزر رہی ہے غرض نیکی کر رہا ہو یا بدی کر رہا ہو. اپنا کام ہو ذاتی یا دوسروں کے متعلق کام ہو جس چیز میں بھی مشغول ہو انسان کی زندگی گزرتی چلی جائے گی. ایسا نہیں کہ دفتر میں ایک سال اٹھا کر رکھ لیں بعد میں نکال لوں گا۔ ایسا نہیں یہ گھاٹے میں ہے جو سرمایہ گھٹتا ہی رہتا ہو. اس سرمائے کے بارے میں کیسا کہیں گے گھاٹے میں ہے نقصان میں ہے ایسا سمجھئے کہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کو بازار بنایا. یہ بازار ہے یہاں ہر چیز ملتی ہے اور انسان کو اس بازار میں بھیجا. کہاں یہ جہاں پہلے تھا پیدا ہونے سے پہلے انسان کہاں تھا کسی اور عالم میں تھا اصل گھر تو آخرت ہی تھا وہاں سے اس دنیا میں بھیجا. تمھارے لئے وہاں کچھ کارآمد چیزیں ملیں گی لے آؤ، یہاں کوئی چیز مفت نہیں ملتی ہے خریدے کسی چیز کے خریدنے کے لئے تو سرمایہ چاہئے روپیہ چاہئے ان کے پاس سرمایہ ہے عمر کا۔ انھوں نے سرمایہ دیکر بھیجا ہے کہ اس عمر کو خرچ کرکے وہ وہ چیزیں خریدیں جو جو چیزیں وہاں کارآمد ہونگیں جیسے کوئی شخص اس دنیا میں

بازار میں آئے کچھ سامان خریدنے کے لئے۔ بازار میں آیا گاؤں سے گھر کی ضروریات خریدنے کے لئے ، روپیہ پیسہ تو اس کے پاس ہے نہیں ، گھر سے برف لایا کہ اس کو بیچ کر کچھ کپڑا خریدونگا جو چیز ضرورت کی ہوگی خریدونگا وہ آیا ، موسم گرمی کا ہے شہر میں داخل ہو کر دیکھا یہاں تو گانا بجانا ہو رہا ہے ناچ ہو رہا ہے وہ دیکھنے لگا جگہ نہیں ہے دھوپ میں کھڑا ہے سورج تپ رہا ہے اور برف سورج سے پگھلتا ہے۔ آدھا برف رہ گیا۔ وہاں سے آگے چلا دیکھا کہ قسم قسم کے کھیل ہو رہے ہیں۔ کسی جگہ بندر نچا رہے ہیں۔ وہ دیکھنے لگا جتنا برف ساتھ تھا اس میں سے اور آدھا رہ گیا۔ غرض دن بھر اس کا اسی میں گزر گیا۔ شام ہوگئی خدا نے کیا بادل آگیا اور زور کی بارش ہوگئی ٹھنڈی ہوا چل پڑی ادھر برف کی ڈلی اس کے پاس تھوڑی سی رہ گئی شہر میں اس کی کسی سے جان پہچان نہیں کوئی مسافرخانہ نہیں کہ وہاں جا کر قیام کرلے اب دوڑا دوڑا کسی دوکاندار کے پاس جاتا ہے دوکانیں بھی بند ہونا شروع ہوگئیں رات ہوگئی۔ کہتا ہے کہ چیز چاہئیے۔ اچھا پیسہ لائیے ، روپیہ تو ہے نہیں برف کی ڈلی ہے دوکاندار نے کہا برف کی ڈلی کس کام کی اب تو ٹھنڈی ہوا چل گئی اس کی ضرورت ہی نہ رہی ، کوئی قیمت نہیں اس کی۔ کسی جگہ کوئی چیز اس کے بدلہ میں نہیں ملتی اب اس کی پریشانی کو دیکھئے جو سرمایہ لے کر آیا تھا وہ پگھل کر ختم ہو گیا جو سامان خریدنا تھا خرید نہ سکا وقت سارا گزر گیا اب اس کو اپنے گاؤں کی طرف جانا ہے راستہ میں اندیشہ ہے کہ چور ڈاکو مل جائیں یہ بھی اندیشہ ہے کہ شیر بھیڑیا مل جائے اس کے پاس بندوق نہیں حفاظت کے واسطے نظر بھی کم آتا ہے بہت پریشان ادھر گھر والے انتظار میں بیٹھے ہیں کہ سامان خرید کر لائے گا گھر کی ضروریات کا وہاں کچھ بھی نہیں۔ اس شخص کو کیا کہا جائیگا یہی کہا جائیگا بڑے خسارہ میں ہے بڑے گھاٹے ٹوٹے میں ہے۔ سمجھدار ہوتا تو سب سے پہلے شہر میں داخل ہو کر اس برف کی سل کو بیچ کر پیسے بنا لیتا ، جو سامان خریدنا تھا خرید لیتا اور کھیل تماشہ میں وقت ضائع نہ کرتا جلدی سے جلدی سامان خرید کر اپنے گھر واپس چلا جاتا

تو نقصان میں تو ہوتا اب تو سراسر نقصان ہی نقصان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ انسان گھاٹے میں ہے۔ زمانہ کے حالات میں غور کرو اس سے سمجھ میں آوے گا انسان کس طرح گھاٹے میں ہے۔ مثلاً ایک شخص کو پچاس سال کی زندگی دی گئی یا کسی کو اسی سال کی زندگی دی گئی یا وہ اس دنیا میں آیا کچھ وقت گزرا بچپن اور بچپن کا کچھ زمانہ گزرا۔ شوخی، شرارت کا کھیل کود کا کچھ وقت گزرا دوسرے قسم کے کھیل تماشے دیکھنے میں کچھ وقت گزرا سیر و تفریح کی۔ دوسرے علاقے دیکھے ہیں۔ غرض اس طرح ہوتے ہوتے زندگی گزر گئی۔ اب جب زندگی کی شام ہوتی ہے منہ میں دانت نہیں رہے پیٹ میں آنت نہ رہی، چلنا پھرنا مشکل ہے بیٹھے تو اٹھا نہیں جاتا۔ یہ کیفیت ہے۔ اصلی گھر میں جاتا ہے۔ سامان سفر ساتھ نہیں، گھر جانے کا وقت قریب ہے گھر وہی ہے جہاں سے پہلے آیا تھا اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اس عالم میں جاتا ہے۔ سامان کچھ نہیں خریدا کسی نے کہا بڑے میاں اتنی عمر آ گئی نماز ہی پڑھ لیا کرو۔ جواب بھی نہیں دیا۔ لفظ صحیح ادا نہیں ہوتا وہ کہلوائے زبان سے کچھ اور نکلے کچھ۔ نہ نماز جانتے ہیں نہ تلاوت جانتے ہیں، نہ روزہ جانتے ہیں۔ اور واپس جانا ہے زندگی ختم ہونے کے بعد کوئی رکھنے کو تیار نہیں اول تو زندگی ختم ہو جانے سے پہلے ہی دعا کرتے ہیں جلدی چلا جاوے تو اچھا ہے۔ بہت بوڑھا ہوا اس کی زندگی بھر اس کا ساتھ دیا اس کے دوستوں عزیزوں نے۔ اور جب زندگی ختم ہو گئی ایک رات بھر رکھنے کے لئے تیار نہیں۔ جلدی جلدی قبر میں دفن کرو اس کو وہاں پہنچ کر منکر نکیر کا معاملہ در پیش ہے۔ کیا آپ لوگوں نے موت کا قصیدہ بہت دھیان سے سنا وہاں پہنچ کر کیا ہوگا۔ مطالبہ ہوگا۔ بوڑھے کیا کر کے آیا ہے؟ اتنی زندگی دی تھی کہاں خرچ کی کیوں کچھ کمایا نہیں کیا جواب دیگا۔ اس زندگی کے ذریعے کیا خریدا جا سکتا ہے؟ بہت کچھ خریدا جا سکتا ہے اس کو بتاتے ہیں اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہر انسان گھاٹے اور نقصان میں ہے چاہے عادل ہو یا جابر ہو، چاہے مالدار ہو یا فقیر ہو، چاہے گاؤں کا

رہنے والا ہو چاہے شہر کا رہنے والا ہو، چاہے بادشاہ ہو یا حاکم ہو، چاہے رعیت ہو ہر انسان گھاٹے میں ہے اور نقصان میں ہے۔ مگر چار طبقے، وہ چار طبقے بچ گئے گھاٹے اور نقصان سے۔ کون کون سے؟ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لے آئے گھاٹے سے بچ گئے۔ اگر اس نے کوئی بھی نیک عمل نہیں کیا صرف ایمان لے آیا یہ چیز بھی نجات کے لئے کافی ہو جائے گی۔ ایمان لانا ایسا ہے جیسے بہت بڑا پلاٹ مل گیا اس میں باغ لگا سکتا ہے۔ عمارت بنا سکتا ہے مدرسہ، مسجد تعمیر کر سکتا ہے۔ مسافر خانہ بنا سکتا ہے اور خدا جانے کیا کیا کام کر سکتا ہے اگر اس نے کچھ بھی نہ کیا صرف پلاٹ ہے اس کے پاس یہ بھی بہت کافی ہے، بڑی قیمت کا ہے۔ ایمان بمنزلہ پلاٹ کے ہے ایمان لے آیا گویا بہت بڑا پلاٹ مل گیا۔ کوئی کام نہیں کیا صرف ایمان لے آیا تو وہ بھی نجات کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ جہاد میں ایک کافر مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑ رہا ہے بہت زور کے ساتھ تلوار چلا رہا ہے خدا جانے کتنوں کو شہید کر دیا ہو گا اللہ نے توفیق دی ایمان کی، کلمہ پڑھتا ہے، جیسے ہی کلمہ پڑھا کسی دشمن کا تیر سامنے سے لگا فوراً ختم ہو گیا۔ اب دیکھئے اس شخص نے ایک وقت کی نماز نہیں پڑھی، ایک دن کا روزہ نہیں رکھا، کوئی بھی نیک عمل نہیں کیا صرف کلمہ پڑھا یعنی ایمان لایا تیر اس کو لگ گیا اور کھلا جنت میں جائے گا نقصان سے بچ گیا۔ ایک شخص اونٹ پر چڑھ کر آیا ہے اور آ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتا ہے میں بہت دور سے آ رہا ہوں راستہ میں جڑیں اور گھاس کھا کھا کر آ رہا ہوں مجھے بتائیے ایمان کیا چیز ہے اور سنت کیا چیز ہے۔ اس کو بتایا ایمان یہ ہے، سنت یہ ہے، اونٹ سے گرا گر کر مر گیا سیدھا جنت میں گیا۔ اس واسطے ایمان کسی کو مل جائے بہت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اس واسطے حدیث میں آیا ہے مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ دوسری روایت میں ہے مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ لا الٰہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہو گیا۔ ایک محدث گزرے ہیں بہت زبردست۔ ابو زرعہ لاکھوں حدیثیں ان کو یاد تھیں

حدیث کا درس دے رہے تھے جب اس حدیث پر پہنچے مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ
إِلَّا اللّٰهُ اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جب
جی چاہے بلالے، جس حال میں چاہے بلالیں انتقال ہوگیا۔ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ
حدیث پوری نہیں کہہ پائے تھے آدھی پڑھی تھی مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ
آگے کا ٹکڑا نہیں پڑھا حدیث پوری کرنے سے پہلے انتقال ہوگیا۔ میرے استاد نے بتایا کہ
نہیں وہ حدیث پوری کرگئے لا الٰہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہوگئے۔ کلام کو حدیث کو
جو پورا کیا جاتا ہے کبھی زبان سے پورا کیا جاتا ہے کبھی کسی اور عمل سے پورا کیا جاتا ہے۔ جو
حضرات بچوں کو تعلیم دیتے ہیں ان کو زیادہ تجربہ ہوگا بیٹھے ہیں پڑھا رہے ہیں بچے آپس
میں بات کرتے ہیں۔ دیکھو تم پڑھتے نہیں ہو باتیں کر رہے ہو! سبق یاد کرلو ورنہ۔ ورنہ کہہ
کر اشارہ کیا ہاتھ سے یا چھڑی سے تو بات پوری ہوگئی بغیر زبان سے بولے۔ اسی طرح انھوں
نے زبان سے مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہا اور اپنے عمل سے جنت میں
داخل ہوگئے بات پوری کردی۔

اور یہ بھی ممکن ہے ایک شخص کو موقع ملا ایمان لانے کے بعد مگر اس نے کوئی نیک
عمل کیا نہیں۔ جو دو صورتیں میں نے بتائی ہیں وہ تو یہی ہیں کہ اس کو ایمان لانے کے بعد
موقع ہی نہیں ملا جہاد کی صورت اور اونٹ والے کی۔ لیکن ایک شخص کو موقع ملا ہے عمر
ملی ہے مگر اس نے نیک اعمال نہیں کئے محض کلمہ پڑھ لیا ایمان کا۔ کچھ کیا نہیں اس نے۔
اور دیکھئے مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اس حدیث کی تشریح آپ لوگ جانتے ہیں
ان لم یمنعہ مانع، کوئی شخص ایمان لے آیا جنت میں داخل ہوگا اگر کوئی مانع
موجود نہ ہو، اس قسم کی قیدیں ملحوظ رہتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ گل بنفشہ کی خاصیت کیا ہے
زکام کو دور کرنا ہے ان لم یمنعہ مانع اگر سردی کا زمانہ آئے ٹھنڈے پانی سے
منع کیا جاتا ہے ایک شخص جو چیز زکام وغیرہ کرتی ہے اس کا ارتکاب کرتا ہے تو مانع
تو موجود ہے۔ ایسی حالت میں گل بنفشہ اس کو کیسے فائدہ دے گا۔

جیسے کہ روایت میں ہے کہ جو شخص وضو کرتا ہے اعضاء وضو اس طریقہ پر دھوتا
ہے کہ دھونے دھونے اس کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں جنت میں چلا
جائیگا مگر کوئی مانع موجود ہو اور ہو سکتا ہے مانع موجود ہو مثلاً فرائض کو ترک کیا یا بڑے معاصی
کا ارتکاب کیا لیکن ایمان کے ساتھ دنیا سے گیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ ان چیزوں کی سزا
پانے کے بعد جنت میں بھیجا جائے۔ "دخل الجنۃ" کے یہ معنی نہیں کہ فوراً داخل ہو دخول لازمی مراد ہے
یعنی مطلب یہ ہے کہ کسی وقت جنت میں داخل ہو کر رہے گا عذاب دائمی میں مبتلا نہ ہوگا۔ وہ
جہنمیوں میں سے نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرما دے سارے
گناہوں کو معاف فرما دے اور پھر جنت میں داخل فرما دے اس کا فضل تو بہت بڑا
ہے کون ہے اس کے فضل کو روکنے والا۔ ایک حکایت لکھی ہے ایک بزرگ جا رہے تھے
۔ دیکھا کہ ایک جنازہ جا رہا ہے۔ تین مرد جنازہ کو اٹھائے ہوئے ہیں اور ایک جانب
سے ایک عورت نے اٹھا رکھا ہے بس اتنے ہی لوگ جا رہے تھے جنازہ کے ساتھ انھوں
نے آگے چل کر پوچھا کیا قصہ ہے کس کا جنازہ ہے اس کو اٹھانے والے صرف تین مرد ملے
اور کوئی نہ تھا بلکہ عورت ساتھ آئی۔ عورت نے کہا میرے لڑکے کا جنازہ ہے یہ لڑکا ہیجڑا تھا
زنانہ پن تھا اس میں، عورتوں کی حرکات کیا کرتا تھا لوگ اس کو ذلیل اور حقیر سمجھتے تھے
تب کوئی اس کے جنازہ کو اٹھانے کیلئے تیار نہ ہوا، تین آدمی ملے اور ایک میں ساتھ ہو گئی
انھوں نے اس عورت سے جنازہ کا پایہ لے لیا، جنازہ کو دفن کیا رات میں خواب میں
دیکھا ایک عالیشان محل ہے اور دیکھا وہ ہیجڑا بہت عمدہ لباس میں ہے پوچھا تو
وہی ہے؟ اس نے کہا ہاں، کیا ہوا! اس نے کہا حالت تو وہی تھی جو میری ماں
نے بتائی تھی صحیح بتایا غلط نہیں بتایا لیکن لوگ مجھے ذلیل سمجھتے تھے حقارت کی نگاہ
سے دیکھتے تھے گالی دیا کرتے تھے لیکن میں نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ بس یہ بات اللہ
تعالیٰ کو پسند آگئی بخش دیا۔ اللہ تعالیٰ مومن کی کس بات پر خوش ہو کر سب گناہ کو

معاف فرمادیں تو کوئی گرفت نہیں کرسکتا۔ اسی کو فرمایا وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ جو لوگ ایمان لے آئے عذاب دائمی سے بچ گئے۔ پہلا طبقہ تو یہ ہے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ نیک اعمال کئے۔ ایمان کے ساتھ۔ اعمال صالحہ بھی کئے صرف ایمان پر اکتفا نہیں کیا یعنی اس پلاٹ کو کام میں لے آئے۔ کام میں کس طرح لے آئے مثلاً اس نے مسجد بنا دی لوگ آکے نماز پڑھتے ہیں۔ مثلاً اس نے مدرسہ بنا دیا جس میں قرآن مجید اور حدیث شریف کی تعلیم ہوتی ہے۔ مثلاً اس نے مہمان خانہ بنا دیا ہے مسافر لوگ آکر ٹھہرتے ہیں۔ مثلاً اس نے باغ بنادیا لوگ اس کے باغ سے پھل کھاتے ہیں دور دور تک اس کا پھل جاتا ہے۔ یہ اعمال صالحہ کئے یعنی ایمان لانے کے بعد نمازیں بھی پڑھیں روزے بھی رکھے زکوٰۃ بھی دی اعمال صالحہ کئے اخلاق فاضلہ اختیار کئے جس نے اپنے پلاٹ کو کارآمد بنایا تو اس کا ذخیرہ اس سے بڑھا ہوا ہے۔ جو صرف ایمان لائے اور جنت ملنے کے باوجود اعمال صالحہ نہیں کئے ان کے مقابلے میں ان کا ذخیرہ بڑھا ہوا ہے عامۃً یہی ہوتا ہے۔ یہ دوسرا طبقہ ہوا۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہیں کہ دیکھو حق کو نہ چھوڑو حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا صحابہ کرامؓ سے کہ جانتے ہو کون لوگ ہوں گے جو عرش کے سایہ میں سب سے پہلے جائیں گے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ ہوں گے جب ان کے سامنے حق پیش کیا جاتا ہے تو قبول کرتے ہیں اور جب ان سے حق کو طلب کیا جاتا ہے تو وہ حق دے دیتے ہیں حق ایسی چیز ہے جتنا چیز نفس الامر میں حق ہے جو اللہ کی پسندیدہ چیز ہے ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہیں کہ دیکھو حق بات کہنا غلط بات نہ کہنا چاہے مقابلہ میں کیسا ہی دشمن ہو حق بات کہی جائے۔ حق کھانا کھانا۔ ناحق مت کھانا چاہے کیسی ہی بھوک لگی ہو کتنی ہی پریشانی ہو رہی ہو لیکن حق چیز کو استعمال کرنا ناحق

چیز کو مت استعمال کرنا۔ خود اس پر پابند رہے دوسرے کو ہدایت کی نصیحت کرتے رہیں
یہ تیسرا طبقہ ہو گیا۔

"وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے رہیں۔ یہ چوتھا طبقہ
ہے۔ دنیا میں پریشانی آتی ہے ان پریشانیوں کو برداشت کرنے کی ضرورت ہے اس کو صبر
کہتے ہیں کہ مہینہ رمضان کا ہے کہ اس کا نام ہی شہر الصبر ہے صبر کے کیا معنی نفس کے خلاف
جو چیز پیش آئے اس کو برداشت کرنا۔ بھوک لگے کھانا مت کھاؤ، پیاس لگے پانی مت پیو
تقاضا ہو بیوی کے پاس مت جاؤ جو چیز روزے کو خراب کرنے والی ہے اس سے پورے
طور پر بچو اور هٰذَا شَهْرٌ يُزَادُ فِيهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ یہ ایسا مہینہ ہے کہ مومن کا رزق
اس میں بڑھا دیا جاتا ہے۔ دن بھر کھانے سے منع کر دیا اور جب کھانے کا وقت آیا تو
بہت بڑھا دیا۔ اسی مہینہ میں ایک رات بھی ہے جو آج سے شروع ہو چکی ہے
دس روز تک صبر کرنا ہے اور کسی بھائی سے خلاف طبع چیز دیکھیں گے تو اس پر صبر کرنا
ہے۔ ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اپنی اصلاح کے لئے آیا ہوں دوسروں کی اصلاح
میرے ذمہ نہیں ہے دوسرا شخص کچھ بھی کر رہا ہو صرف نظر کر لے جاؤ تو کوئی دوسرا شخص غلط کام
کیسے کریگا اکثریت یہاں پر اہل علم کی ہوتی ہے جانتے ہیں کہ اعتکاف کیلئے کیا چیز مسنون ہے کیا چیز منافی
ہے قرآن پاک کی تلاوت کا کیا حق ہے، ذکر کا کیا حق ہے ہر چیز کو پہچانتے ہیں اس
کے باوجود معصوم کوئی نہیں غلطی خطا ہر ایک سے ہو سکتی ہے اور ہوتی بھی ہے
اس لئے اگر کسی سے غلطی خطا ہو جائے تو ہو سکتا ہے خود اس کی سمجھ میں آ جائے کہ یہ کیا
ضرورت ہے بتانے کی۔ اس واسطے جو جذبہ ہے اور داعیہ دوسروں کی اصلاح کا ہوتا ہے اس کا بھی
خیال نہیں ہوتا یہ بہت پریشان کرتا ہے جس شخص کی طبیعت میں دوسروں کی اصلاح کا داعیہ
ہمیشہ رہتا ہے سمجھا اس میں کامیاب ہو یا نہ ہو لڑائی سب سے ہو جاتی ہے اس کی اور وہ
بھی چڑچڑے مزاج کا ہو جاتا ہے کسی کی کوئی بات اس کو پسند نہیں آتی کوئی عالم

اس کو پسند نہیں آتا، کوئی اللہ کا بندہ پسند نہیں آتا۔ ہر ایک کے اندر کھوٹ، ہر
ایک کے اندر خرابی۔ یہ عیب تلاش کرنے کا جو مرض لاحق ہو جاتا ہے اس کا ایک
بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ اپنے عیوب کی طرف نظر کرنے کی نوبت بھی نہیں آتی اپنے
عیوب سے ہمیشہ غافل رہتا ہے اور دوسروں کے عیوب کے درپے۔ اسلئے یہ نہایت
خطرناک چیز ہے اس سے پورے طور پر اجتناب کرنے کی ضرورت ہے اور یہ بھی ممکن
ہے کہ کہیں کچھ چلتے ہوئے کسی کو ٹھوکر بھی لگ جائے۔ اولاً چلنے والے کو خود ہی دیکھ
بھال کر چلنا چاہئے تاہم انسان ہے غلطی ہو سکتی ہے ٹھوکر لگ جائے اور آدمی
سو رہا ہو سوتے سوتے بیدار ہو کر ایک دم غصہ ہو جاتا ہے۔ دیکھنا نہیں، آ تو درگذر
کریں اور معاف کریں اور صبر کر لیں کہ یہ پیشہ صبر کا ہے۔

تعاضدوا کالاخوان الخ جیسے ایک خاندان کے آدمی ایک باپ کی اولاد
ہوں، ایک ماں کے پیٹ سے ہوں یہ پچھلے سے ناپاک سے پیدا ہوئے ایک قسم کا تعلق
ہے لہٰذا خون کی ہمدردی ہے اس خون کی ہمدردی کی وجہ سے غلطی سے درگذر
کیا جاتا ہے اور ہر قسم کی سہولت اس کو دی جاتی ہے ہر قسم کی راحت پہنچانے کی
کوشش کی جاتی ہے یہ تو ہے معاشرہ تعاشروا کالاخوان وتعاملوا کالاجانب
اور ہر شخص دوسرے کے ساتھ میں مالی حیثیت سے معاملہ ایسا کرے جیسے اجنبی،
یہ نہ سمجھے کہ دوسرے کی چیز اٹھا کر کھا لوں، دوسرے کی چادر اٹھا کر اوڑھنا شروع
کر دوں دوسرے کی چپل پہن کر چلا جاؤں، دوسرے کا کپڑا استعمال کر لوں، ایسا
نہیں دوسرے کی چیز کا استعمال نہ کرنا۔ جہاں تک ہو سکے اپنی چیز کے لئے تو درگذر
کرنا دوسرا استعمال کرے بہت اچھا ہے لیکن دوسرے کی چیز استعمال نہ کریں اس
میں احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ اس کی وجہ انشاء اللہ بہت نفع ہوگا تعاشروا کالاخوان و
تعاملوا کالاجانب۔ یہ ایک ساتھ معاشرہ بڑی حیثیت کا ہے۔ اور یہاں یہ بھائیوں کا قصہ ہے جیسے

ایک ساتھی کا کھانا ایک گھر میں ہو تو اس طرح بیان بھی سب سمجھیں لیکن اگر کسی کی کوئی غلطی ہو جائے اس سے درگزر کرنا
چاہیئے۔ ویسے اسلام کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ غیروں کے ساتھ بھی معاملہ ایسا ہی کرنا
چاہیئے، مسلمان خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھانا کھلائے خود پیاسا رہ کر دوسروں کو پانی
پلائے، خود مصیبت اٹھا کر دوسروں کو راحت پہنچاوے یہ اسلام کی تعلیمات ہیں۔
سب کے ساتھ یہ چاہیئے کہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہو جائیں۔

بخاری شریف کی حدیث میں موجود ہے ایک فاحشہ عورت نے دیکھا ایک
کتے کا بچہ زبان نکالے ہوئے ہے۔ چاٹ رہا ہے زمین کو۔ خیال آیا کہ پیاسا ہے۔ جیسے
مجھے پیاس لگتی ہے اس کو بھی پیاس لگی ہے۔ اپنا خف پیر میں سے نکالا اور کنویں
میں سے پانی لے کر اس کو پلایا۔ اس زمانہ کے پیغمبر کو بتایا گیا کہ اس عورت کی
بخشش ہو گئی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ صحابہ رضہ نے عرض کیا۔ جانور
کو کھلانے پلانے اس میں بھی اجر ہے؟ آپ نے فرمایا فی کل ذات کبد رطب اجر
ہر جاندار کے ساتھ بھلائی کرنے میں اجر ہے۔ جب کتے کے بچے کو پانی پلانے سے اللہ
تعالیٰ کی اتنی بڑی رحمت ہو جائے کہ فاحشہ عورت کے سارے معاصی معاف ہو جائیں،
تو ایک انسان اور انسان میں بھی اہل علم اور اہل علم میں بھی اہل عمل اور اہل عمل
میں بھی متبع سنت اور متبع سنت میں بھی روزہ دار، اعتکاف کی حالت میں مسجد
میں اگر ان کو راحت پہنچائی جائے تو کتنا بڑا اجر ہوگا۔ اور ان کو تکلیف جو عادۃً غیر اختیاری
ہوتی ہے ——— بس یہ تحمل کیا جائے انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا
اور یوں سمجھئے جیسے انسان کے جسم میں قسم قسم کے مادے جمع ہو جائیں اس
کو ملیریا آیا تیز بخار آیا شدید بخار کی وجہ سے اندر کے جتنے جراثیم تھے سارے
ختم ہو گئے، جتنی رطوبات زائدہ تھیں پریشان کرنے والی وہ سب سوکھ کر ختم ہو گئیں
اور ایک دو مسہل بھی دے دئے حکیم صاحب نے دماغ کا تنقیہ ہو گیا۔ جیسے

کرتی ہو جیسا روزہ اور یہ مسہل اس کے تنقیہ کا کام دیتا ہے اسی طریقہ سے سمجھئے کہ اگر ایک بہت بڑے کیڑے ہیں گیارہ مہینے قسم قسم کے امراض میں مبتلا رہے قسم قسم کی برائیوں میں گرفتار رہے نہ تو کوئی حفاظت نہ کان کی حفاظت، کھانے میں اس کی بھی پرواہ نہیں جائز ہے ناجائز ہے جیسے حفاظت کا بے ہوب سمجھئے بیمار ہو گیا۔ جو جو رطوبات زائدہ تھیں وہ خشک ہو گئیں یہی صحت کی صورت ہے اس طریقہ پر صحت ہو گی روزہ رکھنا روزہ رکھنے کی وجہ سے اندر کی رطوبات خشک ہو گئیں انشاء اللہ صحت ہو گی۔ اعتکاف کیا اعتکاف کی وجہ سے انشاء اللہ اور زیادہ راحت پہنچے گی۔ جتنا مادہ فاسدہ بدن میں موجود ہے اس کی وجہ سے مرض لاحق ہوتا ہے اس مرض سے نجات مل جائے گی تو وہ مادہ ختم ہو جائے گا۔

خداوند تعالیٰ توفیق نصیب فرمائیں کہنے والے کو بھی سننے والے کو بھی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا
ومولانا وحبیبنا محمد وآلہ
وصحبہ اجمعین
الی یوم الدین

وعظ متعلق سورۂ والناس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خطبۂ مسنونہ کے بعد!

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

یہ قرآن کریم کی سب سے آخری سورت ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا جاتا تھا طرح طرح، بدنصیب لوگ ستاتے تھے پریشان کرتے تھے، اللہ پاک نے ان کو رحمت بنا کر بھیجا، مگر یہ لوگ ان کو ستاتے تھے، بجائے رحمت کا استقبال کرنے کے اذیتیں پہونچاتے تھے، مکہ مکرمہ میں بھی دیر تک لوگ اذیتیں پہونچاتے رہے، پھر جب ہجرت فرمائی، مدینہ طیبہ میں بھی بہت ستانے والے موجود تھے، آپ پر سحر کیا گیا، سحر کا حاصل یہ تھا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب امہات المومنین میں سے کسی کے پاس جانے کا ارادہ فرماتے، خیال پیدا ہوتا کہ میں تو جا چکا، اپنا ارادہ پورا کر چکے، اتنا اثر آپ پر سحر کا تھا، باقی ویسے جو وحی الٰہی تھی اس میں کچھ فراموشی نہیں ہوئی، احکام کی تبلیغ میں کسی چیز میں کوئی اثر

نہیں تھا مقصد صرف اتنا اس بات میں تھا کہ جب کبھی اپنی کسی زوجہ مطہرہ کے
پاس جانے کا ارادہ پیدا ہوتا خیال ہوتا کہ میں جا چکا۔ مقصود ان مخالفین
کا بھی یہ تھا کہ آگے کو سلسلہ نسب بند ہو جائے، اولاد پیدا نہ ہو، یہ مقصود
تھا اور اس کے لئے اتنی بات کافی تھی، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے سب ہی
نبیوں کو آزمایا ہے۔ یہ دنیا دار الامتحان ہے، طرح طرح کی آزمائشیں آتی ہیں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے والے کثرت سے موجود رہے۔ چنانچہ آپ
پر سحر کیا گیا اور آپ پر اس کا اثر ظاہر ہوا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے دفعیہ
کے لیے دو سورتیں نازل فرمائیں، ایک سورہ الفلق، ایک سورہ الناس۔
اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بتا گیا آپ فرماتے ہیں کہ میں لیٹا ہوا تھا میں
نے دیکھا میں سو رہا تھا، ایک فرشتہ سرہانے آیا۔
ایک نے پوچھا کہ ان کا کیا حال ہے، دوسرے نے بتایا کہ ان کے اوپر تو سحر
کیا گیا ہے، پھر پوچھا کس نے سحر کیا ہے۔ کہا فلاں شخص نے کیا۔ کہا کیا۔ فلاں کنوئیں
میں کنگھیوں کے دندانے جس میں کچھ بال ہیں، کیا کیا چیزیں ہیں ان میں سحر کیا
ہے۔ اور فلاں کنوئیں میں ایک پتھر ہے، اس پتھر کے نیچے اس نے دبا رکھا ہے۔
یہ چیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو معلوم کرا دی، آپ تشریف لے گئے اور
آپ کے ساتھ خدام تھے، اصحاب تھے۔ اس کنوئیں کو دیکھا تو اس کا پانی سرخ
تھا جیسے مہندی کا پانی ہوتا ہے وہاں سے اس کو نکالا۔ اور ایک ایک آیت
ان سورتوں کی پڑھتے جاتے تھے سحر ختم ہوتا جاتا تھا، جتنی گرہیں لگی ہوئی
تھیں وہ سب گرہیں ختم ہو گئیں۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے سحر سے نجات دی۔
ان دونوں سورتوں کا جو شخص زیادہ ورد رکھے، ہر نماز کے بعد پڑھ لے،
یا صبح و شام پڑھے، اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو سحر سے محفوظ رکھیں گے۔ سحر بھی

آپ پر کیا گیا اور زہر بھی آپ کو دیا گیا۔ ایک ہی قوم تھی جو سحر کرنے والی بھی تھی اور زہر دینے والی بھی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لے گئے وہاں پر ہر ایک کو ایک بکری کا گوشت پیش کیا گیا تھا کھانے کے لئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ گوشت مجھے بتا رہا ہے کہ میرے اندر زہر ملا ہوا ہے۔ اور بھی بعض صحابہ نے کھایا تھا۔ معلوم ہوا کہ ایک یہودی عورت نے یہ حرکت کی۔ پوچھا کیوں کیا؟ کہا آپ کو جاننے کے لیے کہ آپ سچے نبی ہیں یا نہیں۔ اگر سچے نبی ہیں تو آپ کو زہر کا کوئی اثر نہیں ہونے کا۔ اور اگر خدا نخواستہ غلط بات کہتے ہیں، جھوٹے ہیں تو زہر کھا کر ہلاک ہو جائیں گے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی، لیکن اسی موسم میں، جس موسم میں آپ کو زہر کھلایا گیا تھا ہر سال اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا، یہاں تک کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ھٰذَا اَوَانُ اِنْقِطَاعِ اَبْھَرِیْ۔ اس زہر کا اثر ہر سال اسی موقع پر ہوتا تھا جس موقع پر زہر دیا گیا تھا۔ اب اس کی وجہ سے میری رگ پھٹ رہی ہے جس کے ساتھ حیات وابستہ ہوتی ہے وہ کٹ گئی۔

یہ سورت ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کہیے، پڑھیے، تعلیم دی جا رہی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو، جو شخص نبی پاس دنیا میں آکر کسی سے دین پڑھا نہیں کرتا، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ خود معلم ہوتے ہیں اور فرشتوں کے ذریعہ سے اللہ تبارک تعالیٰ علم بھیجتے ہیں، فرشتے بھی معلم نہیں ہوتے، حقیقت میں معلم اللہ تبارک وتعالیٰ ہیں، فرشتے واسطہ اور ذریعہ ہوتے ہیں اس علم کے پہنچانے کا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ آپ کہیے: اَعُوْذُ، میں پناہ مانگتا ہوں، پناہ چاہتا ہوں، یعنی ہیں

کسی طاقت پر اعتماد نہیں، اپنی کسی تدبیر پر اعتماد نہیں، بلکہ جو کچھ سہارا ہے اللہ کی حفاظت کا ہے، اللہ کی پناہ پر ہے اور ظاہر بات ہے کہ سب دُنیا میں تاثیر پیدا کرنے والے سب چیزوں کو وجود دینے والے حق تعالیٰ ہیں، جس چیز میں جو تاثیر جس وقت چاہیں رکھ دیں، جس وقت چاہیں اس میں سے اس وقت نکال لیں۔ اور اس کے مشاہدات انبیاء علیہم السلام کو بھی کثرت سے ہوئے اور اولیاء اللہ کو بھی ہوتے رہتے ہیں۔ دیکھئے آگ میں تاثیر رکھی ہے جلانے کی، لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈالا گیا تو اس کی تاثیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں نہیں ہوئی، رُک گئی، اللہ تعالیٰ نے روک دی، فرمادیا قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ۔ سمندر میں تاثیر ہے ڈبو دینے کی، لیکن جب موسیٰ علیہ السلام کا تابوت اس میں ڈالا گیا تو اس میں تاثیر ڈبونے کی ختم ہو گئی موسیٰ علیہ السلام کے حق میں، ان کو نہیں ڈبویا، اسی طرح سے جس وقت میں موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا فرعون نے اور اسی کے لشکر نے تو وہاں پہونچ کر سمندر میں جب عصا مارا ہے پانی پھٹ گیا، پانی کھڑا ہو گیا، راستے بن گئے، ان کے حق میں بجائے ڈبونے کے راستے بنا دیئے، پار ہو گئے اور صحیح سلامت نکل گئے، راستہ پیدا کرنے کی تاثیر ہو گئی۔ اور انہیں راستوں کو جب فرعون گیا ہے اور اس کا لشکر گیا ہے تو وہ سب کے سب مل ملا کر پانی بن گیا اور سب کو ڈبو دیا اور غرق کر دیا، تو کسی چیز کی تاثیر پیدا کردہ نہیں، ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ سحر میں بھی اللہ نے تاثیر دی ہے اور زہر میں بھی تاثیر اللہ نے دی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جب چاہیں، جس کے حق میں چاہیں اس تاثیر کو نکال دیں۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے تھے،
حضرت ابو بکر صدیق رضہ ساتھ تھے۔ صبح کا وقت، دھوپ نکل آئی، پھیل گئی،
جا کر سائے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ
عنہ نے وہاں دیکھا کہ ایک شخص بکریاں چرا رہا ہے، اس سے پوچھا کس کی
بکریاں ہیں۔ معلوم ہوا فلاں شخص کی وہ حضرت ابو بکر صدیق رضہ کا دوست تھا۔
اس سے پوچھا اگر تمہاری بکریوں میں دودھ ہے نکال لیں۔ اس نے کہا ہاں نکال
لیجئے۔ دودھ دودھا، پہلے بکری کے تھنوں کو دھویا پانی سے۔ اس کے بعد دودھ
نکال کر اس کے اوپر پانی کا چھینٹا دیا۔ چونکہ تازہ تازہ دودھ گرم ہوتا ہے۔
چھینٹا دے کر جب یہ ٹھنڈا ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کے
آئے اور عرض کیا حضور اسے نوش فرمالیں۔ حضور نے پیا۔ عرض کیا حضور
اور پی لیں۔ حضرت ابو بکر رضہ فرماتے ہیں فَشَرِبَ حَتّٰی رَضِیْتُ۔
حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا اور ایسے طریقے سے پیا کر اندر سے
میرا جی راضی ہو گیا۔ غور کیجئے کونسا جذبہ ہے، کونسی محبت ہے، کونسا تعلق
ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضہ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم دودھ پیتے ہیں،
حضرت ابو بکر رضہ کہتے ہیں کہ میرا جی راضی ہو گیا، بس میرا جی خوش ہو گیا۔
جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پی لیا تو آپ کو بٹھا کر حضرت ابو بکر
غار کے اندر گئے تاکہ اس کو صاف کرلیں۔ دوپہر کا وقت، گرمی کا وقت
وہاں گزار لیں۔ غار میں اندر پہنچے اسے صاف کیا اور دو چادریں تھیں
ان کے پاس، اس میں سوراخ کئی ایک تھے۔ ہر سوراخ میں چادر کو پھاڑ
پھاڑ کر کپڑا لگا دیا تاکہ کوئی ایذا دینے والا جانور ان میں سے نہ نکلے۔
بچھو، کنکھورہ، سانپ کوئی ہو۔ اور عامتہً جانور ایسی جگہ رہا کرتے ہیں۔

جب وہاں سے باہر آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے کے لئے تو ان کے
اوپر ایک چادر تھی. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسری چادر کیا ہوئی
تو انھوں نے بتایا کہ وہ تو میں نے اس طرح سے لگا دی. حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کو لے کر اندر گئے۔ اور پھر عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے زانو پہ سر
رکھ کر تھوڑی دیر سو جائیں. حضور صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، لیٹ گئے. دیکھا
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک سوراخ اس غار میں باقی رہ گیا جس میں
کپڑا نہیں دیا، اس میں ایک سانپ سر نکال رہا ہے. انھوں نے ایک پیر اپنا
پھیلا کر اس میں لگا دیا تا کہ سانپ وہاں ہی رک جائے، کاٹے تو میرے ہی
کاٹے. تھوڑی دیر آپ سوئے تھے اتنے میں اس سانپ نے اندر سے نکلنے کا
ارادہ کیا، دیکھا تو پیر اٹکا ہوا تھا، پیر لگا ہوا تھا، اس نے کاٹا، بس کاٹنا
تھا ان کے زہر دوڑا اور جی میں خیال آیا، چونکہ سانپ کے کاٹنے کی تاثیر اللہ
تعالیٰ نے یہ رکھی ہے کہ آدمی مر جاتا ہے. اب میں مر جاؤں گا نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ جائیں گے. بہت پریشان ہوئے، اس پریشانی سے
ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے. اور آنسو جب چہرۂ مبارک پہ گرے ہے تو
تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے. پوچھا ابو بکر کیا بات ہے تو انھوں
نے کہا حضور مجھے تو سانپ نے ڈس لیا ہے. چنانچہ پیر نکالا تو نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا لعاب دہن لگا دیا. اللہ تبارک تعالیٰ نے
سانپ کی تاثیر سے، سانپ کے کاٹنے کی تاثیر سے محفوظ رکھا، زہر نہیں چڑھا.

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حواریین میں سے کسی نے درخواست کی تھی کہ میں چاہتا
ہوں کہ نبی آخر الزماں، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کروں. آپ دعا

کیجئے کہ اللہ تبارک تعالیٰ مجھے عمر طویل عطا کرے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی تو وہاں سے بتلایا گیا کہ اس حالت میں تو نہیں دیکھ سکتے۔ ہاں اگر دیکھنا چاہتے ہو تو تم کو بجائے انسان کے سانپ بنا دیا جائے، اس نے منظور کیا۔ چنانچہ وہ سانپ آکر اس غار میں ٹھہرا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ٹھہرا ہوا تھا۔ چونکہ کتابوں کے ذریعہ سے معلوم تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے۔ وہاں کے لوگ ستائیں گے، پریشان کریں گے تو اللہ کی طرف سے ان کو ہجرت کی اجازت ہوگی، ہجرت کرنے کے لئے جائیں گے تو راستے میں ایک غار میں ٹھہریں گے، تو اس غار میں آکر وہ سانپ ٹھہر گیا تھا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کروں گا۔ تو صدیوں سے وہاں پڑا ہوا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا وقت آیا ہے تو اس نے نکلنا چاہا، حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کا پیر تھا۔ اس نے کہا اللہ کے بندے صدیوں سے حضرت کے اشتیاق میں یہاں پڑا ہوا ہوں تم نے پیر اڑا لیا۔ کہنا یہ ہے کہ سانپ کے کاٹنے میں تاثیر ہے کہ اس کے زہر سے آدمی مرجاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جس کے حق میں یہ تاثیر ختم کرنا چاہیں ختم فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے حق میں تاثیر ختم فرما دی، اور بھی متعدد لوگوں کے واقعات ہیں کہ ان کو سانپ نے کاٹا مگر مرے نہیں، زہر نہیں چڑھا، ختم ہو گیا زہر، چونکہ ہر چیز کی تاثیر اللہ کی رکھی ہوئی ہے، اللہ کے قبضے میں ہے، اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہیں اس تاثیر کو باقی رکھیں اور جس کے حق میں چاہیں اس تاثیر کو نکال دیں۔ تو سحر میں بھی تاثیر اللہ کی رکھی ہوئی ہے۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ آپ اللہ کی پناہ مانگیں کہ جس نے تاثیر رکھی ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ یہاں پر اللہ

تبارک تعالیٰ کی تین صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک رب الناس، دوسرے
ملک الناس اور تیسرے الٰہ الناس۔ رب معنی پالنے والا، ملک معنی بادشاہ
اور معنی معبود۔ اللہ تعالیٰ پالنے والا بھی ہے، بادشاہ بھی ہے اور معبود بھی ہے۔
یہ ساری صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ اس واسطے کہ انسان کی تین حالتیں ہیں۔ یہ
حالت ہے ابتدائی بچپن کے زمانے میں اپنے پالنے والے کو پہچانتا ہے، ماں باپ
جو اس کو جانتا ہے، بہن پالتی ہے تو اس کو جانتا ہے، خالہ پالتی ہے تو اس کو
جانتا ہے، جس کے پاس رہتا ہے، جو اس کی پرورش کرے کھلائے پلائے اس کی
ضروریات پوری کرے اس کو پہچانتا ہے اور کسی کو نہیں پہچانتا۔ آہستہ آہستہ
جب بڑا ہوتا جاتا ہے پھر اوروں کو پہچانتا ہے۔ یہاں پر فرماتے ہیں۔
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، کہہ میں پناہ چاہتا ہوں ناس کے رب کی
انسان اگر بچپن کے زمانے میں ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رب کو پہچانے
کہ اس کا رب کون ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ۔ ماں باپ پالتے ہیں لیکن ماں
باپ کو بھی کوئی پالتا ہے، سارے عالم کو کوئی پالنے والا ہے، وہ رب سب
ہے، سب کا رب ہے۔ سب کا پالنے والا وہ ہے، قرآن پاک میں جگہ جگہ
پر اللہ تعالیٰ کی صفت رب بیان کی گئی۔ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ
الَّذِیْ خَلَقَکُمْ۔ اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا ہے
پیدا کرنا پہلے ہے اور پالنا بعد میں، لیکن یہاں پالنے کی صفت پہلے بیان کی
پیدا کرنے کی بعد میں بیان کی گئی۔ اس لئے کہ انسان کو اپنے پیدا ہونے کا اور
احساس نہیں کہ میں کس طرح پیدا ہوا ہوں۔ ہاں پالنے کے حالات ہر وقت
اس کے سامنے ہیں، اس کو جانتا ہے اور جس حال میں بھی وہ ہے وہ جانتا ہے
کہ میرا کوئی پالنے والا ہے، کس طرح سے پال رہا ہے، مگر کس نے پیدا کیا۔

پانی کس نے پیدا کیا، دودھ کس نے پیدا کیا، پھل کس نے پیدا کئے، درخت کس نے پیدا کئے، جانور کس نے پیدا کئے، ان سب چیزوں کی پیدائش کا علم تو بعد میں ہوتا ہے، پہلے پالنے کا علم ہے، اپنے پالنے کا کہ مجھے حق تعالیٰ پالتا ہے۔ اس لئے ربوبیت باری تعالیٰ کا ایک ایسا وصف ہے کہ جس سے کوئی بھی غافل نہیں، ہر ایک جانتا ہے اور ربوبیت کا احسان اتنا بڑا ہے کہ ہر ایک اس کو پہچانتا ہے۔ جو شخص گھوڑے کو پالتا ہے گھوڑا اپنے مالک کو پہچانتا ہے، مالک کی حفاظت کرتا ہے، جہاد اور لڑائی میں حفاظت کرتا ہے۔ مالک کی ایسی حفاظت کرتا ہے کہ مالک کے ذہن میں بھی نہیں آتا ہے کہ گھوڑا میری ایسی حفاظت کرے گا۔ حتیٰ کہ بلی جس کو آدمی پالتا ہے بلی بھی حفاظت کرتی ہے۔ ہمارے یہاں دیوبند کا واقعہ ہے۔ ایک صاحب کے یہاں بلی پلی ہوئی تھی وہ صاحب ابھی موجود ہیں، ان کے یہاں نل بھی لگا ہوا تھا جس کو ہینڈ پائپ کہتے ہیں، وہ مغرب کے بعد نل کے پاس آئے پانی لینے کے لئے، بلی دور سے ایک دم اچھل اور ان کے حلق تک آئی جیسے کہ حملہ کرنے کے لئے آتی ہے جبھی گرے، پیچھے چارپائی تھی، چارپائی پر گرے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ بلی نے اس طرح کیوں کیا، اس کے بعد دیکھا تو اس نل کے قریب سانپ تھا، بلی کو دیکھ چکی تھی اس کو، بلی نے اپنے مالک کو سانپ سے بچانے کی یہ تدبیر اختیار کی۔ بلی بھی حفاظت کرتی ہے، کتا بھی حفاظت کرتا ہے بکریوں کی حفاظت کرتا ہے گائے کی حفاظت کرتا ہے اپنے مالک کی حفاظت کرتا ہے۔ تو رب کے ساتھ جو تعلق ہوتا ہے مربوب کو وہ ایسا ہے کہ سب ہی اپنے پالنے والے کی تعظیم بھی کرتے ہیں، اور اس کے حقوق کو بھی پورے طور پر ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تحت پرورش بڑا زبردست ہے۔ اللہ تعالیٰ پالنے والے ہیں، سب چیزوں کو پالنے والے ہیں، لہٰذا ان کی طرف توجہ کی ضرورت ہے اور ان کی پناہ لینے کی ضرورت ہے جو سب کو پالنے والا ہے، اس کی پناہ لینی چاہیے، کیونکہ انسان اپنے بچپن کے زمانے میں اپنے پالنے والے کو جانتا ہے اور کسی کو نہیں جانتا۔ آہستہ آہستہ جب بڑا ہو جاتا ہے، جوان ہو جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہ میری ماں جس نے مجھے پالا ہے اس کے اندر تو کوئی بھی طاقت نہیں وہ تو میرے ایک ہاتھ کی ہے۔ ہاتھ سے اٹھا کر ادھر رکھ دیا، ادھر رکھ دیا۔ بوڑھی ماں کچھ کر نہیں پاتی، سمجھتا ہے کہ پالنے والی میری ماں تھی، ماں سے زیادہ تو میرے اندر طاقت آگئی۔ ماں کچھ نہیں کر سکتی۔ اب اس کے اندر شرارت پیدا ہوتی ہے، چوری، ڈاکہ وغیرہ کی پارٹیوں میں بیٹھتا ہے، ساتھ اچھا نہیں نصیب ہوتا، صحبت خراب ملتی ہے، لہٰذا نہ وہ ماں سے ڈرتا ہے، نہ وہ باپ سے ڈرتا ہے، نہ وہ محلے والوں سے ڈرتا ہے، نہ دوست احباب سے ڈرتا ہے، جوانی کی طاقت اس کے بدن میں ہے، پارٹی اس کے ساتھ ہے، آگے زمانے آیا، مَلِكِ النَّاسِ اللہ تعالیٰ مَلِک بھی ہیں، تمام انسانوں کے بادشاہ ہیں، ایک جھلک میں آدمی جوان ہو کر جب اس کے پاس طاقت ہوتی ہے تو حکومت سے ڈرتا ہے، حکومت کے سپاہی اس کو گرفتار کرتے ہیں، جیل میں ڈالتے ہیں، جیل میں لے جا کر ڈنڈے لگاتے ہیں، اس کو اگر خوف ہوتا ہے تو حکومت کا خوف ہوتا ہے، باقی پالنے والوں کا خوف اس کی طبیعت سے نکل جاتا ہے، پالنے والے کون؟ ماں باپ، وہ دکی، تائی ان کا خوف نہیں رہتا، اس واسطے دیکھتا ہے کہ ان کے اندر کوئی طاقت نہیں ہے، مزاحمت ہے تو حکومت کی طاقت ہے، جانتا ہے کہ حکومت مجھے گرفتار کرائے گی، ہتھکڑی

لگائے گی، جیل میں ڈالے گی، پٹائی کرے گی، ہو سکتا ہے کہ پھانسی دیدے، قتل کر دے، اس سے ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مَلِكِ النَّاسِ۔ اللہ تعالیٰ کے اندر صفت ملک ہونے کی بھی ہے۔ تمام دنیا کے اقتدار والے طاقت والے سب اللہ کے محتاج ہیں، جس طرح سے تمام پلنے والے اس کے محتاج ہیں پرورش اور تربیت میں، اسی طرح سے تمام اقتدار والے اپنے اقتدار میں محتاج ہیں حق تعالیٰ کے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جس کے اقتدار کو باقی رکھیں گے باقی رہے گا، جس کے اقتدار کو باقی نہیں رکھیں گے وہ ختم ہو جائے گا۔ اس کے اندر کوئی طاقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ملک الملوک ہیں، بادشاہوں کے بادشاہ ہیں۔ قیامت میں فرمائیں گے یعنی لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ دنیا میں جو لوگ اپنی بادشاہت کا، اپنی حکومت کا ڈنکا پیٹتے تھے اور نعرہ لگاتے تھے، کون ہے یہاں حکومت والا؟ اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ دنیا میں بھی درحقیقت کسی کی حکومت نہیں اللہ کے سوا، لیکن دنیا والوں کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، وہ حق تعالیٰ کی قدرت کی طرف دھیان نہیں دیتے، اپنی طاقت کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دیکھتے ہیں کہ رات دن کیسے انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص تخت پر بیٹھا ہوا حکومت کے اقتدار کے تخت پر ہے۔ تھوڑی دیر گذرتی ہے کہ معلوم ہوا کہ وہ گرفتار ہو گئے، پھر معلوم ہوا کہ اس کو تو قتل کر دیا گیا، سولی دیدی گئی، پھانسی دیدی گئی، گولی مار دی گئی، رات دن ہوتا رہتا ہے، یہ انقلابات رات دن ہوتے رہتے ہیں۔ افسوس کہ انسان ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتا، اپنی حکومت کو ایک مستقل بالذات سمجھتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ بس میرا حکم چلنے والا ہے، میرا ہی سکہ رائج ہے اپنی

طرح سے رہوں گا ساری عمر، حالانکہ تھوڑی دیر میں اس کا صفایا ہو جاتا ہے۔ ایسے ایسے واقعات مشکوٰۃ میں دیکھیے۔ اشر العصر۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے بہت کچھ مال و دولت پاس تھا، مگر تھوڑی دیر بعد کان پکڑ کر وہاں سے نکال دیے گئے۔ سر پر ٹوپی نہیں، پیر میں جوتا نہیں، کھانے کو کچھ نہیں، یہ کثرت سے ہوتا رہتا ہے۔ ایک صاحب بیان کرتے تھے کہ میں بغداد میں گیا، وہاں جب انقلاب ہوا، وہاں کے جو بادشاہ تھے ان بادشاہ صاحب کو بلا لیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ آپ کے لیے گولی مارنے کا حکم ہے ادھر منہ کر کے کھڑے ہو جائیے۔ بادشاہ نے کہا تم میرے گولی مارتے ہو، کبھی میں نے تم کو پھانسی کے تختے سے بچایا تھا، تو جواب دیا کہ اب اس کی کوئی بحث نہیں، جماعت کا فیصلہ یہی ہے۔ بادشاہ سلامت کھڑے ہو گئے، گولی مار دی گئی، ختم ہو گئے، تھوڑی دیر پہلے بادشاہ تھے، ساری فوج اختیار اور قابو میں تھی، سارے جرنیل قابو میں تھے۔ تھوڑی دیر بعد یہ ہوا کہ ان کو خود گولی مار دی گئی۔ اس لیے دنیا کی بادشاہت کا تو یہ حال ہے، اس کی کوئی حقیقت کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر کسی شخص کو خوف ہوتا ہے اپنی جوانی کے زمانے میں، اپنی طاقت کے بل بوتے پر تو حکومت کا خوف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مَلِکِ النَّاسِ، اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے بادشاہ ہیں۔ آج بادشاہ ان چیزوں پر ناز کرتے ہیں کہ ان کے پاس فوج ہے ان کے پاس خزانہ ہے، ان کے پاس قسم قسم کے ٹینک ہیں۔ یہ سب چیزیں ایسی ہیں، خدا تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں۔ خدا تعالیٰ چاہے تو ان چیزوں پر ایسی مہر لگا دے کہ وہ کسی چیز سے نفع نہ اٹھا سکیں، بادشاہ ہوتے ہوئے بھی کسی کی موت آ جائے تو کیا کرتا ہے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ فرض کیجیے کہ

اس کو کسی نے مارا نہیں، گرفتار نہیں کیا، لیکن مَلَکُ الموت نے آ کر اس کی
گردن دبالی، سارے خزانے یہاں رکھے رہ گئے، ساری فوج مل کر بچا سکتی
ہے ملک الموت کے قبضے سے؟ نہیں بچا سکتی، اللہ تبارک و تعالیٰ کی بادشاہی
ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، اس کے اندر کوئی دخل نہیں دے
سکتا، ذرہ برابر اس میں کوئی کمی نہیں کرسکتا، نہ کسی سے اس نے حاصل
کی ہے اور نہ کسی کو اس سے اس کو لینے کا حق ہے، وہ تو اس کی ذاتی چیز
ہے وہ مالکُ الملک ہے، ملکُ الاملاک ہے، ملکُ الملوک ہے۔ اس لیے
فرماتے ہیں مَلِکِ النّاس، اے انسان اگر تو اپنے بچپن کے زمانے سے
آگے بڑھ کر جوانی کے زمانے میں پہنچ چکا ہے، جسمانی قوت تو پوری
قوت پر ہے، زور دروں پر ہے، اس لیے اب کسی کا ڈر نہیں رہا۔ ڈر ہے تو
بادشاہ کا ڈر ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے۔

اِلٰہِ النّاس۔ آدمی دیکھتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اس سے بادشاہ
بھی تو عاجز ہے، بے بس ہے۔ اگر کسی کے گھر میں چور آجائیں۔ عوام چوروں
کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ جو پالنے والی تھی وہ بے بس ہو گئی اور جس وقت
میں کہ چور، ڈاکو یہ سمجھتے ہیں کہ بادشاہ سے ڈرتے ہیں، فوج، ملٹری سے ڈرتے
ہیں تو وہ قابو میں کرلیں، لیکن آگے چل کر پھر کچھ ایسی شکل صورتیں پیش
آتی ہیں کہ وہاں بادشاہ بھی کچھ نہیں کرسکتا۔ کھیتی کی، غلہ پیدا ہوا، محنت
کرکے غلہ علیحدہ کرکے جمع کردیا گیا۔ آسمان سے ایک بجلی گری، سارے غلہ کو
جلا دیا۔ کیا بادشاہ اس بجلی کو روک سکتا ہے؟ نہیں روک سکتا، وہ اس
کے قابو میں نہیں ہے۔ سارے غلہ کو کھا گئی، بادشاہ کچھ کرسکتا ہے؟
کچھ نہیں کرسکتا۔ درختوں پر پھل لگا ہے، ایک کیڑا لگ گیا جس نے سارے

پھلوں کو خراب کر دیا۔ بادشاہ کچھ کر سکتا ہے؟ نہیں کر سکتا۔ ایک زلزلہ آیا شہر تباہ ہو گیا، بادشاہ کچھ کر سکتا ہے؟ زلزلہ کو روک سکتا ہے؟ نہیں روک سکتا۔ وہاں پہنچ کر آدمی کا تجربہ بڑھتا ہے کہ جیسے بہت سے کاموں سے ماں عاجز تھی اسی طریقے پر بہت سے کاموں سے بادشاہ بھی عاجز ہے، بادشاہ کے بھی بس کا نہیں، بلکہ بس میں کس کے ہے، مالک الملک کے، حق تعالیٰ کے۔

إِلٰهِ النَّاسِ۔ وہ معبود ہے۔ معبود حقیقی کے قبضے میں سب کچھ ہے، بچی اس کی پیدا کی ہوئی، ماں اس کی پیدا کی ہوئی، بادشاہ اس کی پیدا کی ہوئی، زلزلہ اس کا بھیجا ہوا، سب چیز اس کی ہے، لہٰذا عبادت کے قابل وہی ذات عالی ہے، پناہ مانگنے کے قابل وہی ذات عالی ہے، اللہ تبارک تعالیٰ کے تین اوصاف، کہ اگر تم بچپن کے زمانہ میں ہو عقل تمہاری ایسی ہے جیسے بچوں کی کہ صرف اپنے پالنے والی ماں کو جانتا ہے اور اس کی پناہ ڈھونڈتا ہے، کوئی اس کو مارے تو جلدی سے آکر ماں کی گود میں بیٹھ جائے گا، کسی نے اس کو پریشان کیا تو ماں سے شکایت کرے گا کہ ماں فلاں نے مجھے یوں کہا ہے، اگر تم بالکل بچپن کے زمانے میں ہو تو صرف پالنے والے کو جانتے ہو تو اللہ تعالیٰ ربُّ النّاس ہے۔ اور اگر تم جوانی کے زمانے میں ہو طاقت زیادہ آگئی ہے جسم میں اور اپنی طاقت کے مقابلے میں دوسرے کی طاقت تم نہیں سمجھتے، نہ ماں باپ سے ڈرتے ہو نہ رشتہ داروں سے تم کو خوف ہے بلکہ حکومت سے بادشاہ سے خوف ہے تو اللہ تعالیٰ مَلِکِ النّاس ہے لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف توجہ کرو، اس کی پناہ حاصل کرو۔ اور اگر تمہاری عقل اب پختہ ہو گئی ہے، آگے چل کر دیکھتے ہو کہ بادشاہ بھی کچھ نہیں کر سکتا

وہ بھی ہماری طرف سے بے بس ہے۔ تو بادشاہ کو اگر فالج پڑ جائے تو اس کی فوج بچائے گی؟ نہیں بچا سکتی۔ بادشاہ کی گردن آ کر موت نے پکڑ لی، بادشاہ کو کوئی بچا سکتا ہے؟ ہرگز کوئی نہیں بچا سکتا۔ وہ بھی بے بس ہے۔ بس کس کا ہے صرف الٰہ الناس کا ہے، حق تعالیٰ ہے جو معبود ہے اس کی پناہ تلاش کرو، ان کی پناہ میں آجاؤ، وہ رب الناس بھی ہیں اللہ تعالیٰ ملک الناس بھی ہیں، الٰہ الناس بھی ہیں۔ اس لئے یہ تین صفات بیان کی گئیں، حق تعالیٰ کی، اس کی پناہ مانگو ہر قسم کے ضرر سے، ہر قسم کے شر سے، ایذاء سے پناہ ملے گی وہیں سے جہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ ملی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ تلاش کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ وہی ذات عالی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ۔ تین صفتیں باری تعالیٰ کی بیان کرکے دعا کیجئے کہ میں رب الناس کی پناہ چاہتا ہوں، ملک الناس کی پناہ چاہتا ہوں، الٰہ الناس کی پناہ چاہتا ہوں۔ کس چیز سے مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔ وسواس کے شر سے، خطرات سے، یہ کیا چیز ہے؟ صوفیائے کرام نے لکھا ہے کہ خناس ایک اژدہا کی شکل ہے جو قلب کا احاطہ کئے ہوئے بیٹھا ہے اندر، پھن اٹھائے ہوئے اور بار بار ڈستا رہتا ہے قلب کو، قلب پر مارتا رہتا ہے کاٹتا رہتا ہے، جس سے اس کا زہر تمام جسم میں پھیلتا رہتا ہے، اس کے زہر کی خاصیت ہے خدا کی معصیت کرنا، اللہ کی اطاعت سے منہ پھیرنا، شرارتیں، بدمعاشیاں کرنا، یہ اس کے زہر کی خاصیت ہے۔ وہ برابر مارتا رہتا ہے۔ وہاں تک نہ کسی کی بندوق پہنچتی ہے نہ تلوار پہنچتی ہے، نہ فوج پہنچتی ہے نہ بادشاہ پہنچتا ہے، نہ کوئی سپاہی پہنچتا ہے وہاں تک

ایسے طریقے پر جو خناس بیٹھا ہوا وسوسے ڈالنے کے لئے، پریشان کرنے کے لئے، ڈسنے کے واسطے آ جاتا ہے اس سے حفاظت ہو تو کیسے ہو! اس سے حفاظت ہوگی ایسی ذاتِ عالی کے سہارے کہ جو ربُّ النّاس ہو ملکِ النّاس ہو، الٰہ النّاس ہو، سب اس کے پیدا کئے ہوئے ہیں، سب اس کے قابو میں ہیں، سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں، ان سے پناہ مانگتا ہے۔ اسی لئے صوفیاء کرام کہتے ہیں ضرب لگانے کو۔ لا الٰہ الا اللہ کی ضرب لگاتے ہیں تو اس کے سینے پر اس کے سر پر ضرب لگاتے ہیں جو قلب کا احاطہ کئے ہوئے ہو جس سے وہ مضمحل اور کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایسے طریقے پر کمزور ہو جاتا ہے کہ پھر انسان پر اس کو قابو نہیں رہتا، وہ پریشان نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی وسوسہ ڈالتا ہے تو اوپر سے انسان اس وسوسے کو بہت سہولت کے ساتھ ختم کر دیتا ہے اس پر عمل نہیں کرتا۔ اس کے قابو میں نہیں آتا۔ اس کے شر سے پناہ مانگتا ہے جس طرح سے وہ نظر نہیں آتا اسی طریقے پر اس سے جو پناہ مانگنے کا طریقہ ہے وہ بھی ایسا ہے کہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے، اللہ تعالیٰ کے فرمان سے سمجھ لینا چاہیے، اپنی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، نظر آئے یا نہ آئے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے، ہمارا ایمان ہے صحیح ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی بات ایسی یقینی بات ہے جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات فرما دی بالکل یہ ہے اسی طرح سے ہے بس اس کے خلاف نہیں۔

اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ جو وسوسے ڈالا رہتا ہے

لوگوں کے سینوں میں۔ آدمی کے سینے میں بیٹھے بیٹھے وسوسے آتے رہتے ہیں!
حدیث میں آتا ہے کہ انسان کی طبیعت میں ایک وسوسہ پیدا ہوتا ہے
مَنْ خَلَقَکَ: تجھ کو کس نے پیدا کیا۔ آدمی سوچتا ہے جواب میں کہتا ہے
اللہ نے۔ ماں باپ کو کس نے پیدا کیا۔ اللہ نے۔ دادا نانا کو کس نے پیدا کیا۔
اللہ نے۔ چلتے پھرتے پھر نوبت یہاں تک پہونچتی ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا
کیا۔ یہ راستہ اختیار کرتا ہے پریشان کرنے کے واسطے۔ اس لئے ایسے موقع
پر لاحول پڑھنی چاہیئے اور کہنا چاہیئے کہ اللہ کا کوئی خالق نہیں۔ اس کو
کسی نے نہیں پیدا کیا۔

ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک جگہ جاتا ہوا۔ وہاں ایک مدرسہ دیکھا۔
مدرسہ میں بچے تھے۔ ایک بچے کے پیر میں چاندی کی جوڑی تھی، چاندی کی
پہنے ہوئے۔ میں نے اس سے پوچھا بھائی یہ کس لئے پہن رکھی ہے۔ اس نے
کہا یہ دستگیر کی بیڑی ہے۔ میں نے کہا دستگیر کون؟ ان کی بیڑی کیسی؟
اس سے زیادہ بچہ نہیں جانتا تھا۔ میں نے کہا کیا ہوتا ہے اس سے؟ اس نے
کہا اس سے یہ ہوتا ہے کہ جس کے پیر میں یہ ہوتی ہے اس کو موت نہیں آتی
ہے۔ میں نے کہا۔ بھائی یہ تو بڑی بڑھیا جوڑی ہے، کس نے بنائی ہے؟
کہاں تک کی ہے، کتنی قیمت کی ہے؟ دیکھو سب کو خرید لینا چاہیئے۔ تھوڑی
سی اس قسم کی باتیں کرتے کرتے میں نے اس سے پوچھا، تم کتنے بھائی ہو
اس نے کہا پانچ بھائی ہیں دو بہنیں ہیں۔ ایک بھائی مر گیا۔ میں نے کہا
اس بھائی کی کیا عمر تھی۔ کہا وہ سات سال کا ہو کر مرا۔ میں نے پوچھا۔
تمہارے دادا دادی ہیں؟ اس نے کہا وہ بھی مر گئے۔ میں نے کہا۔ اس
بھائی کے پیر میں بیڑی نہیں تھی جو سات سال کا ہو کر مر گیا۔ کہنے لگا

تھی تو سہی۔ میں نے کہا پھر کیسے آگئی موت آئے؟ جب اس بیڑی کی تاثیر یہ ہے
کہ جس کے پیر میں ہوتی ہے اس کو موت نہیں آتی۔ تو آخر تمہارا سات سال کا
بھائی کیسے مر گیا۔ اب آگے کو اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر میں نے پوچھا وہ
دستگیر صاحب کہاں ہیں؟ وہ زندہ ہیں یا ان کا انتقال ہو گیا اور ان
کا بھی تو گھرانا ہوگا۔ اولاد، بال بچے ہوں گے وہ زندہ ہیں یا پوچھ کر آئیے
گھر۔ اس نے اپنے ماں باپ سے سب باتیں پوچھیں اور آیا۔ آکر بتایا
کہ وہ تو کئی سو برس پہلے تھے سید عبدالقادر جیلانی جن کو غوث اعظم کہتے
ہیں۔ میں نے کہا ان کی اولاد وہ تو سب مر گئے۔ کتنی اولاد ہوئی ان کی
کیا وہ زندہ ہیں؟ اب اس کی سمجھ میں آئی۔ اس نے بیڑی نکال کر لیجا کر
گھر پھینک دی کہ میں نہیں پہنوں گا۔ اس کی ماں بہت خفا ہوئی، بڑی
گالیاں دیں۔ کون مفتی صاحب آئے کہ ہمارے بچے کی بیڑی نکلوا دی۔
پھر اس بچے نے مدرسے کے سب بچوں کی بیڑی نکلوا دی اور ہر ایک نے
لے جا کر گھر ڈال دی۔ اور کہا اچھا یہ بتاؤ وہ پیر دستگیر کہاں ہیں جن کے
نام کی بیڑی ڈالی جا رہی ہے وہ کیوں مرے، ان کی اولاد کیوں مری
اور ہمارے گھرانے میں فلانہ کیوں مرا، فلاں کیوں مرا۔ جب اس کی یہ
خاصیت ہے۔ ایک بچہ تو ایسا تھا کہ اس نے پیر سے بیڑی نہیں نکالی اور
پائینچے کے اندر چھپا کر رکھتا تھا باقی سب نے نکال دی۔ اس واسطے جس طرح
سے شیطان یہ سلسلہ قائم کرتا ہے۔ فلانے کو کس نے پیدا کیا، فلانے کو
کس نے پیدا کیا؛ اس کے ختم پر پہنچ کر کہہ دینا لاحول ولا قوۃ الا باللہ
اللہ کو کسی نے پیدا نہیں کیا۔ اللہ تو خود پیدا کرنے والا ہے، تو خداوند تعالیٰ
خالق ہے، قادر مطلق ہے، اس کی کوئی صفت کہیں اور سے حاصل نہیں ہوئی

بلکہ اس کی ذاتی ہے۔

مِن شَرِّ الوَسوَاسِ الخَنَّاس۔ وسوسے طبیعت میں ڈالتا ہے۔ ایک دفعہ میں سفر میں تھا۔ میرے ایک استاذ بھی تھے۔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ جن کا ابھی چند روز ہی ہوئے انتقال ہوا۔ پچھلے مہینے میں ان کے ساتھ سفر میں تھا۔ ایک شخص نے گاڑی میں یہ سوال کیا کہ مولوی صاحب! ایک بات پوچھنی ہے یہ بتاؤ لوگ یوں کہتے ہیں اسے شیطان نے بہکایا، اسے شیطان نے بہکایا، اسے شیطان نے بہکایا۔ یہ بتاؤ شیطان کو کس نے بہکایا۔ مولانا نے کہا کہ بھائی اس طرح کی چیزوں میں نہیں پڑا کرتے۔ تم اپنا کام کرو۔ اس کو جواب نہیں دیا۔ مولانا خود تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت میرے دماغ کا کیڑا ذرا اچھل رہا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سے بات کر لوں۔ فرمایا تو مختار ہے۔ پھر سے پوچھا اس نے کہ صاحب شیطان کو کس نے بہکایا۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ تم کیا کام کرتے ہو۔ کہتا ہے زمیندار ہوں۔ میں نے کہا جب زمیندار ہے تو تمہارے یہاں گائے، بیل، بھینس بھی تو ہوں گی۔ کہا: ہاں۔ دودھ بھی ہوتا ہوگا؟ کہا ہاں۔ روٹی پکتی ہے۔ چائے پکتی ہے۔ سالن پکتا ہے۔ روٹی جب پکاتے ہو تو توے پر پکاتے ہو تو کون اس روٹی کو گرم کرتا ہے۔ کہا آگ۔ دودھ کو کون گرم کرتا ہے۔ آگ۔ چائے کو کون گرم کرتا ہے۔ آگ۔ گوشت کو کون گرم کرتا ہے۔ آگ۔ پوچھا آگ کو کس نے گرم کیا۔ اس نے کہا وہ تو آپ سے آپ ہی گرم ہے۔ میں نے کہا: بس یہی بات ہے۔ شیطان کو کسی نے بہکایا نہیں، وہ آپ سے آپ ہی بہکا ہوا ہے۔ اس کو بہکانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد میں نے اس سے پوچھا کہ تم نماز پڑھا کرتے ہو۔ کہنے لگا ہاں جی عید اور جمعہ

کی پڑھ لیتا ہوں، آخری جمعہ رمضان کا پڑھ لیتا ہوں۔ روزہ۔ کہا وہ تو
ہم نے کبھی رکھا نہیں۔ میں نے کہا بتلاؤ اگر تمہارا کوئی ملازم ہو جس کو تم
پانچ روپے ماہوار دیتے ہو، اس سے تم نے کہا پیسے دے کر ڈاکخانے
کارڈ لے آ۔ ابھی آدھا گھنٹہ باقی ہے ڈاک کے نکلنے میں۔ تم نے اسے پیسے
دیئے۔ اس نے پوچھا کہاں لکھو گے صاحب۔ تم نے کہا میں کہیں بھیجوں گا۔
بھئی کس کے پاس بھیجو گے۔ لڑکے کے پاس۔ کیا لکھو گے اس میں بچے کو بلانا
ہے۔ شادی کرنی ہے اس کی۔ کہاں شادی کرنی ہے۔ کہاں انتظامات کئے
وہ جناب آدھا گھنٹہ سارے کا سارا اس میں گذار گیا۔ تم کیا کرو گے۔
کہنے لگا۔ میں مولوی تھوڑا ہی، اس کو ساری باتوں کا جواب بتاتا رہوں گا
میں اس کے ماروں گا تھپڑ۔ میں کہوں گا کہ تیرا مطلب کیا ہے۔ تیرا کام یہ ہے
کہ میاں نے تجھ کو پیسے دیئے جس کا کارڈ لے آ تو بس لے آ تو آگے بس بکواس
کیوں کرتا ہے۔ تجھے کیا حق ہے بولنے کا۔ میرے گھر کے معاملات میں تجھ کو دخل
دینے کا کیا حق ہے۔ میں تو یہ کہوں گا۔ میں نے کہا جزاک اللہ۔ تم بتاؤ
تم نے اپنے اس نوکر کو، ملازم کو پیدا کیا ہے۔ اس کی آنکھیں دی ہیں؟
اس کی زبان تم نے پیدا کی، اس کا دماغ تم نے پیدا کیا۔ کہنے لگا میں
نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ میں نے کہا محض اس واسطے کہ پانچ روپے ماہوار
دیتے ہو۔ اس واسطے تم کو اتنا گھمنڈ ہے کہ اس کو مار دو گے کہ اس نے ایک
قسم کی بات کی۔ تم بتاؤ خدا نے تم کو پیدا کیا، تمہارے ہاتھ پیر بنائے،
آنکھیں ناک بنائی، زبان بنائی، دل و دماغ بنایا، اللہ نے تمہیں کھیتی
دی، تمہیں اعضاء دیئے، تم اس کا حکم تو مانتے نہیں، نماز نہیں پڑھتے
روزہ نہیں رکھتے۔ اور یہ بحث کرتے ہو کہ شیطان کو کس نے بہکایا۔

اللہ کو کتنا غصہ آتا ہوگا، کہنے لگا ہے تو ٹھیک۔ میری توبہ صاحب۔ اب ایسے
نہیں کرنے کا، فوراً کان پکڑ لیے۔ میں نے کہا اتنا کرنے سے نہیں، اب
یہ وعدہ کرو کہ نماز پڑھو گے۔ اس نے کہا صاحب آج فلاں دن ہے۔
منگل، بدھ، جمعرات، تین دن کی تو مجھے چھٹی دو، جمعہ کے دن سے جس میں
نہا دھو کر کپڑے بدل کر نماز پڑھوں گا۔ میں نے کہا تم بتاؤ کیا میری نماز
پڑھو گے، نماز تو خدا کی ہے، خدا کا فریضہ ہے، مجھے کیا حق ہے چھٹی دینے
کا۔ خدا کے فریضہ کو میں ہٹا سکتا ہوں یا کوئی اور ہٹا سکتا ہے؟ کوئی
نہیں ہٹا سکتا۔ میں نے کہا۔ تمہارا یہ سوال ہی غلط ہے، کسی کو حق نہیں
چھٹی دینے کا۔ اسی نے فرض کی، اسی نے کہا پانچ دن کی نماز پڑھو۔
غرض ختم قسم کے سوالات آدمی کے دل میں ڈالتا ہے شیطان۔ اور اس
کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آدمی راہ راست پر قائم نہ رہ پائے۔ لہٰذا وہ
تعلقات میں خرابی پیدا کر دیتا ہے، اعمال میں خرابی پیدا کر دیتا ہے
وقت برباد کرتا ہے، طرح طرح کی چیزیں ڈالتا ہے۔ اس لیے اس کے وسوسوں
سے بچنے کے لیے دعا کی گئی، پناہ مانگی اللہ تعالیٰ کی۔

جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے، قسم قسم کے خیالات
پیدا کرتا ہے۔ مجھے یاد ہے اپنی طالب علمی کے زمانے میں ایک صاحب نے
حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ سے عرض کیا کہ حضرت میرا
یہ حال ہے کہ جب میں نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ
نماز کے لیے چلو تو اندر سے شیطان کہتا ہے کہ کیا کرو گے نماز پڑھ کر۔
ثواب ملے گا۔ ثواب مل کر کیا ہوگا۔ اللہ کے قبضے میں سب کچھ ہے۔
وہ چاہے بغیر نماز کے بھی بخش دے۔ غرض اسی قسم کے سوالات پیدا

ہوتے رہتے ہیں، جو بات دیتا رہتا ہوں۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت ختم
ہو جاتا ہے۔ یہ چیزیں مختلف قسم کی ہیں۔ جو شخص جس لائن کا ہوتا ہے اس
کے جی میں وسوسے اسی لائن کے ڈالتا ہے۔ ایک ہی لائن کے نہیں طالب علموں
کے دل میں اور قسم کے ڈالتا ہے، تاجروں کے دل میں اور قسم کے ڈالتا ہے۔
کھیتی کرنے والوں کے دل میں اور قسم کے ڈالتا ہے، سرکاری ملازموں کے
دل میں اور قسم کے ڈالتا ہے! دوکانداروں کے دل میں اور قسم کے ڈالتا ہے۔
ہر ایک کے دل میں اس کی شان کے مطابق ڈالتا ہے۔ اس لئے اس سے
پناہ مانگنے کے واسطے اس میں طریقہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی پناہ مانگو
رب الناس سے، ملک الناس سے، الٰہ الناس سے، اس وسواس الخناس
کے شر سے جو سینوں کے اندر وسوسے ڈالتا ہے۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔ اور یہ وسوسے کبھی تو وہ اندر سے ہی ڈالتا ہے
اور کبھی انسان بھی ڈالتے ہیں، جنات بھی ڈالتے ہیں، انسان بھی ڈالتے
ہیں، شیطان بھی ڈالتا ہے، سبھی وسوسے ڈالتے ہیں، آدمی کا شیطان
آدمی اور شیطان کو ڈانٹ رہا ہے۔

میرے والد صاحب مرحوم نے ایک حکایت سنائی تھی۔ ایک
مرتبہ ایک شخص چلے جا رہے تھے۔ راستے میں دیکھا کوئی شخص پڑا سوتا
ہے۔ ان کے چلنے سے ان کے پاؤں کی آہٹ سے وہ بیدار ہو گیا۔ اس
نے پوچھا تو کون ہے۔ اس نے کہا میں شیطان ہوں۔ شیطان ہے
تو پڑا سو رہا ہے۔ تجھے فرصت مل جاتی ہے سونے کی۔ تیرا کام مخلوق
خدا کو بہکانا ہے، تجھ کو کہاں موقع ملتا ہے سونے کا؟ اس نے کہا
ہاں ہے تو یہ بات۔ لیکن بہت سے ہمارے آدمی قائم مقام ہو گئے۔

میرے تمام بندے ہو گئے۔ وہ کام انجام دے رہے ہیں۔ میرے پاس زیادہ کام نہیں رہا، کم رہ گیا، لوگ انجام دے رہے ہیں میرے کام۔ اس لئے کہ انسانوں کی کوئی جماعت ایسی ہے جو بہکانے والی ہے، دینِ حق سے بہکانے والی، سُنّت کو مٹانے والی، غلط طریقے پھیلانے والی انسانوں کی بھی جماعت ہے۔

ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ، وہ صاحبِ حضوری تھے۔ صاحبِ حضوری اس شخص کو کہتے ہیں ان حضرات کی اصطلاح میں، جس کو ہر روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ اور کس طریقے پہ ہوتی ہے۔ سوتے میں ہوتی ہے جاگتے میں ہوتی ہے۔ یہ تو وہی حضرات جانیں۔ وہ مدینہ طیبہ میں رہتے تھے۔ ان کو حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم ہوا کہ تم ہندوستان جاؤ اور غریبانِ ہند کے حال پر شفقت کا معاملہ کرنا۔ چنانچہ وہ آئے اور آکر دہلی میں انھوں نے قیام کیا اور جہاں کہیں ان کو معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ پہ کوئی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہے اس کی زیارت کے واسطے جاتے۔ ایک مرتبہ سُنا کہ کوئی فقیر آیا ہے۔ یہ بھی تشریف لے گئے۔ جاکر دیکھا کہ اس کے پاس ایک مجمع ہے اور وہاں ایک شراب کا پیالہ بھی رکھا ہے۔ جب یہ پہونچے تو اس فقیر نے ان سے کہا کہ شراب پی لو۔ انھوں نے انکار کر دیا کہ شراب تو نہیں پیوں گا۔ نہیں پی۔ آگے کچھ اور بات نہیں ہوئی۔ اس کی مجلس جب ختم ہوئی۔ واپس آ گئے۔ رات کو سامنے دیکھا کہ کچھ لوگ چلے جا رہے ہیں۔ پوچھا کہاں جا رہے ہیں۔ کہا فلاں مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، زیارت کے لیے جا رہے ہیں

یہ بھی گئے۔ جا کر کے دیکھا کہ دروازے پر وہی فقیر کھڑا ہے ڈنڈا لیے ہوئے
اور لوگوں کو تو اس نے جانے کی اجازت دی اور جب یہ پہنچے تو
اس نے ڈنڈا اٹھا کر کہا تو نے پیالہ نہیں پیا تھا تجھے اندر نہیں جانے دوں گا۔
گھبرا کر ان کی آنکھ کھل گئی۔ پریشان تھے مگر عالم تھے۔ تو لاحول پڑھی
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ تو شیطان تلبیس ہے۔
آج پھر گئے اس فقیر کے یہاں، تو اس فقیر نے کہا اب تو پی لے۔ اس سے
یہ سمجھ پایا تو یہ اسی کا تصرف تھا یا پھر کشف ہے اس کا۔ چنانچہ فرمایا یہ
شعبدے ہیں اور کود کھانا میں نہیں پیوں گا۔ آج رات پھر اسی طرح سے
دیکھا لوگ جا رہے ہیں، یہ بھی گئے۔ دیکھا پھر وہی فقیر ڈنڈا لیے ہوئے کھڑا
ہے۔ پھر ڈنڈا اٹھایا پھر گھبرا کر ان کی آنکھ کھل گئی۔ پھر لاحول پڑھی۔ آج
پھر فقیر کے پاس آئے تو اس نے کہا اب تو پی لے۔ دو دن ہو گئے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور وہاں خدمت میں حاضری سے محروم
ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر ساری عمر بھی محروم رہوں تو بھی نہیں پیوں گا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت! ورنہ نافرمانی کر کے مجھے زیارت اور حاضری
مقصود نہیں ہے۔ میں اگر زیارت سے محروم ہوں، خدمت سے محروم ہوں تو
کیا ہے میرا عمل تو مقبول ہے وہاں۔ محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے نجات
نہیں ہوگی جیسے ابوجہل ابولہب نے بھی زیارت کی ہے۔

جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہے، زیارت کا اسے موقع
نہ ملے لیکن ایمان لاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عمل
کرتا ہے اسی کی نجات ہے۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کی خدمت
میں مشغول تھے۔ ان کو موقع نہیں ملا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضری کا۔ ساری عمر ہو گئی حاضر نہیں ہوئے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کی تعریف فرمائی۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو فرمایا اُویس قرنی ایسا ایسا ہے۔ جو شخص اس سے ملاقات کرے اس سے اپنے لئے دُعا کرائے۔ صحابہ کرامؓ کو تاکید فرمائی کہ ان سے دعا کراؤ۔ باوجود عدم حاضری ہونے کے وہ تعمیل ارشاد میں مصروف تھے۔ لہٰذا ان کا درجہ بہت بلند ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنایا ہے اور دور تک تشریف لے گئے ان کو ہدایات دیتے ہوئے اور جب ارادہ کیا واپسی کا، تو فرمایا اے معاذ! آئندہ سال جب تم آؤ تو شاید تمہاری مجھ سے ملاقات نہ ہو سکے، میری قبر پر سے تمہارا گزر ہو بس یہ سُننا تھا ایک دم ان کو جوش آ گیا، دل بھر آیا رونے لگے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرۂ مبارک کو مدینہ پاک کی طرف کیا اور ارشاد فرمایا دیکھو میرے دوست وہ ہیں جو تقویٰ اختیار کریں، جو بھی ہو جہاں بھی ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر نہ ہو سکے گو سو برس دور رہے، ہزاروں میل دور رہے، دوسرے مُلک میں رہے لیکن تعمیل ارشاد کرتا رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل کرتا رہے وہ شخص محروم نہیں۔ چنانچہ تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی دیکھا خواب میں اور دیکھا کہ وہ فقیر پھر کھڑا ہوا ہے۔ انھوں نے سوچا کہ یہ کمبخت یہاں آ کر کھڑا ہو گیا دروازے پر اندر نہیں جانے دیتا۔ یہ عجیب بات ہے جو شراب پی لے، معصیت کا ارتکاب کرے، لعنت کا مستحق ہو وہ تو اندر

جائے اور جو شراب نہ پیئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کرے وہ
اندر نہ جا سکے۔ اسی سوچ میں تھے کہ اندر سے آواز آئی کہ نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم دریافت فرما رہے ہیں کہ عبدالحق نہیں آئے دوسروں نے کہا کیا بات
ہے۔ بس انہیں انھوں نے کہا کہ حضور یہ دروازے پہ کھڑا ہے آنے نہیں
دیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ کیا بات ہے؟ انھوں نے
کہا ایک فقیر اس طرح سے دروازے پر کھڑا ہے۔ ارشاد فرمایا اخسأ
یا کلب۔ دور ہو جا اے کتے۔ یہ ارشاد فرمایا اور حضرت علی رضؓ بھی موجود
تھے اس مجلس میں، وہ تلوار لے کر دوڑے۔ اس پر وہ فقیر بھاگا، اندر
بلا لیے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دور دور سے آئے ہو۔
کہا جی ہاں، دور دور سے آیا ہوں۔ یہ کہتا تھا کہ شراب پی لے۔ آپ نے تو
شراب کو حرام فرمایا تھا کیسے پی لوں، آپ نے شراب پینے والے پر
لعنت فرمائی، میں کیسے پی لوں۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا کیا اور پھر شفقت
فرمائی۔ پھر انسان بھی ہیں تباہ کرنے والے، دھوکے ڈالنے والے
جنات بھی ہیں، شیطان بھی ہیں، اس لئے اس قسم کے انسانوں سے
بچنے کی ضرورت ہے اور پھر صبح کو بیدار ہو کر حضرت عبدالحق محدث
وہاں گئے۔ آ کر دیکھا کہ مجمع تو موجود ہے مگر ان کا پیر فقیر وہاں موجود
نہیں۔ پوچھا کہ بھائی تمہارے پیر صاحب کہاں ہیں۔ انھوں نے کہا کمرے
کے اندر ہیں۔ کمرے کے اندر کھٹکھٹایا، زنجیر کھٹکھٹائی۔ کوئی نہیں بولا۔
کواڑ کھولا تو دیکھا کہ اندر کمرے میں نہیں ہیں۔ اور لوگوں سے کہا دیکھو
وہ یہاں تو نہیں ہیں۔ کہاں ہیں۔ اور بھی کوئی راستہ وہاں سے نکلنے کا
نہیں۔ اس کے بعد جب سب نے دیکھا کہ وہاں نہیں ہیں تو تعجب ہوا لیکن

کہاں گئے۔ وہ تو کمرے کے اندر ہی تھے، لیکن اب نہیں ہیں۔ پوچھا یہاں سے کوئی چیز نکلی بھی ہے۔ کہا ہاں ایک کتا نکلا ہے، اس پر انھوں نے اپنا سارا قصہ سنایا کہ وہ کتا بنا دیا گیا جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو مسخ کرنا چاہتا تھا، اللہ نے اس کی صورت کو مسخ کر کے کتا بنا دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس کو کتا فرما دیں وہ کیسے انسان رہ سکتا ہے وہ تو کتا بن کر رہے گا اس کی انسانیت ختم ہو گئی، شناخت کیا ہوگی! انسانیت بھی باقی نہیں رہی، کتا بنا دیا گیا۔ اس واسطے میرے دوستو! مختلف قسم کے لوگ دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں جو سنت کو بگاڑ رہے ہیں، جو اطاعت کو بگاڑ رہے ہیں، جو دین اسلام کو مسخ کر رہے ہیں۔ اس واسطے بہت پناہ مانگنے کی ضرورت ہے۔ خداوند تعالیٰ کی اگر پناہ ہوگی تو حفاظت ہوگی۔ ورنہ حفاظت ہونا دشوار ہے۔ انسان طرح طرح کی چیزیں پھیلا رہے ہیں، طرح طرح کی تحریکیں چل رہی ہیں، اخبار، رسالے، پارٹیاں، کمیٹیاں، انجمنیں جگہ جگہ بن رہی ہیں، اور ایسے طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں کہ جس طریقہ سے آدمی صحیح طرح اسلام بھی نہ سمجھ سکے اور سنت کے صحیح طریقے کو نہ سمجھ سکے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ میری بھی اور آپ سب حضرات کی بھی حفاظت فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ۔ اے اللہ تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما، اے اللہ ہمارے چھوٹے بڑے سارے گناہوں کو معاف فرما، اے پاک پروردگار ہمارے بے شمار گناہ تیری مغفرت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اے پروردگار تو معاف فرما دے، اے اللہ تو ہمارے قلوب میں صلاحیت پیدا فرما دے، ہمیں اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین فرما دے

اے اللہ بدعات سے اور ہر قسم کی باطل چیزوں سے ہماری پوری حفاظت فرما۔ اے اللہ ہمارے مدارس کی حفاظت فرما۔ ہماری خانقاہوں کی حفاظت فرما۔ ہماری تبلیغی جماعتوں کی حفاظت فرما۔ ہماری مساجد کی حفاظت فرما۔ اے اللہ تمام مسلمانوں پر رحم فرما۔ جہاں کہیں بھی مسلمان تیرا نام لینے والے موجود ہیں تو ہی ان کی حفاظت فرما، ان کو ظاہری و باطنی ترقیات عطا فرما، اے پاک پروردگار شرور سے فتنوں سے حفاظت فرما۔ اندرونی فتنوں سے بھی حفاظت فرما، بیرونی فتنوں سے بھی حفاظت فرما۔ یا اللہ ہمارے اندر جو دشمن رکھے ہوئے ہیں ان سے بھی حفاظت فرما، جو باہر رکھے ہوئے ہیں ان سے بھی حفاظت فرما۔ اے اللہ ہمارے بزرگوں کے سایہ کو قائم فرما، ان کی روحانیات میں ترقی عطا فرما، جسمانی بھی طاقت عطا فرما، اور ہم کو توفیق دے کہ ان کے فیض سے استفادہ کریں۔ اے الٰہ العالمین رحم فرما۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

درس ابتداء بخاری شریف

مجلس دار العلوم بری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حَدَّثَنَا یَحْیَی ابْنُ بُکَیْرٍ

بخاری شریف صحاح ستہ میں سب سے اونچی کتاب شمار ہوتی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے سولہ سال اس میں خرچ کئے اس کے تصنیف کرنے میں۔ ایک حدیث کو لکھتے وقت پہلے غسل کرتے، مسواک کرتے، دو رکعت نماز پڑھتے تب ایک حدیث لکھتے تھے۔ اسی طرح سولہ سال خرچ ہوئے حدیث لکھتے ہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل و تقریر کو حدیث کہتے ہیں خواہ کتنا ہی چھوٹا ٹکڑا ہو اس کیلئے حضرت امام بخاریؒ غسل اور مسواک اور دو رکعت نماز کا اہتمام فرماتے۔ حضرت امام بخاریؒ کا جب انتقال ہوا دیکھتے ہیں کہ ان کی قبر سے خوشبو مہکتی ہے۔ باہر سے آنے والے خوشبو محسوس کرتے۔

روایت بیان کرتے ہیں امام بخاریؒ کے شاگرد یحیی ابن بکیر ان کے استاذ ہیں لیث، وہ نقل کرتے ہیں عقیل سے وہ ابن شہاب سے وہ عروہ ابن زبیرؓ سے۔ عروہ ابن زبیرؓ بھانجے ہیں حضرت عائشہؓ کے وہ حضرت عائشہؓ ام المؤمنین سے نقل کرتے ہیں أَنَّهَا قَالَتْ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا۔

أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

پھر جب وحی آنا شروع ہوئی تو وحی شروع ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
خواب نظر آتے تھے۔ حال یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں جا کر بیٹھ جاتے تھے۔
حضرت خدیجہ رضہ آپ کو کھانا دے دیتی تھیں اور ناشتہ کھانا ساتھ لے کر چلے جاتے۔
کبھی بیس بیس روز، کبھی ایک مہینہ، کبھی اس سے بھی زیادہ دن تک وہاں ٹھہرے رہتے۔
جب کھانا ختم ہو جاتا تو پھر واپس آتے۔ پھر سے اتنے روز تک غار ہی میں رہتے۔
ایسی جگہ پر نہ کسی کی آواز سنائی دے، نہ کسی کی صورت دکھائی دے، نہ کسی سے
ملاقات ہو۔ گویا کہ اس عالم میں رہتے ہوئے اس عالم سے بے خبر اور بے تعلق رہتے۔
اس لئے کہ وحی آنے والی تھی، وحی آنے کے لئے قلب کے اندر جس یکسوئی کی ضرورت ہو
وہ یکسوئی حاصل ہو جائے۔ اس بنا پر اولیاء اللہ اور صوفیاء اعتکاف کرتے ہیں۔
پہلے حضرات صوفیائے کرام کے یہاں جو خانقاہ ہوتی تھی چھوٹے چھوٹے حجرے ہوتے
تھے۔ ایسے حجرے کہ بس اس کے اندر ہوا کی بھی جگہ نہیں ہوتی تھی، روشنی بھی کہیں کہیں سے
نہیں آتی تھی، بمشکل آواز آتی تھی جب ذکر کرتے تھے تاکہ اس دنیا سے انقطاع
ہو جائے اور حق تعالیٰ کی طرف پوری توجہ ہو جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس وحی آتی تھی، اولیاء کے پاس وحی تو نہیں آتی تھی بلکہ الہام ہوتا تھا، القاء
ہوتا تھا حق تعالیٰ کی طرف سے قلوب کے اندر معانی اور مفاہیم ڈالے جاتے تھے تو ان
کی اصلاح کے لئے اور قوم کی اصلاح کے لئے ہوتے تھے۔ لیکن یہ جو روایت حضرت
عائشہ رضہ بیان کر رہی ہیں یہ حضرت عائشہ رضہ کا واقعہ نہیں ہے۔ اس واسطے کہ حضرت
عائشہ رضہ تو ہجرت کے بعد جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے
تھے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بن کر آئی تھیں اور یہ واقعہ ہجرت سے
پہلے مکہ مکرمہ کا ہے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت عائشہ رضہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
ابتداء وحی کے وقت موجود نہیں تھیں۔ زیادہ تر جو روایتیں ہیں ان میں حضرت خدیجہ

سے ہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نام لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ بھی صحابیہ ہیں، اور صحابیہ بھی بہت زیادہ واقف روایت اور حالات کو جاننے والی ہیں۔ اس لئے بغیر ان کا نام لئے بھی روایت متصل ہوگئی۔

اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ۔ رویاء صالحہ نوم میں، خواب کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی۔

اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے وہ اس طرح سے ظاہر ہو جاتا جیسے کہ فلق الصبح یعنی صبح صادق کی کیل پھٹنا جسے کہتے ہیں کیل پھٹ گئی مشرق کی طرف جو اندھیرا ہوتا ہے سارے آسمان پر اندھیرا ہوتا ہے ایک صبح صادق ہوتے ہی اندھیرا پھٹتا چلا جاتا ہے روشنی پھیلتی چلی جاتی ہے، جس طرح صبح صادق کو سب دیکھ لیتے ہیں اسی طرح جو خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے صبح صادق کی طرح اس کی تعبیر ظاہر ہو جاتی۔

ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف محبوب کیا گیا خلا کو غار حرا میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہائی اختیار فرماتے تھے وہاں تحنث کرتے تھے، یعنی اطاعت اور عبادت کرتے تھے۔ پھر عبادات کی تفصیل کہیں نہیں ملی کہ کیا عبادت کرتے تھے کیا نماز پڑھتے تھے، قرآن شریف پڑھتے تھے، قرآن پاک تو نازل نہیں ہوا تھا نماز فرض نہیں ہوئی تھی، اور کیا عبادت کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ ظاہر تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے کمال اور صفات میں مراقبہ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے کس طرح سے کیا کیا پھیلا رکھا ہے اس دنیا میں کیسی کیسی اس کی صفات ہیں، کیسے کیسے ان کا ظہور ہوا ہے۔ ابھی ابھی اس سے پہلے سبق میں جو سانپ کے کاٹنے اور ڈسنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اس میں بتلایا گیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ اس چیز پر شیعوں نے اعتراضات کئے ہیں کہ یہ دیکھو

اتنے بڑے ہوتے ہوئے اتنی عمر میں ہونے کے باوجود رو رہے ہیں سانپ کے کاٹنے کی
وجہ سے جیسے بچے رویا کرتے ہیں۔ یہ جہالت پر مبنی جو اعتراض کیا۔ میرے ذہن میں ایک
اور چیز ہے۔ وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چپکے سے نکلے تھے مکہ معظمہ سے اپنے گھر سے
اور ایسی حالت میں نکلے تھے کہ وہاں کے لوگوں نے آپس میں مل کر یہ طے کر لیا تھا کہ آج
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ
کیا گیا کہ جب باہر تشریف لائیں فوراً ختم کر دیا جائے۔ سارے مکان کو گھیر لیا۔ ادھر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا وحی کے ذریعے سے باہر تشریف لے چلیں اور ہجرت
فرما دیں۔ چنانچہ باہر تشریف لائے اور تھوڑی سی مٹی اٹھا کر ان کے اوپر پھینک دیا۔
اور شاہت الوجوہ فرما کر ان کے چہرے پر ڈالی جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
ان لوگوں کو نظر نہیں آئے ان کے درمیان میں سے نکل کر چلے آئے۔ صبح کو جب دیکھا
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں ان کے بستر پر حضرت علی رضہ ہیں، ان سے پوچھا کہ
تمہارے ساتھی کہاں ہیں! انھوں نے کہا واللہ اعلم۔

بستر پر حضرت علی رضہ تھے۔ جب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں سے
تشریف لے گئے، بچ گئے۔ ان لوگوں کا پلان ٹھیک نہیں ہوا، کامیاب نہیں رہا۔
لہٰذا دوڑنا شروع کیا۔ ادھر ادھر، کچھ ادھر کو گئے اور کچھ ادھر کو۔ چنانچہ دوڑتے
دوڑتے غارِ ثور تک پہنچ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتے ہوئے۔ اور اس وقت
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضہ دونوں غار کے اندر موجود تھے۔ یہ لوگ
غار کے دہانے کے اوپر کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضہ دیکھ رہے ہیں۔ تب عرض
کیا کہ حضور یہ لوگ اگر اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہمیں دیکھ لیں گے اور پہنچ جائیں
گے ہماری طرف۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے ان دو کے متعلق کہ
ثالثہما اللہ کہ تیسرا ان کا اللہ ہے۔ ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ۔

دو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رض اور تیسرے ان کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ، یعنی محافظ اللہ تعالیٰ ہے۔ ان کے متعلق کیا خیال ہے کہ یہ لوگ پکڑ سکتے ہیں ایسا، جب تک اللہ تعالیٰ حفاظت کرنے والے ہیں کوئی کچھ بگاڑنے والا نہیں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ران پر سر مبارک رکھ کر لٹا دیا، اور اپنا پیر اس سوراخ میں لگا دیا جو بند کرنے سے رہ گیا تھا۔

جو چیز میرے ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت حضرت صدیق اکبر رض کو یہ خیال آیا کہ لوگ تلاش کر رہے ہیں، ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہاں بھی آ جائیں گے اور سانپ کے کاٹنے سے آدمی مر جاتا ہے۔ اس کے کاٹنے سے میں بھی مر جاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ جائیں گے۔ افسوس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی رفیق موجود نہیں جو باہر نکل سکے، مدینہ طیبہ پہنچ سکے۔ یہ خیال غالب آیا۔ اس خیال کی وجہ سے حضرت ابوبکر رض کی آنکھوں سے آنسو نکل گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ جائیں گے، خدا جانے دشمن کیا معاملہ کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ مگر میں نے کسی کتاب میں دیکھا نہیں۔ غرض اس وجہ سے آنکھوں سے آنسو نکلے حضرت ابوبکر صدیق رض کے۔ اور ایک روایت ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین میں سے ایک شخص نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہ میں نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ سے کہ مجھے زیارت نصیب ہو جائے۔ تو انھوں نے دعا کی، وہاں سے جواب ملا کہ اس حالت اور اس ہیئت میں زیارت نہیں کر سکتے، اگر تم چاہو تو تم کو سانپ بنا دیا جائے، اور وہ اس غار میں ٹھہرا رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کے لئے جائیں گے تو اس غار میں ٹھہرے ہوئے جائیں گے، وہاں سے تم زیارت کر لینا۔ اس نے منظور کر لیا تھا، چنانچہ سانپ بنا دیا گیا اور وہ آ کر اس غار میں اسی سوراخ میں بیٹھ گیا۔ کئی سو برس

گذر چکے وہاں بیٹھے بیٹھے۔ اب جب حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے اس کو منہ نکالتے ہوئے
دیکھ کر پاؤں اٹھا لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے۔ اس نے سوچا کہ اتنی
صدیوں سے میں یہاں بیٹھا ہوا۔ اب زیارت کا وقت آیا تو یہ پیر اٹھا رہے ہیں۔ ہٹنا
پھر یہاں سے میں آ رہا ہوں۔ بس روایت ایسی ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

يَتَحَنَّثُ بِغَارِ حِرَاءٍ۔ غار حرا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلوت نشینی اختیار
فرماتے تھے وہاں عبادت کرتے تھے، کئی کئی راتیں گذر جاتی تھیں۔ اور وہاں ٹھہرنے
کے لئے غار حرا میں تردد کرتے تھے یعنی ناشتہ لے آتے تھے پھر لوٹتے تھے حضرت
خدیجہ رضہ کے پاس اور پھر اسی جیسا ناشتہ لے لیتے اور غار میں تشریف لے آتے۔
یہاں تک کہ آپ کے پاس حق آ گیا اور وحی آنا شروع ہو گئی)

حَتّٰى جَاءَهُ الْحَقُّ۔ یہ روایت حضرت عائشہ رضہ نے حضرت خدیجہ رضہ سے
نقل کی ہے، غالب گمان یہی ہے، چنانچہ یہاں آ گیا شَرِيْحَجُ فِيْ اَخْذِهٖ یہاں تک
حق آ گیا آپ کے پاس اس حال میں کہ آپ غار حرا میں تھے یعنی جس وحی کے انتظار میں
تھے اور پوری یکسوئی حاصل ہو گئی۔ ادھر ادھر کی آوازیں اور صورتیں سب نظروں
سے دل سے دماغ سے غائب ہو گئیں صرف حق تعالیٰ کی طرف ہی خالص توجہ ہو گئی۔
تو جس وقت کلی طور پر اس وقت آپ کے پاس وحی نازل، کیسے آئی؟

فَجَاءَهُ الْمَلَكُ۔ فرشتہ آیا آپ کے پاس۔ اس نے کہا پڑھ، مجھے کیا پڑھنے
بعض حضرات کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ریشم کا کپڑا، ریشم کا رومال آپ کو دیا
کہ اس کو پڑھئے۔ اس ریشم پر لکھا ہوا تھا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الخ تو اس ریشم
کے رومال کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا أَنَا بِقَارِئٍ۔ میں تو پڑھا
ہوا نہیں ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ امی کے معنی ام والا، ماں والا۔
ماں والے تو سبھی ہوتے ہیں بغیر ماں کے کون ہوتا ہے۔ پھر کیا مطلب ہے اس کا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سے بچہ ماں کی گود میں رہ کر پڑھنے کے لئے کسی مدرسے اور مکتب میں نہیں گیا صرف ماں کی گود میں ہے وہ کچھ پڑھنا نہیں جانتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم نہیں تھا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اتنا علم عطا فرمایا تھا کہ تمام انبیاء، تمام ملائکہ، تمام جن و بشر کا علم ایک طرف اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو دوسری طرف رکھئے تو وہ مثال ہے جو ایک قطرے اور ایک بڑے سمندر میں ہوتی ہے سب کا علم ملا کر ایک قطرے کے برابر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایک سمندر کے برابر۔ جو علوم شانِ نبوت کے لائق آپ کو عطا کئے گئے تھے کل علوم کو شامل تھے، مگر یہ علوم حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں کسی سے حاصل نہیں کئے۔ اس دنیا میں جو شخص کسی سے کوئی علم حاصل کرتا ہے وہ اس کا استاذ ہوتا ہے۔ اور استاذ کی فضیلت ہوتی ہے شاگرد پر۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں کسی سے علم حاصل کرتے تو جس سے حاصل کرتے وہ استاذ ہوتا اس کو فضیلت ہوتی، حالانکہ نبی اپنے زمانے کے تمام امتیوں سے افضل ہوتا ہے۔ اسی واسطے غلام احمد قادیانی پر اعتراض بڑا زبردست ہے کہ جب وہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس نے دنیا کا علم پڑھا ہے۔ نبی کو تو اللہ تعالیٰ پڑھاتے ہیں فرشتے کے ذریعہ سے علم بھیجتے ہیں۔ کسی انسان سے نبی دنیا میں نہیں پڑھا کرتا۔ غلام احمد قادیانی نے دنیا کا علم پڑھا ہے۔ اس واسطے کہ شاگرد کو فضیلت نہیں ہوتی، استاذ کو فضیلت ہوتی ہے۔ جس سے غلام احمد قادیانی نے پڑھا ہے وہ افضل اور قادیانی مفضول ہے۔ پھر وہ نبی کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب ان کے پاس نہیں ہے ؎

ہے لقب اُمّی و لیکن جس طرف بھی دیکھئے ان سے روشن عقل و دل دین و دنیا علم و فن
اُمّی بن کے بیٹھے تھے جب حرا میں جبرئیل آشکارا ہو گیا تھا سرِّ علمِ من لدن

قَالَ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ. حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑ کے دبالیا جیسے معانقہ کیا جاتا ہے، زور سے دبالیا یہاں تک کہ انتہا کو پہنچ گئی جہد. گویا کہ ایسا دبایا کہ میں بے قابو ہو گیا سنبھلنے کی طاقت نہ رہی. پھر مجھے چھوڑا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ پڑھو. میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں. دوبارہ انھوں نے اسی طرح سے دبایا. فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِی الثَّالِثَةَ تیسری مرتبہ پھر اسی طرح سے پکڑ کر دبایا اور چھوڑا اور چھوڑنے کے بعد یہ کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ. سب سے پہلے سورہ اقرا کی یہ آیتیں غارِ حرا میں نازل ہوئیں.

فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کو لے کر لوٹے، آپ کا قلب کانپتا تھا خوف کی وجہ سے قلب بے قابو ہو رہا تھا، حرکت زیادہ بڑھ گئی قلب کی غیر متوازن ہو گیا. وحی قولِ ثقیل ہے. اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا. قلب کے اوپر جو وحی نازل ہوئی اس کا بوجھ اتنا تھا کہ اس کو برداشت کرنا دشوار ہو گیا. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کانپتے ہوئے وہاں سے گئے.

فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيْجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ. حضرت خدیجہ رضؓ بنت خویلد کے پاس جا کر داخل ہوئے اور فرمایا مجھے لحاف اڑھا دو، دو مرتبہ فرمایا. پس گھر والوں نے لحاف اڑھایا حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ. اس کی وجہ سے جو طبیعت میں ایک خوف اور رعب طاری تھا وہ جاتا رہا، دل قابو میں آ گیا. پس حضرت خدیجہ رضؓ کو واقعہ سنایا اور پوری خبر سنادی کہ اس طرح سے میں غارِ حرا میں تھا، وہاں ایسی ایسی صورت کا ایک آدمی آیا، اس نے مجھ سے کہا کہ اِقْرَاْ میں نے کہا مَا اَنَا بِقَارِئٍ مجھے پکڑ کر زور سے دبایا تو میں بے قابو ہو گیا. تو تین مرتبہ اسی طرح سے ہوا پھر کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ

رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ یہ سب واقعہ سُنا دیا۔

لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ۔ مجھے تو اپنے اوپر ڈر ہو گیا۔ ڈر ہو گیا کہ ایک دفعہ اور اس طرح اگر ہو جائے تو میں ختم ہو جاؤں گا۔ انتقال ہو جائے گا میرا۔

فَقَالَتْ خَدِیْجَةُ کَلَّا وَاللّٰہِ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: کتنا اطمینان بخش جواب دیا، کتنا سمجھ کا جواب دیا۔ بہلانے والا اور مطمئن کرنے والا جواب دیا۔ کیا ہوا؟ یہ بالکل نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا۔ اسباب بتلائے۔ اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ۔ آپ کے اندر یہ صفات عالیہ اور اوصاف مکرمہ موجود ہیں، اس لیے حق تعالیٰ آپ کو بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا ضرور آپ کی حفاظت و اعانت فرمائے گا۔ آپ کے اندر وہ صفات کیا کیا ہیں؟ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور سلوک کا معاملہ کرتے ہیں اور بے سہاروں کی امداد کرتے ہیں، جو مسافر کہیں جا رہا ہے اس کے پاس کچھ نہیں ہے ناشتہ توشہ دے دیا اور پھر کسی کا کوئی عورت بیوہ ہے اس کی خبر گیری کی، اس کے بیوی بچے اور ان کے نفقہ کا انتظام کیا۔ یہ آپ کرتے ہیں۔

وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ۔ اور معدوم کے لیے کسب کرتے ہیں۔ جس شخص کے پاس کچھ نہیں ہے اس کو آپ عنایت فرما دیتے ہیں۔ ایک شخص کے ذمہ قرض ہے وہ آپ کے پاس آ کر کہتا ہے کہ میرے پاس قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ نہیں آپ اس کو عنایت فرما دیتے ہیں جس سے وہ قرض ادا کر دیتا ہے۔ ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ میرے پاس بیوی بچوں کے کھانے کو کچھ نہیں آپ اس کو کھانے کا انتظام فرما دیتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں، جو مہمان بیچارے ایسے ہیں جن کی کوئی جان پہچان نہیں، ادھر کو گزرنے والے گزر رہے ہیں آپ کو پتہ چل جائے تو آپ ان کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ اور نوائب حق پر آپ اعانت کرتے ہیں۔ جس شخص پر کوئی بار آ گیا ہے حق کے تحت آپ اس کی اعانت کرتے ہیں۔ کسی نے کسی کو قتل کر دیا ہے اس کی دیت لازم ہو گئی، اس کے پاس

دیت دینے کو جیسے پ، اس کی امداد کرتے ہیں۔

فَانْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِیْجَۃُ رض۔ حضرت خدیجہ رض نے اپنی طرف سے اس طرح سے اطمینان دلادیا، سکون کی باتیں کہیں، ڈھارس بندھائی، دل کو تقویت پہونچائی کہ آپ ایسے ایسے اوصاف عالیہ رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ پھر حضرت خدیجہ رض آپؐ کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ رض کے چچازاد بھائی تھے، وہ ایک ایسے آدمی تھے جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی بن گئے تھے۔ چونکہ عرب کے جو قریش تھے ان کے پاس تو کوئی علمی کتاب نہیں تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی تھی وہ محرف ہوچکی تھی، صحیح نسخہ موجود نہیں تھا، صحیح پڑھنے والے، صحیح بتلانے والے موجود نہیں تھے۔ لہٰذا وہ لوگ اہل جاہلیت کہلاتے تھے، جن کے پاس کوئی کتاب نہ ہو وہ ہیں جاہلیت والے۔ اور ورقہ کا حال یہ تھا کہ جاہلیت تو تھی ان کے پاس لیکن یہ نصرانی بن گئے، تو وہ لوگ نصرانیوں کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے، چونکہ ان کے پاس کتاب موجود تھی گو وہ جاہل نہیں تھا۔

وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ۔ اور وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ وہ لکھتے تھے انجیل سے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔ اس انجیل کا خلاصہ لکھا اور اوراق میں جمع کر رکھے تھے، ان میں جو اچھی باتیں، نصیحت کی باتیں تھیں ان کو لکھتے تھے۔

وَكَانَ شَيْخًا كَبِيْرًا قَدْ عَمِيَ۔ اور وہ بہت بوڑھے تھے نابینا ہو گئے تھے، عمر زیادہ ہوچکی تھی ان کی، ان سے حضرت خدیجہ رض نے کہا اے چچا کے بیٹے اپنے بھائی کے بیٹے سے سنو یہ کیا کہتے ہیں۔ پس ورقہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا بتاؤ جو کچھ تم نے دیکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا واقعہ ورقہ کو سنایا۔

فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِيْ نَزَّلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى۔ پس ورقہ نے کہا یہ تو وہ ناموس ہے جس کو اللہ نے نازل کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر۔

کاش میں اس وقت جوان قوی ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب تم کو تمہاری قوم نکالے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور نصرت کے لئے تمنا کر رہے ہیں کہ جس وقت قوم آپ کو نکالے گی، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا تو میں آپ کی مدد کرتا، اعانت کرتا۔ اور جس وقت قوم سے آپ کا مقابلہ ہوگا اس وقت میں قوی اور مضبوط ہوتا تو میں آپ کی حمایت اور ہمدردی کرتا۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَ مُخْرِجِیَّ ھُمْ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا یہ لوگ مجھے نکالیں گے۔ ورقہ نے کہا ہاں ضرور نکالیں گے، کیونکہ جیسی چیز آپ لے کر آئے ہیں ایسی چیز جو بھی نبی لیکر آیا ہے اس کی عداوت کی گئی ہے۔ اللہ کے فضل سے وحی آپ پر نازل ہوئی۔ آپ اپنی قوم کے سامنے پیش کریں گے اور لوگ ضرور عداوت کریں گے، پہلے بھی ایسا ہوا ہے۔ جس کے پاس وحی آئی قوم نے اس کی عداوت کی، مقابلہ کیا، مخالفتیں کیں۔ اور ان حضرات کے قصے آپ حضرات پڑھ ہی رہے ہیں، جانتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیسی مخالفتیں ہوئیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیسی مخالفتیں ہوئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کتنی مخالفتیں ہوئیں۔

وَاِنْ یُدْرِکْنِیْ یَوْمُکَ اَنْصُرْکَ نَصْرًا مُّؤَزَّرًا۔ اگر پا لیا مجھ کو تمہارے دن نے میں تمہاری مدد کروں گا۔

جس دن قوم سے مقابلہ ہوگا، قوم آپ کو نکالے گی، آپ کی بات نہیں مانے گی مخالفت کرے گی، اس وقت اگر میں زندہ ہوا تو میں آپ کی خوب [illegible] مدد کرونگا۔ چنانچہ قوم نے مخالفت کی، بائیکاٹ کیا، سلام، کلام، کھانا پینا بند کر دیا، گھر

سے نکلنا بند ہو گیا، مسجد میں آکر جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، جو شخص یہاں لاتا اس کو ستایا جاتا۔ یہ سب کچھ ہوا۔

ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّيَ۔ پھر زیادہ وقت نہیں ملا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی سست پڑ گئی یعنی وحی آنی بند ہو گئی۔ ایک مرتبہ آئی تھی پھر آنی بند ہو گئی۔

فَقَالَ فِيْ حَدِيْثِهٖ بَيْنَا اَنَا اَمْشِيْ۔ اس بات کو بیان کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں جا رہا تھا آسمان سے مجھے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی۔ جو فرشتہ غار حرا میں میرے پاس وحی لے کر آیا تھا اور اس نے مجھے دبایا، دبوچا تھا، میں نے دیکھا وہی فرشتہ آسمان و زمین کے درمیان ہے۔

جَالِسٌ عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ پس مجھ پر رعب طاری ہو گیا۔ پس میں لوٹا۔ لوٹ کر میں نے کہا مجھے لحاف اڑھا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ پس مسلسل وحی جاری ہونی شروع ہو گئی۔

تَابَعَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ وَاَبُوْ صَالِحٍ۔ متابعت کی ہے اس حدیث کی عبد اللہ بن یوسف نے ابو صالح نے اور متابعت کی ہے اس کی ہلال بن نے زہری سے اور کہا یونس اور معمر نے بوادرہ یعنی اس حدیث میں جو آیا ہے یرجف فؤادہٗ۔ بجائے فؤادہٗ کے بوادرہ ہے ان کی روایت میں۔ بوادر کیا، دونوں کندھے۔

وحی دو قسم کی کہلاتی ہے۔ ایک وحی جلی۔ ایک وحی خفی۔ وحی جلی میں الفاظ

بھی حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ اور وحی خفی میں الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوتے بلکہ معانی و مفاہیم نازل ہوتے ہیں، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہے تو وہ وحی خفی ہے۔ اُمّت کے حوالے دونوں علوم کیے گئے وحی جلی بھی، وحی خفی بھی، تاکہ امت ان کی حفاظت کرے۔ چنانچہ اُمّت نے حفاظت کی، کس کس طرح سے حفاظت کی، بہت ہی اہتمام کے ساتھ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دین کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حوالے کیا تو فرمایا اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ جو ہے وہ تبلیغ کر دیں، جو لوگ موجود ہیں وہ غائبین تک پہونچا دیں۔ اس کا اہتمام کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہ غائبین تک اس دین کو پہونچایا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہفتہ میں ایک روز مسجد نبوی کے منبر پر ہاتھ رکھ کر احادیث سنایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے سَمِعْتُ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ كَذَا۔ پھر اپنے ہاتھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کرکے کہا کرتے تھے۔ اس قبر والے صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا اس طرح سے فرمایا بہت سی احادیث انھوں نے جمع کر رکھی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مکان پر ہفتہ میں ایک روز حدیث بیان کیا کرتے تھے۔ کسی کو مسجد نبوی میں متعین کیا گیا وہ وہاں قرآن پاک کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر بناکر بھیجا گیا۔ وہاں سے انھوں نے خط لکھا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہاں بھیج دیجیے، ان کے علم کی ضرورت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے شخص ہیں کہ ان کے علم کا میں خود محتاج ہوں، میں ان کو اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتا لیکن تم کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہوئے بھیج رہا ہوں، چنانچہ بھیجا۔

ڈیڑھ سو ہزار شاگردوں کے جمع کیے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ
گئے ہیں۔ فتح القدیر شرح ہدایہ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ
عنہ نے خط لکھا کوفے کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہ
جو لوگ فوج میں جہاد میں کرنے والے ہیں ان کو قرآن پاک حفظ کرائیے اور جتنے
لوگ فارغ ہوں یاد کر کے سال کے ختم پر ان کے نام کی فہرست میرے پاس بھیجیے۔
چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور فہرست بھیجی دو سو آدمیوں کی کہ دو سو فوجیوں
نے اس سال میں قرآن پاک حفظ کیا ہے۔ مصر کے گورنر کو خط لکھا کہ فوجیوں
کو قرآن شریف حفظ کرائیے اور فہرست میرے پاس بھیج دیجیے، تو انھوں نے
دس ہزار کی فہرست بھیجی۔

الحاصل قرآن پاک کے الفاظ کی بھی حفاظت کی ہے، معانی کی بھی حفاظت کی
ہے، احادیث کے الفاظ کی بھی حفاظت کی ہے کہ تیئیس ۲۳ سال کی مدت میں نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہوا کوئی لفظ ضائع نہ ہو جائے، بلکہ
اس کو محفوظ کر لیا جائے۔ بہت ہی اہتمام کیا ہے ان حضرات نے اور اہتمام سے
لکھا بھی ہے اور پڑھنے کا بھی اہتمام کیا ہے اور پڑھانے کا بھی اہتمام کیا۔
برابر یہ سلسلہ جاری رہا، ایک ایک لفظ کی حفاظت کی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث مدینہ طیبہ میں سنی،
ان سے پوچھا کہ یہ حدیث آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے۔ انھوں نے
کہا میں نے عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ میں نے دوسرے سے سنی اور
ان سے پوچھا، انھوں نے بھی عبداللہ ابن بسر کا نام لیا۔ آخر کار انھوں نے
اونٹ خریدا اور ایک مہینے کی مسافت طے کر کے مدینہ طیبہ سے ملک شام گئے ہیں
جہاں عبداللہ ابن بسر رضی اللہ عنہ موجود تھے، ان کا مکان تلاش کر کے جا کر دستک

پر دستک دی۔ ان کا خادم آیا کر پوچھا کون ہے۔ کہا جابر بن عبداللہ، خادم نے
جا کر اطلاع دی۔ پوچھا جابر بن عبداللہ بدری؟ کہا ہاں۔ وہ فوراً دوڑتے ہوئے
آئے، ملاقات کی، معانقہ کیا۔ کہا کیا بات ہوئی؟ کیسے آنا ہوا؟ کہا لوگ یہ حدیث
بیان کرتے ہیں، کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی، سب
آپ کا نام لیتے ہیں۔ کیا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے؟ کہا ہاں،
میں نے سنی ہے۔ بس ان سے وہ حدیث سنی، اس واسطے آیا تاکہ سند میں واسطہ
درمیان کا ایک اور نہ رہے بلکہ براہ راست انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے سنی ہے۔ انھوں نے روکا کہا کہ ٹھہر جاؤ، کہنے لگے ٹھہرتا نہیں۔ مسجد نبوی کی جو
جماعت ہے وہ میں نے اس حدیث کے واسطے چھوڑ دی۔ بہت روکنا چاہا لیکن نہیں
رکے، اسی وقت واپس ہو گئے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بصرہ گئے، وہاں جا کر ایک صاحب کے مکان
پر آواز دی، وہ اپنے مکان کی چھت پہ تھے، انھوں نے اوپر سے پوچھا کون ہے؟ کہا
ابو ایوب انصاری۔ پوچھا کیسے آنا ہوا؟ کہا فلاں وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
حدیث بیان فرمائی تھی اس وقت وہاں پہ صرف ہم دونوں تھے، اس کے لفظوں میں
مجھے شبہ ہو گیا کہ اس طرح فرمایا تھا یا اس طرح فرمایا تھا، اس شبہ کو زائل کرنے کے
لیے آیا ہوں کہ کس طرح سے فرمایا تھا۔ انھوں نے بتا دیا کہ اس طرح فرمایا تھا۔ حضرت
ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ سے بھی نہیں اترے اور اسی طرح سے
واپس ہو گئے۔

اتنا اہتمام کیا ان حضرات نے۔ صحابہ نے بھی کیا تابعین نے بھی کیا۔ اس وقت
احادیث کو لکھنے کا دستور نہیں تھا، صرف زبان سے بیان کیا کرتے تھے اور
ذہن میں محفوظ کر لیتے تھے۔ اس کے بعد لکھنے کا دستور شروع ہوا۔ اور لکھ کر احادیث

کو جمع کیا گیا۔ بعض محدثین نے تو احادیث کو کیف ما اتفق سب کو جمع کر دیا چاہے کسی باب
کی ہو، کسی فصل کی ہو۔ روایتوں پر کلام نہیں کیا، راویوں پر بھی جرح و قدح نہیں کی۔
ان کا مقصد یہ تھا کہ جو احادیث پھیلی ہوئی ہیں وہ سب کی سب لوگوں کے سامنے
آجائیں۔ ان کا بھی ایک احسان ہے ہم پر۔ بعض حضرات نے اہتمام کیا ہے کہ ان کے
باب باب مقرر کیا، کتاب کتاب مقرر کی۔ مقرر کرکے پھر ان کو لکھا۔ ان کا اور زیادہ
احسان ہے، تاکہ جس کتاب، جس باب کی حدیث ہو اس کو تلاش کرنا آسان ہو جائے۔
بعض حضرات نے احادیث سے جو مسائل استنباط کئے جاتے ہیں ان میں ائمہ کے جو
اختلافات تھے ان کو بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ فلاں فلاں امام
کے پاس یہ حدیثیں موجود تھیں اور ان حدیثوں میں فلاں اختلاف ہے، کسی نے کو
مسئلہ کس طرح استنباط کیا۔ بعض حضرات نے روایتوں پر کلام کیا ہے۔ چنانچہ یہ ساری
چیزیں آپ حضرات صحاح ستہ میں پڑھ رہے ہیں۔ امام بخاریؒ نے صحت کا زیادہ
اہتمام کیا ہے۔ ان کی یہ شرط ہے کہ ہر منزل میں کم سے کم دو راوی ہوں۔ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم سے جو صحابی نقل کر رہے ہیں وہ کم سے کم دو ہوں۔ ان صحابہ سے جس نے نقل
کیا ہے وہ کم سے کم دو ہوں۔ ان سے جس نے نقل کیا ہے وہ کم سے کم دو ہوں۔ جہاں
ایک راوی رہ جائے گا وہ ان کی شرط کے خلاف ہے۔ اس حدیث کو یہ غریب کہتے
ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ بخاری کی سب سے پہلی حدیث غریب ہے اور سب سے آخری حدیث
بھی غریب ہے وہ امام بخاریؒ کی شرط کے موافق نہیں، شرط کے خلاف ہے وہ بخاری
میں نہیں آنی چاہئے تھی۔ لیکن اس کی مکافات امام بخاریؒ نے اس طرح سے کی کہ
سب سے پہلی حدیث کے متعلق کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنا منبر پر۔ علی المنبر کا
لفظ لائے اس واسطے کہ اس سے استدلال کر سکیں کہ ایک بڑی جماعت کے سامنے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ معلوم ہوا کہ سب سنتے ہوئے تھے صرف دو

پر اکتفا نہیں بلکہ سب کے سب گھٹتے ہوئے تھے اس طریقے پر ملاقات کرتے ہیں۔
امام بخاریؒ حضرت امام احمد بن حنبل کے براہِ راست شاگرد ہیں، لیکن ساری
بخاری میں صرف ایک حدیث حضرت امام احمد بن حنبل سے نقل کی ہے انھوں نے
وہ بھی نازل ہو کر ایک راوی کے واسطے سے، بلا واسطہ راوی کے انھوں نے نقل
نہیں کی۔ پوچھتے رہے کہ کیوں نقل نہیں کی۔ جو شاگرد ہیں، لقاء بھی ہے، خدمت
میں حاضری بھی ہے مگر روایت نقل نہیں کی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم یہ جو
سمجھ کر جو نا قابلِ اعتماد کی روایت ان کی اس لیے تو نقل نہیں کی۔ ایسا نہیں ہے
کوئی بات ہے، کچھ مصلحت ہے جس کی وجہ سے نقل نہیں کر رہے ہیں۔ اگر کسی راوی
سے، کسی امام سے نقل نہ کریں تو اس سے یہ استدلال کرنا غلط ہے کہ ان امام کو
اس راوی کی حدیث نہیں آتی تھی، حدیث نہیں پہونچی ان کے پاس، یہ استدلال
کرنا غلط ہے، بلکہ کسی مصلحت کی بنا پر ایسا کیا ہے۔ فقط

درسِ مشکوٰۃ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن انس رضی اللہ عنہ قال کان احب الثیاب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یلبسہا الحبرۃ۔ متفق علیہ[1]

فن حدیث کی کچھ خصوصیات ہیں جو دوسرے علوم و فنون میں نہیں ہیں۔ ان میں ایک خصوصیت ہے سند کی، ایک خصوصیت ہے تسلسل کی۔ ایک حدیث محدثین کے یہاں مسلسل بالاولیت کہلاتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ میں نے سب سے پہلے اپنے استاد سے وہ حدیث سنی، انھوں نے سب سے پہلے اپنے استاد سے وہ حدیث سنی، انھوں نے سب سے پہلے اپنے استاد سے وہ حدیث سنی، تسلسل اوپر تک چلا گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ حدیث آپ حضرات کے سامنے پڑھ دوں تاکہ آپ حضرات کا بھی تسلسل باقی رہے، آپ کہہ سکیں کہ ہم نے سب سے پہلے وہ حدیث سبق میں بیٹھنے کے وہ حدیث ابوداؤد کی ہے۔ الراحمون یرحمھم الرحمٰن تبارک وتعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء[2]

یہ حدیث مسلسل بالاولیت ہے، آپ کا تسلسل باقی ہے۔

ایک چیز سند کی ہے، بغیر سند کے محدثین کے یہاں کوئی چیز قابل قبول نہیں، اور سند میں تو جو ہے کہ کوئی ضروری نہیں۔ سند کے تین ٹکڑے ہیں، ایک ٹکڑا یہاں سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تک دوسرا ٹکڑا شاہ ولی اللہ صاحب سے مصنف کتاب تک، تیسرا ٹکڑا مصنف کتاب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ جو یہاں سے شاہ ولی اللہ صاحب تک کا ٹکڑا سند کا ہے، وہ میں عرض کیے دیتا ہوں۔

میں نے بخاری و ترمذی پڑھی حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ سے، انھوں نے دینی تمام مرویات کی اجازت مرحمت فرمائی۔ پڑھی تو ہیں ان سے دو کتابیں بخاری و ترمذی اجازت انھوں نے سب کی دی ہے۔ یہ بھی الحمدللہ اس طرح پڑھی کہ کوئی سبق ناغہ نہ ہوا، ہم سبق میں

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۵ کتاب اللباس۔ [2] مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۳، ابوداؤد شریف ص ۳۳۴ ج ۲ باب فی الرحمۃ کتاب الادب

شروع سے اخیر تک حاضر رہا۔ ان کو اجازت حاصل ہے حضرت مولانا محمود صاحب شیخ الہندؒ
ان کو اجازت حاصل ہے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے ان کو اجازت حاصل ہے حضرت
شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلویؒ سے ان کو اجازت حاصل ہے حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ سے
اور ان کو اجازت حاصل ہے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے ان کو اجازت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ
سے۔ یہ سند ہے یہاں سے وہاں تک۔

ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ان ہذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم[1] یہ علم ایک دین ہے
دیکھو تو کس شخص سے تم دین حاصل کر رہے ہو۔ اس واسطے سند کا بہت لحاظ رکھتے تھے محدثین۔
نیز محدثین کہتے ہیں کہ اگر سند نہ ہوتی تو جو شخص جو چاہتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چاہتا منسوب کر دیتا
لیکن سند نے بات کو نکھر کے صاف کر کے رکھ دیا۔ کوئی شخص اگر کہتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں شخص
سے بیان کیا فلاں شخص نے فلاں شخص سے بیان کیا تو جو محدث ہے وہ بتلا دیگا کہ جو استاذ ہے
جو شاگرد ہے آیا استاذ و شاگرد کا زمانہ ایک ہے یا نہیں؟ تو نہیں درمیان میں دو صدی کا فاصلہ
ہو پھر یہ ان کا شاگرد کیسے ہو سکتا ہے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ ہر چیز کو صاف کر کے رکھ دیا۔
ایک شخص نے کہا میں نے اتنی سو حدیثیں گھڑ گھڑ کے لوگوں میں پھیلا دیں تم کیا کر سکتے ہو تو وہ محدث
محدث نے جواب دیا۔ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل کو نہیں دیکھا تمہارے جھوٹ کے تار پود
بکھیر کے پھینک دیں گے ایک ایک جھوٹ کو واضح کر دیں گے کہ یہ جھوٹ ہے یہ کذب ہے
یہ غلط ہے یہ غلط ہے، تو یہ ان حضرات نے کیا ہے۔ اس واسطے ضرورت پیش آتی ہے سند کی
تو سند کو یہاں کھینچا وہ یہاں سے شاہ ولی اللہ صاحبؒ تک ہو گیا دوسرا ٹکڑا شاہ ولی اللہ صاحب سے
مصنف کتاب تک وہ مؤطا امام مالک کے شروع میں، ترمذی کے شروع میں، نسائی کے شروع میں چھپا ہوا
موجود ہے تیسرا ٹکڑا مصنف کتاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک وہ جن کتابوں میں سند بیان کی گئی
ہے ان تمام کتابوں میں موجود ہے۔ بخاری میں جو حدیث بخاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
لی جس سند سے ہر حدیث کے ساتھ وہ سند مذکور ہے ایسے ہی ترمذی میں، مسلم میں، نسائی میں،

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص۳۷ کتاب العلم۔

ابن ماجہ میں، موطا میں سب میں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر و باطن کی تعمیر کے لئے تشریف لائے، احکام ظاہرہ بھی بیان فرمائے، باطنہ بھی بیان فرمائے یعنی ایک انسان کا ظاہر ہے جس کو خلق کہتے ہیں، ایک انسان کا باطن ہے جس کو خلق کہتے ہیں۔ تو خلق و خلق دونوں کی تکمیل کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کچھ احکام ایسے ہیں کہ جو انسان کے اعضاء و جوارح ظاہرہ سے تعلق ہیں کچھ ایسے ہیں جو قلب سے متعلق ہیں قلب سے متعلق جو ہیں ان کو اخلاق کہتے ہیں جیسے کبر ہے، حسد ہے، ریا ہے، حرص ہے، طمع ہے ان سے تحفظ۔ تواضع ہے، انکسار ہے، ایثار ہے، سخاوت ہے، سماحت ہے ان چیزوں کا اختیار کرنا وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ظاہری گناہ کو بھی چھوڑنے کا حکم ہے، باطنی گناہ کو بھی چھوڑنے کا حکم ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس لباس کو اختیار فرمایا اس کی بھی تشریح محدثین نے کر دی، کیسا لباس کس طرح سے اختیار فرمایا۔ عام طور پر لباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدھا سادہ ہوتا تھا، تکلفات نہیں تھے، کثرت سے ہوتا کہ ایک لنگی یا تہبند ایک چادر اور عمل کثرت سے تو یہ ہوتا تھا اس وجہ سے آپ نے متعدد احادیث میں پڑھا ہوگا۔ "رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُرَى بَيَاضُ إِبْطَيْهِ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے دعا کے لئے اور آپ کی بغل کی سفیدی بھی نظر آنے لگی، کرتہ میں نظر نہیں آتی وہ۔ وہ چادر میں نظر آتی ہے۔ باقی کرتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا، پاجامہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اس کو پسند فرمایا، خریدا بھی کہ بال اس میں پردہ پوشی زیادہ ہے عمامہ بھی آپ کو پسند تھا زیادہ تر عمامہ استعمال فرماتے، ٹوپی بھی پسند تھی۔ ٹوپی پر عمامہ ہوتا۔ کچھ تھوڑا سا حصہ کتاب اللباس کا یہاں بیان کریں گے۔

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے حضرت انس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا تھا کہ حضور یہ آپ کے خادم ہیں خدمت کیا کریں گے آپ کے پاس رہا کریں گے تو دس سال کی ان کی عمر تھی تو انھوں نے خدمت کی، تقریباً دس برس

خدمت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ ان کی والدہ نے درخواست کی تھی کہ انس کے لئے دعا کیجئے ماں کو محبت ہوتی ہے اپنے بیٹے سے اس کے لئے دعا کرایا کرتی ہے دعا کیجئے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال میں برکت اور اولاد میں برکت کی دعا فرمائی تھی تو اللہ نے ان کو اولاد بھی بہت دی مال بھی بہت دیا مال کا ان کے یہ حال تھا کہ ہر ایک کے باغ میں سال بھر میں ایک مرتبہ پھل آتا تھا ان کا باغ تھا اس میں دو مرتبہ پھل آتا تھا ایک درخت اس میں ایسا تھا جس میں ایک دفعہ پھل آتا تھا معلوم ہوا کہ کسی اور کے باغ کا بویا ہوا ہے انھوں اس کو اکھاڑ کر اپنے ہاتھ سے بو دیا تو اس پہ بھی دو مرتبہ پھل آنے لگا اولاد کا یہ حال ہے کہ جب حجاج بن یوسف کا تسلط ہوا ہے اقتدار ہوا ہے کہتے ہیں اس وقت تک ایک سو بیس بچے اپنے براہ راست میں نے اپنے ہاتھ سے دفن کئے اتنی اولاد ہوئی زندہ کتنے باقی بچے اور ان میں سے کتنوں کی ہوئی کہاں تک چلی اس کی کچھ تفصیل نہیں معلوم اور جس وقت انھوں نے کہا اس کے بعد کتنے ہوئے اس کا بھی حال معلوم نہیں۔ بعض سیرت کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ طواف کرتے تھے بیت اللہ کا تو ان کے بیٹے پوتے، نواسے ایک مجمع بھر کر سارا مطاف بھر جاتا تھا بیت اللہ کے گرد اگرد اس طرح سے وہ طواف کرتے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَلْبَسَهَا الْحِبَرَةُ چادر آپ کو پسند تھی۔ یعنی چادر حبرہ کہلاتی تھی اس میں ایک قسم کا رنگ ہوتا تھا۔ اس کی بناوٹ میں دوسری قسم اس کے ساتھ مخلوط ہوتی ہے سرخ رنگ ہے سیاہ اس میں دھاریاں ہیں یا اس کا عکس ہے وہ چادر یمنی حبرہ کہلاتی ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی سفید خالص چادر جو تو جلدی میلی ہو جاتی خاص کر گرم علاقہ میں جبکہ پسینہ زیادہ آتا ہے اور ایسے علاقہ میں جو ریگستان ہو گرد و غبار اڑتا رہتا ہے جلدی میلا ہو جائے تو جو رنگین ہو وہ میل کو کم قبول کرتا ہے۔

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ (متفق علیہ)

یہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ہیں وہ جن کی روایت سب سے پہلے آئی ہے قدوری میں اَلْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [illegible]

لہ ص ۳۷۵ کتاب اللباس مشکوٰۃ شریف ۱۲

یہ لوگ بڑے بہادر اور بڑے مدبر اور بڑے حافظِ قرآن تھے بڑے نڈر تھے جو صدمے سے بات کرنے والے تھے دشمنوں کے یہاں گئے ہیں ایران کے یہاں کسی سے مرعوب نہیں ہوئے تنہا گئے ہیں انکے یہاں تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنا ہے جبہ رومیہ۔

یہ ضروری نہیں کہ اپنے دیش کے بنے ہوئے بنے ہوئے کپڑے استعمال کرے آدمی جو غیر دیش کے بنے ہوئے ان کا بھی استعمال کرنا ثابت ہے۔ مدینہ طیبہ میں مکہ مکرمہ میں تو یہ کارخانے تھے نہیں۔ رومیہ تھا روم سے وہ آتے تھے جبّے بنے بنائے سلے سلائے وہاں سے آتے تھے بکتے تھے۔ یہ حضرات خریدتے تھے استعمال فرماتے تھے ــــ ضیقۃ الکمین جیسے کہ جبہ بڑا سا ہوتا ہے کھلا ہوا ضروری نہیں کہ اس کی آستینیں بھی اتنی چوڑی چوڑی ہوں، آستینیں معمول جیسے کرتے کی جو ضیق الکمین ہے یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنا ہے تو وہ جو عامۃً لباس تھا وہ تو تھا ہی اس کے بعد پھر یہ تھا کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت عطا فرما دیا اور جو میسر آگیا حق تعالیٰ کی نعمت سمجھکر اس کو اختیار فرمالیا۔ متفق علیہ۔ دونوں حدیثیں متفق علیہ ہیں۔

متفق علیہ وہ حدیثیں کہلاتی ہیں جن پر بخاری ومسلم کا اتفاق ہو صحیحین کا اتفاق ہو کر انھوں نے بھی اس کو بیان کیا، انھوں نے بھی اس کو بیان کیا اول تو چھ کتابیں ہیں۔
صحاح ستہ کہلاتی ہیں ان صحاح میں سے بھی مطلقاً صحیح بخاری کو کہتے ہیں۔ صحیحین بخاری ومسلم کو کہتے ہیں جس حدیث کی تخریج پر دونوں کا اتفاق ہو جائے وہ اپنی سند کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی شمار کیجاتی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ قَالَ اَخْرَجَتْ اِلَیْنَا عَائِشَۃُ کِسَاءً مُلَبَّدًا وَّاِزَارًا غَلِیْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ھٰذَیْنِ۔ متفق علیہ

ابو بردہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے دکھلایا نکالا کساء ملبّد کو اور ازار غلیظ کو کساء کملیہ چادر یہ، ملبد پیوند لگی ہوئی اور ازار یعنی غلیظ موٹی کھدر کی وہ نرم نرم نازک نازک لباس پہننے کے عادی نہیں تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم موٹا کپڑا پہنتے تھے تو دکھلایا اور

عہ مشکوٰۃ شریف

فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو قبض کیا گیا ہے ان دونوں میں یعنی جس وقت آپ کا آخری وقت تھا اس وقت میں یہ ازار تھی آپ کے بدن مبارک پر اور یہ کساء تھی یہ بھی متفق علیہ ہے۔

وعن عائشة قالت كان فراش رسول الله صلى الله عليه وسلم الذي ينام عليه أدما حشوه ليف. متفق عليه[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فراش فراش کا ترجمہ کرو بستر جس پر آرام فرماتے تھے بستر کیا تھا۔ الذی ینام علیہ جس پر سویا کرتے تھے یہ چمڑے کا تھا اس کا بھراؤ لیف تھا کھجور کی چھال ان کے اندر بھری گئی تھی جس کی وجہ سے وہ نرم ہو گیا لیٹنے میں سہولت رہتی تھی وہ بستر تھا۔

وعنها قالت كان وسادة رسول الله صلى الله عليه وسلم التي يتكئ عليها من أدم حشوها ليف. رواه مسلم[2]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ جس پر ٹیک لگاتے تھے وہ بھی چمڑے کا تھا بھراؤ جس کا کھجور کی چھال تھی۔ وعنها قالت بينا نحن يوما جلوس في بيت أبي بكر في نحر الظهيرة قال قائل لأبي بكر هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم متقنعا. رواه البخاری[3]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں ہم اپنے گھر میں بیٹھے تھے ٹھیک دوپہر میں دوپہر کی گرمی میں عرب کے لوگ دوپہر کی گرمی سے بہت بچا کرتے تھے پہلے زمانہ میں سخت ترین گرمی ہی ہوتی تھی جیسے تھے حضرت یا ہمارے آپ کے یہاں کے اعتبار سے جب دس بجے یہاں تک کہ چلت پھرت ساری بند ہو جاتی ہے سڑکیں ساری خالی نظر آنے لگیں باہر وہاں کوئی نکلنے والا نہیں گرمی اتنی شدید ہوتی تھی کہ کوئی کبھی باہر نکلے تو گردن کے پیچھے اکڑ جاتے تھے گرمی سے اور بخار ہوتا تھا اسی وجہ سے وہ لوگ رومال سر پر ڈالتے ہیں تاکہ گردن کے پٹھوں کی دھوپ سے حفاظت ہو جائے اور اب تو دن و رات کا ان کے یہاں کوئی فرق رہا نہیں رات میں بھی اسی طرح چلت پھرت ہوتی ہے دن میں بھی دوپہر میں بھی بے تکا سلسلہ چل رہا ہے تو کہتے ہیں کہ گرمی سے بچنے کے لئے لو اور تپش سے حفاظت کے لئے ہم لوگ اپنے گھر میں تھے کہنے والے نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا ہذا رسول اللہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں

[1] مشکوٰۃ شریف [2] ایضاً [3] ایضاً۔

شخص سامنے کو تشریف لا رہے ہیں۔ سخت گرمی تھا سا ڈالے ہوئے کپڑا چہرے پر ڈالے ہوئے اور چہرے کو کپڑے سے ڈھانکے ہوئے گرمی کی شدت سے۔ تشریف لا رہے ہیں یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ صبح شام دو مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر آیا کرتے تھے۔ اس وقت دوپہر کے وقت سخت ترین گرمی میں اور چہرے پر تنا سا ڈالے ہوئے تشریف لائے۔ کہنے والے نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اس مشورہ کے لئے آ رہے تھے کہ مجھے اجازت ہوگئی ہے ہجرت کی میں جا رہا ہوں۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ وَفِرَاشٌ لِامْرَأَتِهٖ وَالثَّالِثُ لِلضَّيْفِ وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ۔ رواہ مسلم[1]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں سے حضرت جابر سے ایک بستر تو خود آدمی کے لئے اور ایک بستر اس کی بیوی کے لئے دو ہوئے اور تیسرا بستر مہمان کے لئے اور اگر اس سے زیادہ کوئی اپنے گھر بستر رکھنا چاہے محض زیب وزینت کے واسطے، یعنی شو کے واسطے کہ اتنے بستر میرے یہاں ہیں وہ شیطان کے لئے ہے یعنی ضرورت کے لئے رکھا جائے آدمی کو اپنے لئے ضرورت ہوتی ہے بیوی کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔

.... کیوں صاحب: ان دونوں کیلئے الگ الگ بستر کی کیا ضرورت ہے؟ الگ الگ بھی ضرورت پیش آتی ہے بچہ پیدا ہوگیا ہے۔ ایک جگہ پر سب کا لیٹنا مشکل ہے۔ جیسے اب بیوی اپنے بچے کو لے کر الگ لیٹ گئی شوہر اپنے بستر پر لیٹ گیا مہمان آیا ایک بستر مہمان کے لئے رکھ دیا، اور چوتھا کا ہے کے واسطے، وہ شیطان کے واسطے، شیطان لیٹے گا آ کے یعنی بلاضرورت زیادہ بستروں کی تلاش کیوں ہے۔ زیب وزینت کے لئے اپنی شان شوکت کے لئے، اس کی ممانعت آتی ہے اور اگر کسی کے یہاں مہمان زیادہ ہوں تو یہ ضروری نہیں کہ

---
[1] مسلم، [illegible]

ایک ہی بستر ہو جیسے مہمان آئیں گے تو ان کے لئے انہی کے بستر رکھے ہیں کچھ مضائقہ نہیں

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی من جر ازارہ بطرا۔ متفق علیہ[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نظر نہیں فرمائیں گے یعنی نظر شفقت نہیں فرمائیں گے
قیامت کے دن اس شخص کی طرف جو اپنی ازار کو کھینچتا ہے اکثر کیونکہ جب سے پہلے یہ تھا کہ جو لوگ
ذرا زیادہ رئیس کہلاتے تھے وہ اپنی ازار اتنی نیچی رکھتے تھے کہ گھسٹتی چلی تھی۔ آج کل
بھی جیسے کہ پائنچہ اتنا کرتے لوگوں نے کہ گھسٹتا چلتا ہے زمین پر گھسٹتا جاتا ہے اسی طریقہ
سے۔ پاجامہ اور ازار دونوں ایک ہی حکم میں ہے تو اس کو منع فرمایا کہ جو شخص اکڑ اور اپنی
بڑائی کی خاطر ایسا کرتا ہے یہ زبان سے نہیں کہتا لیکن اپنے لباس سے ظاہر کرتا ہے کہ میں بڑا
آدمی ہوں تو اللہ تعالیٰ اس پر نظر شفقت نہیں فرمائیں گے، نظر رحمت نہیں فرمائیں گے
قیامت میں۔ تو جو شخص تکبر کی خاطر ایسا کرتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ ما اسفل من الکعبین
فی النار[2]۔ ٹخنوں سے نیچے جتنا حصہ ہوگا ڈھانکا جائے گا پاجامے سے تنگی سے دوزخ
میں جلے گا۔ ٹخنوں سے اوپر اوپر رہنا چاہیے اصل تو سنا یہ تکبر ہے اور جو شخص تکبر نہیں کرتا
ہے تکبر کے نیچے کرنے وہ تشبہ بالمتکبرین ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اس سے مستثنیٰ ہیں حضرت ابوبکرؓ نے عرض
کیا کہ حضور میں تو اپنی ازار کو جتنے سے اونچا کرتا ہوں باقی یہ پیٹ ایسا ہے کہ پس اندر کو
اترا ہوا ہے پیٹ ٹھہرتا ہی نہیں پھر نیچے کو کھسک جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم
ان میں سے نہیں ہو اپنی طرف سے کوشش کرتے ہیں بچاؤ کی اور پھر کھسک کھسک گیا تو اور
چیز ہے لیکن جو اب بچاؤ کی کوشش نہیں کرتے بلکہ قصداً نیچے رکھتے ہیں وہ اس میں داخل
ہیں جو تکبر کرتا ہے وہ تکبر کی وجہ سے اور جو تکبر نہیں کرتا وہ تشبہ بالمتکبرین کی وجہ سے۔
مگر افسوس کہ اب تو یہ وبا عام ہو گئی ہے اور اہل علم بھی کثرت سے اس میں اور دیگر[3]
میں مبتلا ہیں اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

حاشیہ: مشکوٰۃ۔

[1] ایضاً [2] ایضاً۔

علم کا مقام

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ؕ (ترجمہ) آپ کہیے کہ کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں (از بیان القرآن) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجیے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور بے علم۔ جن کو اللہ نے علم عطا فرمایا ہے اور جو بے علم ہیں وہ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ایسا نہیں ہے جیسا کہ دنیوی حالات کے اعتبار سے ایک شخص بہت بڑا مالدار ہے اور دوسرا بہت غریب ہے، کیا وہ دونوں برابر ہیں۔ مالدار کے ذریعے سے کتنے غرباء کی امداد ہوتی ہے، کتنے یتیموں کی امداد ہوتی ہے، کتنے مدارس اور مساجد کی امداد ہوتی ہے، غریب بے چارہ کیا امداد کر سکتا ہے، اس کے پاس تو خود کچھ ہے نہیں۔ ایک صاحب حیثیت عہدہ دار آدمی اور ایک معمولی آدمی کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک بادشاہ وقت اور ایک رعیت کا ہلکا آدمی کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں۔ اسی طرح ایک علم والا اور بے علم برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک شخص علم والا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بڑی دولت والا ہے بڑی دولت ہے اس کے پاس، جس کے ذریعہ سے وہ دوسروں پر خیرات کرتا ہے، امداد کرتا ہے، کسی کو کپڑے بنا کر دیئے، کسی کو کھانے کے لیے غلہ دے دیا، کسی کو مکان بنا دیا۔ اسی طرح سے ایک شخص

سیکھے۔ یہ جانے کہ نماز میں کیا کیا چیز فرض ہے، واجب ہے، کیا سنت ہے، کیا
مستحب ہے، کس چیز سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، کس چیز سے مکروہ ہو جاتی ہے،
کس چیز سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟ یہ ساری چیزیں مدرسے میں سکھائی جاتی ہیں
قرآن پاک اللہ تعالیٰ نے تیئیس سال میں نازل فرمایا وہ قرآن پڑھایا جاتا ہے،
ایک ایک حرف بتایا جاتا ہے، اس کا مخرج کیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
کس طرح سے قرآن پڑھا ہے اور لوگوں کو پڑھایا ہے، بتلایا ہے، سکھایا ہے
یہ چیزیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی کس طرح سے گذاری ہے
دن میں کیا کرتے تھے، رات کو کیا کرتے تھے، اپنوں سے کیا معاملہ تھا، غیروں سے
کس طرح کا معاملہ تھا، نماز کس طرح پڑھتے، روزہ کس طرح سے رکھتے، حج
کس طرح سے کرتے، جہاد کس طرح سے کرتے؟ یہ ساری چیزیں یہاں اس مدرسے
معلوم ہوتی ہیں۔ اگر یہ روشنی نہ ہو تو کوئی چیز بھی سامنے نہیں۔ دنیا کا رہنے والا
انسان اور جنگل کا رہنے والا جانور بے علم ہونے کی حیثیت سے دونوں برابر ہیں
حلال و حرام کی تمیز نہ جانور کو ہے نہ اس انسان کو جس نے نہ قرآن پڑھا نہ علم
حاصل کیا ہو، نہ علماء کی صحبت اختیار کی۔ اس کی اور جانور کی زندگی میں کیا فرق ہے
جانور کے سامنے کھانا اور سونا ہے، اولاد پیدا کرنا ہے۔ اور اس آدمی کے سامنے
بھی بس یہ کھایا پیا، سو رہا اور اولاد پیدا کردی۔ اس کے سامنے وہ چیز نہیں جس سے وہ
اپنے خدا کو پہچان سکے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان سکے ان کے متعلق
کچھ بتا سکے۔ اگر اس سے کوئی پوچھے کہ بتاؤ تو سہی کہ رسول کیسے تھے، غزوۂ احد
میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا معاملہ ہوا، بدر میں کیا ہوا، کتنے ساتھی تھے۔ کتنے
شہید ہوئے تو وہ کچھ نہیں بتا سکتا۔ ہاں اگر علم کی روشنی ہوگی تو علم کی روشنی میں سب
کچھ بتا سکتا ہے، اگر علم کی روشنی نہ ہو تو نہیں بتا سکتا کہ کونسا جانور حلال ہے اور
کونسا جانور حرام ہے، نہیں جانتا ہے وہ کس طرح سے زندگی گذارنی چاہیئے، چھوٹوں
کا حق کیا ہے، بڑوں کا حق کیا ہے، باپ کا حق کتنا ہے، اولاد کا حق کتنا ہے، شوہر

اور بچوں کے حقوق کیا ہیں، کچھ نہیں جانتا۔ اگر علم کی روشنی سامنے نہ ہو۔ اس واسطے
اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور فضل و کرم ہے کہ اس بستی میں مدرسہ قائم ہوا، اللہ
نے اہلِ علم کو یہاں بھیجا۔ ان حضرات نے یہاں محنت کی اور محنت کر رہے ہیں۔ اللہ
تعالیٰ ان کے ارادوں اور حوصلوں کو بلند فرمائے اور ان کی کوششوں سے اخلاص
کے ساتھ زیادہ سے زیادہ روشنی دور تک پہنچائے، ان کو کامیاب فرمائے،
اپنی خوشی عطا فرمائے۔ جو لوگ یہاں کے اور یہاں کے آس پاس کے ہیں وہ آئیں
اور علم حاصل کریں، روشنی حاصل کریں تاکہ اللہ کی بارگاہ میں قرب حاصل ہو۔
تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے طریقے سامنے آئیں، تاکہ معلوم
ہو جائے کہ کونسی چیز سنت ہے اور کونسی چیز بدعت ہے، یہ سب برکات مدرسہ
کی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور جنت میں کوئی
چیز اس وقت تک فرض نہیں کی تھی، سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اللہ تبارک تعالیٰ
نے گویا کہ ایک مدرسہ قائم کیا کہ آدم علیہ السلام اس کے طالب علم تھے اور اللہ تبارک
و تعالیٰ اس کے استاد تھے وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا الآیات، اور علم دے دیا
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے اسماء کو (از بیان القرآن)
اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تعلیم دی اور ملائکہ کے ساتھ امتحان ہوا، مقابلہ کا امتحان
ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کامیاب فرمایا۔ لہٰذا یہ مدرسہ قائم کرنا ایسی چیز ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے وہاں حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے مسجد بنائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت تھی جو ہر وقت مسجد
میں قیام کرتی تھی۔ ان کے لئے ایک چبوترہ بنا دیا تھا وہ اس پر رہتے تھے، وہ یہاں
کا دار الاقامہ تھا، وہی دار التفسیر تھا، سب کچھ وہی تھا، وہیں آیا کرتے تھے،
اور ان کے کھانے کا انتظام کیا تھا کہ انصار کے یہاں باغ تھے تو باغ کے کھجوروں کے
گچھے توڑ کر لاتے اور مسجد میں لٹکا دیتے۔ کسی نے ایک کھجور کھالی، کسی نے دو کھالی، جیسی

جس کو رغبت ہوئی۔ بس یہی کھانے کا انتظام تھا۔ وہ حضرات ایسے تھے کہ اللہ تبارک
وتعالیٰ نے ان کو وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ بعد میں پیدا ہونے والے قیامت تک خواہ
اپنی جگہ کتنے ہی بلند رتبے کے ہوں، لیکن ان حضرات کے رتبے تک وہ نہیں پہنچ سکتے۔
ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لائے۔ ایک
طرف کو دیکھا کچھ لوگ نفلیں پڑھ رہے ہیں، تسبیح پڑھ رہے ہیں، دعا کر رہے
ہیں۔ دوسری طرف دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے مسئلہ مسائل کی بات کر رہے ہیں، کچھ
پوچھ رہے ہیں کچھ بتا رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں ہی جماعتیں
خیر پر ہیں، یہ بھی خیر پر ہیں وہ بھی خیر پر ہیں۔ یہ لوگ دعائیں مانگ رہے ہیں،
اللہ پاک کی تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ اللہ پاک جو کچھ ان کو عطا فرمائیں گے وہ
ان کا کرم ہے۔ اور یہ لوگ علم میں لگے ہوئے ہیں، پڑھ رہے ہیں، پڑھا رہے
ہیں، جہالت کو دور کر رہے ہیں اور فرمایا کہ إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا میں تو معلم
بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت میں بیٹھ گئے، جو مسئلہ مسائل
کی باتیں کر رہے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے
بعد بازار میں جا کر پکارنے لگے آواز دی، اے لوگو! تم لوگ یہاں خرید و فروخت
میں لگے ہوئے ہو، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث
تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ دوڑے ہوئے آئے دیکھا وہاں تو کہیں بھی میراث تقسیم نہیں
ہو رہی ہے بلکہ کچھ لوگ بیٹھے مسئلہ مسائل دین کی باتیں کر رہے ہیں۔ پوچھا حضرت
ابو ہریرہ رضی سے کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے فرمایا:
یہی تو ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روپیہ پیسہ تھوڑا ہی چھوڑا، انھوں نے علم چھوڑا
اس علم کو جتنے لوگ حاصل کریں گے یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔ یہ علم میراث
انبیاء علیہم السلام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔ اس کو حاصل کرنے والے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں۔ گویا کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں

کے واسطے انتظام فرمایا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی میراث یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علوم ان کو عطا ہوں گے۔ مسلمان بہت شاندار حیثیت کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو خلوص دے۔ اگر وہ مسلمان ہوں وہی حیثیت ان کے اندر ہو جس کا آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن پاک میں ایک اعلان کیا گیا۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

اور اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر، تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو اور بلا لو اپنے حمایتوں کو جو خدا سے الگ ہیں اگر تم سچے ہو (ترجمان القرآن)

قرآن پاک بیان کرتا ہے کہ اگر تم کو اس میں کوئی شک ہو تو اس جیسی سورت کو بنا لاؤ۔ ساری دنیا مل کر ایک سورت نہیں بنا سکتی تو دیکھا کہ قرآن پاک کا یہ اعلان چودہ سو سال سے پہلے تھا، آج بھی یہ اعلان موجود ہے۔ ہمارا ایک حافظ کھڑا ہو کر کہہ سکتا ہے کہ اس جیسی قرآن پاک کی سورت کوئی نہیں لا سکتا۔ یہ فخر مسلمان کو حاصل ہے کہ اللہ نے یہ کتاب آپ کے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ اس کتاب کو وہ پڑھتا ہے، حفظ کرتا ہے، نماز میں پڑھتا ہے، خارج میں پڑھتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے جہاں کوئی شخص قرآن شریف کو پڑھتا ہے ملائکہ گھومتے رہتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جس جگہ قرآن کو پڑھا جاتا ہے دوسرے ملائکہ کو اشارے سے آواز دیتے ہیں، بلاتے ہیں یہاں آجاؤ۔ ہماری جگہ یہاں ہے۔ یہ قرآن ایسی دولت ہے کہ ملائکہ کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ جب دل چاہے پڑھ لیں۔ جن ملائکہ کو وحی لانے پر مقرر کیا گیا تھا ان کے لیے وہ بات تھی کہ وحی لا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا کر چلے گئے۔ لیکن جب ان کا دل چاہے تبھی قرآن شریف پڑھ لے یہ بات ان کو حاصل نہیں۔ یہ بات صرف مسلمان کو حاصل ہے کہ جب اس کا جی چاہے قرآن شریف کی تلاوت کرلے یہ قرآن پاک کی تلاوت ایسی دولت ہے کہ ملائکہ اس سے محروم ہیں۔ یہ شرف مسلمان

کو حاصل ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو حاصل ہے۔ قرآن پاک ایسی دولت ایسی برکت کی چیز۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص ایک حرف قرآن شریف کا پڑھتا ہے اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں۔ ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھتا ہے تو اس کو ایک تہائی قرآن کا ثواب ملتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ الحمد للہ پڑھتا ہے اس کو دو تہائی قرآن پاک کا ثواب ملتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ سورہ یٰسین کو پڑھتا ہے اس کو دس قرآن کا ثواب ملتا ہے۔ اتنی بڑی نعمت، اتنی بڑی دولت مسلمانوں کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلی اُمتوں کے لئے جو کتابیں آتی تھیں وہ کتابیں ختم ہو گئیں۔ نہ آج توراۃ اپنی اصلی حالت پر موجود ہے، نہ انجیل موجود، نہ زبور موجود، کوئی کتاب اپنی اصلی حالت پر نہیں، اس میں گڑبڑ ہو گئی۔ نہ ان میں کہیں کوئی حافظ موجود، نہ ان کی کوئی تفسیر و تشریح۔ موجود۔ البتہ قرآن پاک آج موجود ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اسی طرح آج بھی موجود ہے ایک ایک حرف محفوظ ہے، ایک ایک لفظ محفوظ ہے، ایک ایک سورت محفوظ ہے، پڑھتے ہیں یاد رکھتے ہیں، پڑھاتے ہیں ایک دوسرے کو اور اپنی زندگیوں کو منور کرتے ہیں، اس واسطے قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ جنہوں نے قرآن پاک حفظ کیا۔ معلوم ہوا کہ یہاں بھی چند بچوں نے حفظ کیا اور چند بچیوں نے حفظ کیا۔ بچیاں بھی حفظ کر لیں تو ماشاء اللہ کیا کہنے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے سینے کو قرآن کے نور سے منور فرمائے ان کی زبان کو بھی منور فرمائے، ان کو بھی توفیق دے پڑھنے کی، پڑھانے کی، سننے کی سنانے کی، مردوں کو بھی توفیق عطا فرمائے۔ اس لئے حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ اور شکر ادا کرنے کی صورت یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس مدرسے کی خدمت کی جائے، بچے زیادہ سے زیادہ داخل کئے جائیں پڑھنے کے لئے اور ان کو تنبیہ کی جائے کہ جب وہ یہاں سے پڑھ کر اپنے گھر، مکان پر جاویں تو ماں باپ ان سے سنا کریں، پوچھ لیں کہ کیا پڑھ کر آئے، کتنا سبق لیا، کل کتنا پڑھا تھا

تاکہ بچے پڑا نہ ہو۔ اور ماں باپ بھی اس سے متأثر ہوں۔ اور جن کے اولاد موجود نہیں وہ دوسرے اپنے عزیزوں کی اولاد کو داخل کرانے کی کوشش کریں۔ اگر ایسی بھی صورت نہ ہو تو جہاں تک ہو سکے ثواب کے خیر کر لیا کریں۔ دوسروں کو نصیحت کریں، دوسرے کو ترغیب دیں۔ اور دیکھو بڑی عمر کے ہو جانے کی وجہ سے یوں نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اب ہماری عمر پڑھنے کی نہیں رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس برس کی تھی جب ان پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا۔ اور اکثر صحابہ کرام کی عمر بڑی ہو چکی تھی۔ تو اکثر صحابہ کرام نے بڑی عمر میں یاد کیا قرآن پاک۔ بڑی عمر میں پڑھا۔ حضرت عمرؓ نے جب سورۃ بقرہ حفظ کی۔ سورہ بقرہ حفظ ہوئی ایک صورت، تو خوشی میں انہوں نے ایک اونٹ ذبح کیا۔ اور اس کا گوشت اپنے عزیزوں، عزیزوں اور مسکینوں میں تقسیم کیا۔ اس خوشی میں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سورت مجھے عطا فرمادی۔ آج آپ کے یہاں پورا قرآن موجود ہے۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ اس کی قدردانی کی ضرورت ہے۔ یاد رکھو مسلمان کے لئے بہت بڑی سعادت کی چیز ہے مختصر یہی ہے کہ اس کے پاس علم نبوت موجود ہے۔ اگر اس کے پاس مال و دولت ہے سارا مال موجود نہ ہو تو کوئی حیثیت اس کی نہیں۔ اگر باغ ہو کھیت ہو مکان ہو کوئی حیثیت اس کی نہیں۔ مسلمان کے لئے تو جو حیثیت ہے وہ تو اللہ کے دین کی حیثیت ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کی حیثیت ہے۔ اور اللہ نے خود قرآن پاک نازل فرمایا۔ اس کی حیثیت ہے۔ جس قدر یہ چیز بھی مسلمان کے پاس زیادہ ہوگی اس قدر وہ سعادت مند اور اونچے درجے کا مقبول ہوگا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دعوت و تبلیغ کی اہمیت

بتاریخ ۲ ذوالقعدہ سنہ ۱۳۲۸ھ بروز یکشنبہ

بمقام خانقاہ محمودیہ

زیر سرپرستی جناب مرزا غلام حسین

ساکن تونسہ

باسمہ سبحانہٗ وتعالیٰ

الحمد للہ۔ الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ
ونتوکل علیہ۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات
اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہٗ فلا ہادی لہٗ۔
ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ونشہد ان
سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ۔ صلی اللہ تبارک
وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا
کثیرًا۔ اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ کنتم خیر امۃ اخرجت
للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔

اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ایک بہترین امت
ہو۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خطاب ہے۔ تم بہترین امت
ہو۔ سب سے اعلیٰ درجہ کی امت ہو۔ اخرجت للناس۔ جو لوگوں کے لئے نکالی گئی۔
یہ امت تمام مخلوق کی ہدایت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنائی گئی۔
عادۃ اللہ اس طرح جاری رہی ہے کہ جب کسی قوم پر حق تعالیٰ نے مہربانی
فرمائی تو اس قوم کی ہدایت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی بھیجا۔ یہ حق تعالیٰ کی
بہت بڑی مہربانی اور رحمت کی نشانی ہے کہ وہ اس قوم میں ہدایت کے لئے اپنے

کسی پیغمبر یا کسی نبی کو بھیجتے ہیں۔ مہربانی کی خاص نشانی یہی ہے کہ سب سے زیادہ مہربانی اس امت پر ہوئی ہے۔ لہٰذا اس امت کے لیے ایسے نبیؐ کو بھیجا جو آخیر تک کے لئے کافی ہے۔ ساری نسلوں کے لیے اس کی ہدایت کافی ہے۔ اس کی نبوت کبھی پرانی نہیں ہوگی۔ اس کا لایا ہوا دین کبھی بوسیدہ نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی ہدایت کافی ہوگی۔ اس کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ یہاں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جب یہ امت سب سے بہتر امت ہے، سب سے اعلیٰ درجہ کی امت ہے، اللہ کی مہربانیوں کی سب سے زیادہ مستحق ہے یہ امت۔ تو اس امت پر بہت بھاری ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا نبیوں کی کثرت ہوتی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ مہربانی فرمائی اس امت پر۔ اور مہربانی کی نشانی دی یعنی نبیؐ کو بھیجا اور اس کا دروازہ کر دیا بند۔ کیا بات ہے۔ بات یہی ہے کہ جو کام انبیاء کرتے تھے وہ کام اب اس امت سے لینا ہے۔ نبیؐ ہونے بند ہو گئے۔ نبیؐ نے اپنا کام امت کے سپرد کر دیا۔ امت کو تاکید کر دی کہ تم اس کام کو انجام دیتے رہو قیامت تک۔ یہی مہربانی کی نشانی ہے۔ جس قدر نبی اکرمؐ کا کام زیادہ سے زیادہ دنیا میں پھیلے گا زیادہ سے زیادہ لوگ اپنے آپ کو وقف کر دیں گے۔ اسی قدر اللہ کی رحمتیں زیادہ ہوں گی۔ اور جس قدر اس کام میں کمی ہوگی اسی قدر حق تعالیٰ کی رحمت میں کمی ہوگی۔ اگر کام کی مخالفت ہوگی تو حق تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا۔ یہ طریقہ اس امت کے لئے بہت صاف صاف اور سیدھا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دین عطا فرمایا۔ قلوب کے اندر بٹھایا۔ جمایا۔ اعمال کرائے۔ تمام زندگی میں دین کو جاری کیا اور پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خوب سیکھتے رہے، عقائد پختہ ہو گئے، اعمال

درست ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اعتماد کیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ
کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بہت بڑی تعداد اللہ کے دین کے پھیلانے کی خاطر
چلی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شاید آج کے بعد میں تمہارے ساتھ جمع نہ
ہو سکوں۔ یعنی اتنا بڑا اجتماع پھر نہ ہو سکے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انتظار میں
تھے کہ اللہ کے پاس جانے کا وقت کب آتا ہے۔ آپ کے اس دنیا سے رخصت ہونے
کا وقت کب آتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ آج کے بعد میں شاید تمہارے ساتھ جمع نہ ہو سکوں یا
ایسا اتفاق نہ ہو سکے۔ جب اللہ تعالیٰ تم سے پوچھیں گے کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے دین کے احکام کی تبلیغ کی؟ تو کیا جواب دو گے۔ تم کیا جواب دو گے؟ کیا تبلیغ کی
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ سب نے کہا جی ہاں! ہم سب کہیں گے ہمارے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی۔ پچھلی امتوں کا حال قرآن پاک میں مذکور ہے۔ ان کے سامنے
پوچھا گیا تو سب نے کہا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ ہمارے پاس نہ تو کوئی
خوشخبری سنانے والا آیا اور نہ کوئی ڈرانے والا آیا۔ اس امت کے متعلق یہ ہے
اس امت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ لیا کہ ہم نے تبلیغ کی؟ تو سب نے
کہا ہاں کی۔ آپ نے فرمایا! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ اے اللہ تو گواہ رہ۔
اے اللہ تو گواہ رہ میں نے تبلیغ کر دی ہے۔ کوئی چیز دین کی چھپائی نہیں۔ جو بھی
چیز مجھ پر نازل ہوئی وہ میں نے بتلا دی۔ کوئی چیز اپنی جانب سے بڑھائی نہیں کہ
جو نازل نہ ہوئی وہ گھڑ دی بلکہ پورا پورا ٹھیک ٹھیک نکھرا ہوا خالص دین جو اللہ
سے نازل ہوا وہ میں نے پہونچا دیا۔ احادیث میں اس کی تشریحات بڑی تفصیل سے
کر دی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ
خبردار رہو جو حاضرین ہیں اب وہ غائبین کو پہونچاتے رہیں۔ جن لوگوں نے براہ
راست دین کو مجھ سے سیکھ لیا ہے ان لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اس دین کو لیکر

جائیں جہاں تک پہونچ سکیں پہونچائیں۔ اخیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذمہ داری اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر ڈالی۔ جب اس امت کو خیر امت کہا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے کام خیر ہی کے ہوں گے، اس کا مقصد خیر ہی ہوگا۔ اس سے خیر ہی کی صورتیں حاصل ہوں گی تبھی تو اس کو خیر کہا گیا ہے۔ وہ خیر کیا ہے؟ وہ خیر یہی ہے جس کو آگے فرمایا گیا أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اللہ کی معروف چیزوں کا یہ امت حکم دے اور اللہ کی نافرمانی سے روکے۔ یہ خیر کا کام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کام ہے؟ کس چیز کا حکم کرتے ہیں؟ جو چیزیں اللہ کی مرضی کے مطابق ہیں ان کو پھیلائیں۔ جو چیزیں اللہ کی مرضی کے خلاف ہیں ان سے روکیں۔ یہی ہے دین کا کام۔ یہی بات اس امت کے لئے تجویز کی گئی۔ اور اس امت کے پاس وحی نہیں آتی نہ یہ رسول ہے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذمہ داری اس امت کے سپرد کی ہے کہ یہ کام تمہارے ذمہ ہے۔ تیئیس سال کی مبارک زندگی میں اللہ کے احکام جس طرح سے نازل ہوئے لوگوں کو بتایا، سکھایا، عمل کرایا اور ان کے دلوں کے اندر راسخ کر دیا۔ یہ امانت ہے۔ اس امانت کو جہاں تک ہو سکے پھیلاتے جاؤ۔ یہ کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سپرد فرمایا۔

پچھلی امت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک سے عرض کیا کہ اے اللہ تیری کتاب میں ایک امت کا ذکر ہے کہ اس پر جب مصیبت آئے گی تو وہ اس پر صبر کرے گی إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھے گی۔ جب اس کو کوئی راحت پہونچے گی تو وہ شکر کرے گی، اللہ تعالیٰ کے انعامات کا احسان مانے گی۔ میری درخواست یہ ہے کہ وہ امت مجھے دیدی جائے۔ وہاں سے حکم ہوا کہ نہیں وہ امت نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا آپ کی کتاب میں ایک امت کا تذکرہ ہے، مال غنیمت اس کے لئے حلال ہوگا۔ ایک ایک نیکی کرنے پر

دس نیکیوں کا اس کو اجر ملے گا۔ اور بہت ساری صفات گنوائیں، ایسی ہوگی، ایسی ہوگی، ویسی ہوگی. میری درخواست ہے کہ وہ امت مجھے دیدی جائے۔ ہر بات کے جواب میں یہی ارشاد ہوا کہ یہ امت نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے. حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ اے پاک پروردگار! اگر وہ امت مجھے نہیں دینی ہے تو مجھے ہی اس امت میں داخل کر دے۔ یہ امت ایسی امت ہے کہ پچھلے پیغمبروں نے یہ درخواست کی اللہ تعالیٰ سے کہ ہم کو اس امت میں داخل کر دیجئے۔ اسی بنا پر سمجھئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس واسطے اس امت کو قدر کرنے کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کا مقام کتنا بلند فرمایا! قدر کے معنی جھگڑنے کے نہیں ہیں، تکبر کرنے اور غرور کرنے کے نہیں ہیں بلکہ حق تعالیٰ کے احسانات کو پہچاننے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے نعمت عطا فرمائے ہیں۔ ان انعامات کے بدلے میں کیا کچھ کرنا چاہیے۔ روایات میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں اتنی لمبی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ کھڑے کھڑے پیروں پر ورم آ جاتا۔ عرض کیا گیا کہ آپ اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں، آپ تو بخشے بخشائے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں آپ کی کسی قسم کی بھی پکڑ نہیں ہے، آپ کیوں اتنی مشقت برداشت کرتے ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنے انعامات فرمائے کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ جتنا اس کا انعام زیادہ ہوتا ہے اسی قدر شکر لازم ہوتا چلا جاتا ہے۔ جتنی قدر پہچانے گا آدمی اتنی ہی زیادہ محنت برداشت کرتا ہے۔ اس کے احسانات کے سامنے پس جاتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ میری جان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اعضاء کی کوئی حیثیت نہیں، میرے مال کی کوئی حیثیت نہیں، میری عزت کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے احسانات کے سامنے وہ سب چیزیں اس پر قربان ہیں۔

اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے
اَلَا فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ جو لوگ حاضر ہیں جنھوں نے مجھ سے براہ راست
دین سیکھا ہے اب وہ اس کو غائبین تک پہونچائیں، تو روایات سے معلوم ہوتا ہے
کہ بہت بڑی جماعت اسی وقت وہاں سے نکل گئی اور وہاں سے نکل کر عالم میں گئی،
اور جو صحابی جتنی دور تک پہونچ سکے پہونچے۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں سفر کی وہ
سہولتیں نہیں تھیں جو آج کل ہیں۔ موٹر کار وغیرہ۔ وہ حضرات پیدل چلتے تھے گھوڑے
پر چلتے تھے اونٹ پر چلتے تھے۔ یہ عام طور سے ان کے اسباب سفر تھے، ذرائع تھے
مسافت طے کرنے کے۔ اسی حالت میں وہ گئے اور ایسے ایسے مقامات طے کئے
جن میں مہینوں لگ جاتے تھے پانی پر۔ جگہ جگہ ہوٹل کھلے ہوئے نہیں تھے، جگہ کی
فراغت نہیں تھی بلکہ بڑی پریشانیاں ہوتی تھیں۔ بہت سی پریشانیوں کو برداشت
کیا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک لشکر میں جا رہے تھے۔
راستے میں ان کی طبیعت خراب ہوئی، آثار موت ظاہر ہوئے، انھوں نے وصیت
کی کہ میرے جنازہ کو لئے رہو جہاں تک جاؤ۔ جب ان کی وفات ہوئی اور ان
کے ساتھی لشکر والے اور سامان ساتھ لئے جا رہے تھے ساتھ جنازہ بھی لئے جا رہے
تھے۔ حتیٰ کہ ترکستان میں پہونچ کر قسطنطنیہ کے قلعہ کے نیچے ان کو جا کے دفن کیا۔
اپنے وطن اور ملک سے جس قدر دور چلے دین حق کی خاطر اسی قدر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی
کا ذریعہ ہے۔ ابھی موجود ہے اُن کی قبر۔ جس وقت جنگ ہوئی ہے غازی صلاح الدین
ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی دمشق میں عیسائیوں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ
کی قبر پر غلاظت ڈالی، اس کی اطلاع دی گئی سلطان صلاح الدین ایوبی کو، انھوں
نے کہلا بھیجا، یاد رکھو جتنے گرجا گھر موجود ہیں سب کو غلاظت سے بھر دوں گا۔ کیا حال تھا
وہاں۔ دین کی خاطر مرنے کے بعد بھی یہ پسند نہیں کیا کہ وہیں دفن ہو جائیں بلکہ آخر تک

لے جایا جائے۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے جنازہ کی برکت سے مسافت کو بہت جلد طے کرادی۔ لڑائی میں فتح ہوئی۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس جنازہ کی برکت سے فتح کرایا قسطنطنیہ ... اور معلوم ہوتا ہے ماضی کی کتابوں میں دیکھنے سے جو حضرات وہاں سے نکلے پھر نہیں لوٹے۔ ایک چلہ تین چلے کے لئے نہیں نکلے زندگی بھر کے لئے نکلے لوٹنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ اپنے مکان نہیں لوٹ کر آئے۔ چلے گئے خدا کے راستے میں۔ کیونکہ ان کا مقصود یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین سکھلایا اس کو جہاں تک ہو سکے پہنچائیں۔ اپنی استطاعت کے مطابق پہنچائیں۔

حدیث میں ایک شخص کا واقعہ آتا ہے۔ پچھلی امتوں کا واقعہ ہے۔ بہت گنہگار تھا۔ اپنے ایک مقتدیٰ کے پاس گیا۔ پوچھا کہ مجھ سے اتنے گناہ ہوگئے ہیں کوئی شکل ہے کہ ان کی تلافی ہو سکے۔ اس نے کہا تو تو جہنمی ہے تیرے لئے توبہ کی کیا صورت۔ اس کو تاؤ آگیا کہنے لگا جب بگڑ کر جہاں بہت سارے لوگوں کو قتل کیا اس کو بھی قتل کردیا۔ دوسرے کے پاس گیا ایسی ہی صورت پیش آئی۔ اس کو بھی قتل کردیا۔ تیسرے کے پاس گیا۔ انھوں نے کہا فلاں بستی ایسی ہے کہ جہاں ایک بزرگ رہتے ہیں وہاں چلا جا۔ وہاں جانے سے تیری توبہ قبول ہوجائے گی۔ یہ چلا۔ کچھ دور چلا تھا۔ راستے میں چلتے ہوئے موت آگئی۔ گرا، گر کر انتقال ہوگیا۔ لیکن مرنے کے بعد تھوڑا سا اور کھسک گیا اس لئے کہ جس طرف کو جاتا ہے۔ کہ یہ خیر کے لئے جارہا ہے۔ توبہ کرنے کے لئے جارہا ہے، گناہوں کو بخشوانے کے لئے جارہا ہے۔ جتنا ایک قدم دو قدم ایک بالشت دو بالشت جتنا بھی ہو سکے آگے بڑھ جائے۔ اس کا تو انتقال ہوگیا۔ ملائکہ رحمت بھی آئے، ملائکہ عذاب بھی آئے۔ ملائکہ عذاب کہتے تھے کہ یہ گنہگار رہا ہے اتنے آدمیوں کا قاتل ہے۔ توبہ اس نے کی نہیں، لہٰذا یہ جہنمی ہے۔ ملائکہ رحمت کہتے تھے کہ ہاں گنہگار ہے اتنے آدمیوں کا قاتل ہے لیکن توبہ کرنے گیا تھا، گناہ بخشوانے کی نیت سے جارہا تھا نیت اس کی صحیح تھی۔ معاملہ پیش ہوا۔ دونوں گروہ کا خدا کے دربار میں۔ وہاں سے حکم ہوا کہ بھئی بات

پیمائش کرو۔ جس بستی سے چلا ہے وہ بستی اس کی موت کے وقت نزدیک ہے یا وہ جس بستی کی طرف جا رہا ہے اس سے قریب پہونچ چکا ہے۔ ابھی تو آدھی مسافت بھی طے نہیں کی تھی، تو کیسے پتا لگے گا۔ زمین تو صرف اللہ کے قبضہ میں ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے حکم کیا ایک طرف کی زمین سکڑ گئی ایک طرف کی پھیل گئی۔ چنانچہ وہ آدھے سے زیادہ پہونچ چکا تھا یعنی وہ بستی قریب ہو گئی جہاں جا رہا تھا توبہ کے لیے۔ ملائکہ رحمت لے گئے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کے یہاں بندہ کے اندر دل اس کی نیت کی بڑی قدر ہے۔ کارِ خیر کے واسطے نیت کر کے آدمی چلتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے۔ تو جس کام کے واسطے اس امت کو پیدا کیا گیا ہے، اور جس کی وجہ سے اس امت کو بہتر کہا گیا ہے وہ کام یقیناً تمام کاموں سے زیادہ بہتر ہے اور وہ یہی ہے تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ۔ معروف وہ چیز ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں عام طور پر دین کی بات سمجھی جاتی تھی۔ اچھی بات سمجھی جاتی۔ وہ معروف ہے۔

منکر وہ چیز ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں عام طور پر اچھی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ یا ایسی چیز سے جس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ بعد کے لوگ اس کو اچھا سمجھنے لگے اس کو منکر کہیں گے۔

معروف وہ چیز ہے جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور تابعین رحمہم اللہ نے اچھا سمجھا ہو، دین کی بات سمجھا ہو، ثواب کی چیز سمجھا ہو اس کو معروف کہیں گے۔

اور منکر وہ چیز ہے جس کو ان حضرات نے ثواب کا کام نہیں سمجھا، دین کا کام نہیں سمجھا۔

تامرون بالمعروف۔ تم لوگ نکالے گئے ہو سب کے واسطے تمام امت کے لیے۔
اس واسطے کہ معروف کا امر کرو اور منکر سے نہی کرو۔ اللہ کی پسندیدہ چیز اور اللہ کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چیزوں کو پھیلاؤ۔ دنیا میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس
پر آمادہ کرو، ابھارو، اس واسطے کہ جس شخص کو بھی حق تعالیٰ نے ایمان دیا اس ایمان کا
تقاضا یہ ہے کہ اس کے اندر خیر کا داعیہ ہے مگر ماحول اور ناواقفیت کی وجہ سے اس
خیر کی طرف متوجہ نہیں ہوتا آدمی۔ اس ایمان کو پھیلانے کی ضرورت ہے، ابھارنے کی
ضرورت ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ آگ ہوتی ہے اس کے اوپر راکھ پڑی ہوتی ہے
لیکن راکھ کی وجہ سے آگ بھڑکتی نہیں اس سے کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ آہستہ آہستہ
اس راکھ کو ہٹایا جائے پھر آگ کی حرارت بھڑکے گی اور اس سے کام لیا جائے گا۔
اسی طریقے سے محبت کی آگ ہے ہر مومن کے دل میں۔ دین کی محبت ہر مومن کے دل
میں ہے لیکن ظاہر نہیں۔ ماحول نہیں۔ زندگی غلط طریقہ پر ہے۔ بس ماحول کی خرابی کی وجہ
سے زندگی نہیں بدلتی ہے۔ ایسے ہی ہے جیسے آگ کے اوپر راکھ پڑی ہوئی ہے۔ آہستہ
آہستہ اس راکھ کو ہٹایا جائے۔ دین کو بتا کر محبت کی روشنی سامنے لائی جائے۔
ماحول کی خرابی کو ہٹایا جائے تب وہ چنگاری بھڑکے گی۔ ایک شخص جنگل میں رہتا
ہے۔ بھیڑ بکری پالتا ہے۔ کہیں اس کو شیر کا بچہ مل گیا وہ شیر کے بچہ کو لے آیا۔ بکری کا
دودھ پلاتا رہا۔ بچہ پلتا رہا حتیٰ کہ خوب بڑا ہو گیا۔ وہ اس کی حالت ایسی ہو گئی
جیسی بھیڑ بکری کی۔ ایک مرتبہ بھیڑ بکریاں کسی جگہ پر پانی پینے گئے۔ اس پانی میں
سب کو اپنی اپنی صورتیں نظر آ رہی تھیں۔ یہ شیر کا بچہ بھی تھا اسے تعجب ہوا
کہ پانی میں سب کی صورتیں تو دوسری طرح کی ہیں میری صورت دوسری طرح کی ہے یہ کیا
بات ہے۔ حالانکہ میں انہیں میں رہتا ہوں معلوم ہوتا ہے تب کہ اندر بیدار ہونے کی طاقت ہے
اس کو اپنی طاقت کا احساس ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ میں تو دوسری قسم کا ہوں۔ شیر نے

بکری کو مار ڈالا۔ سمجھ گیا یکدم۔ اس کو ماحول کی وجہ سے اپنی طاقت کا احساس نہیں تھا۔
جو شیر بھیڑ اور بکری بیچ گھل نہیں پاتا ہے اس کو اپنی طاقت کا کیا احساس! سمجھتا
ہے کہ بھیڑ بکری ہے۔ لیکن اگر اس کی صورت اس کے سامنے کر دی جائے آئینہ کے ذریعہ
تو معلوم ہوگا کہ بھیڑ بکری کے علاوہ اس کی صورت ہے۔ اس آئینہ کے ذریعہ اس کو موقعہ
مل گیا اپنی حالت پر غور کرنے کا۔ غور کرنے کا موقعہ ملے گا تو اس کی صفات اس پر
ظاہر ہوں گی۔ زور سمجھے گا وہ الگ ہے بھیڑ بکری سے۔ یہی حال ہے اس مسلمان کا کہ
الحمدللہ جس کو ایمان کی دولت سے نوازا ہے وہ شیر کے بچے کے مانند ہے۔ لیکن ماحول
ایسا ہے جیسا کہ بھیڑ بکری کا ماحول ہے۔ یہ شیر کا بچہ ہے جو بھیڑ بکری میں پل رہا
ہے۔ جس طرح سے بھیڑ بکری کے ساتھ چلتا پھرتا ہے، کھانا کھاتا ہے۔ اسی طریقے
یہ مسلمان بھی ہے۔ اس واسطے ضرورت ہے کہ اس کے سامنے اس کی تصویر پیش
کی جائے، اسے بتلایا جائے کہ تم اس قسم کے نہیں۔ تمہاری صورت دوسری ہے تو پھر
اس کے جوہر دیکھئے۔ یہ مسلمان رہتا ہے ایسے لوگوں میں جن کے سامنے زندگی کا مقصد
پیٹ کے سوا کچھ نہیں۔ یہی پیٹ ہے، اسی مادی جسم کی خاطر کھانا، پینا، پہننا،
اوڑھنا یہی سب کچھ ہے۔ غور کیا جائے تو سب اسی مادی دنیا کے واسطے، اسی
گلنے سڑنے والے جسم کے واسطے۔ اسی کے لئے اچھے سے اچھا کپڑا بنتا ہے، اسی جسم
کے واسطے اچھے سے اچھا کھانا (وغیرہ) تیار کرتا ہے، اچھے سے اچھا مکان بناتا
ہے، اچھے سے اچھا عہدہ اختیار کرتا ہے۔ مگر ان سب چیزوں کا مقصد یہی جسم اور
مادی دنیا ہے۔ حالانکہ یہ جسم کچھ دنوں میں ختم ہو جائے گا۔ کچھ دنوں میں مر جائے گا
اس کو لے کر قبر میں ڈال دیا جائے گا۔ پھولے گا، پھٹے گا، وہاں کے جانور اس کو
کھائیں گے، کوئی حیثیت اس کی باقی نہیں رہ جائے گی۔ لیکن ساری زندگی کا داؤ پیچ
اس کے پیچھے اسی جسم کی خاطر ہے، اسی مادہ کی خاطر ہے۔ تو ضرورت ہے کہ یہ ماحول

درست کیا جائے۔ اس کو بتلایا جائے کہ تو اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خالص جسم نہیں پیدا فرمایا بلکہ جسم کے ساتھ ایک اور دوسری چیز بھی اس جسم کے اندر رکھی ہے۔ یہ جسم یہ لباس ہے۔ کرتا ہے۔ کرتا آدمی اتار کر پھینک دیتا ہے۔ اصل چیز تو اندر کی چیز ہے۔ اسی طریقہ پر روح کے واسطے یہ جسم تو کرتا ہے۔ روح اس کرتے کو اتار کر یہیں پھینک دیتی ہے اور خود کہیں اور چلی جاتی ہے۔ اصل راحت آخرت میں ہے۔ راحت حاصل کرنے والی، تکلیف کو برداشت کرنے والی چیز تو آخرت میں روح ہے۔ اس روح کی تیاری کے لئے، اس روح کی درستگی کے لئے، اس روح کی راحت کے لئے کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے کرتے کی تو فکر کرتا ہے۔ رات دن اس کو دھوتا ہے۔ پھٹتا ہے تو سیتا ہے۔ لیکن جسم کے اندر بہت سی بیماریاں بھری ہوئی ہیں ان بیماریوں کی فکر نہیں کرتا۔ کس قدر وہ شخص بیوقوف کہلائے گا۔ کرتے کی تو فکر کرتا ہے لیکن جو جسم کے لئے بنا ہے اس میں پھوڑے پھنسی بھرے ہوئے ہیں، اس کے اندر کینسر ہو گیا ہے، اس کے اندر پیپ بھری ہوئی ہے، خون اس میں ہے، بدبو اس میں سے آ رہی ہے۔ اس جسم کی فکر نہیں کرتا۔ بس کرتے کی فکر کرتا ہے۔ وہ صرف کرتے کی فکر کرتا چلا جاتا ہے مگر جسم کی صحت کی فکر نہیں کرتا۔ یہی حال ہے بس ہمارا بھی کہ ہمارے واسطے یہ جسم مثل کرتے کے بنے ہوئے ہیں۔ اور اصل روح ہے۔ وہ روح گل رہی ہے، سڑ رہی ہے، وہ رذائل میں گرفتار ہے۔ اس روح کے درست کرنے کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے، اس کی فکر نہیں ہے۔ آج اس جسم کی فکر نہیں۔ ذرا سا بخار آ جائے گا فکر ہو جائے گی۔ ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ انجکشن لگاؤ، خون ٹیسٹ کراؤ۔ بہت فکر ہوتی ہے۔ سو فیصد فکر۔ ذرا سی کوئی تکلیف ہو جائے، آنکھ میں تکلیف ہو جائے۔ ناک میں تکلیف ہو جائے

دانت میں تکلیف ہو جائے۔ تو جس طرح علاج کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن ضرورت ہے روح کے علاج کی۔ مگر اس کی کوئی فکر نہیں۔ روح کے اندر مثلاً حسد بھرا ہوا ہے۔ حسد کیا ہے؟ دوسرے شخص کے پاس اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر جلنا اور یہ کوشش کرنا، تمنا کرنا کہ اس کے پاس یہ نعمت نہ رہے۔ کسی کے پاس عمدہ کوٹھی دیکھی اپنے پاس اتنی طاقت نہیں کہ عمدہ کوٹھی بنالے۔ اندر اندر جلتا ہے کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح گر جائے، اس کے پاس یہ نہ رہے۔ کسی کے پاس دکان دیکھی اپنے پاس اتنی طاقت نہیں کہ ویسی دکان بنا سکے۔ اس لئے جلتا ہے کہ اس کے پاس یہ دکان ختم ہو جائے۔ اسی طرح سے کسی کے پاس کوئی عہدہ دیکھا کوئی ثروت دیکھی۔ دنیا کی ثروت دیکھی یا آخرت کی ثروت دیکھی۔ غیر کی نعمت کو دیکھ کر کسی کے پاس یہ تمنا کرنا یہ کوشش کرنا کہ اس کے پاس یہ نعمت باقی نہ رہے۔ یہ حسد ہے۔ روح کے اندر یہ بیماری ہے۔ قرآن کریم میں سورہ فلق میں ہے۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ۔ حسد سخت ترین مہلک مرض ہے۔ بہت سی لڑائیاں اسی حسد کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کی ترقی کو برداشت نہیں کر پاتا یہ حسد ہے۔

اسی طرح سے روح کے اندر ایک مرض ہے تکبر کا۔ تکبر کے معنی اپنے کو بڑا سمجھنا، دوسرے کو ذلیل سمجھنا، دوسرے کو حقیر سمجھنا۔ یہ مرض ہے، نہایت خطرناک مرض ہے، تباہ کن مرض ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے جس کے اندر ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا جب تک اس کو اس سے صاف نہیں کر لیا جائے گا اس وقت تک جنت میں نہیں جائے گا۔ تو عرض کرنا یہ ہے کہ جسم کی ذرا سی تکلیف کو برداشت نہیں کر پاتے، اس کے علاج اور تصحیح کی فکر میں رہتے ہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے کسی کرتے کے اندر ذرا سا سوراخ پیدا ہو جائے، ذرا سا نقصان ہو جائے اس کی

فکر سوار ہے اور روح کی فکر نہیں کرتے اگرچہ وہ مہلک امراض میں مبتلا ہے. اس کی فکر نہیں کرتے. یہ ایسا ہے جیسے جسم کی فکر نہیں کرتے جو مہلک امراض میں مبتلا ہے. کپڑے کی فکر کرتے ہیں جسم کی فکر نہیں کرتے جو اصل مقصود تھا اس کو چھوڑ دیا. جو غیر مقصود تھا اس کو اختیار کر لیا. بڑی غلطی کی بات ہے. راستے سے بھٹک گئے ہیں

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم راستہ بتلانے کے لئے تشریف لائے. ایک ایک چیز کو کھول کر بیان فرما دیا. صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سمجھا دیا، دلوں کے اندر سمو دیا، جما دیا. تمام زندگی کو ان کی سنت کے مطابق بنا دیا. اور اس اعمال کے ڈھیر کو ان کے سپرد کر دیا! انھیں بتائیں دنیا کے پاس پہونچ کر.

میرے محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تبارک تعالیٰ نے بڑی مہربانی فرمائی کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا. اور نبوت کے دروازے کو ہمیشہ کے لئے بند فرما دیا کہ آئندہ کوئی نبی نہیں آئے گا. آئندہ اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے کہ میں نبی ہوں. وہ نبی تو کیا بنتا وہ تو امتی بھی نہیں رہے گا. امتی ہونے سے بھی خارج ہو جائے گا. امت اجابت میں نہیں رہے گا وہ تو جہنم میں جانے کے قابل ہے. اس واسطے اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کی قدر کرنی چاہیے. رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین نے ہمارے لئے نبی بنا کر بھیجا. اپنا دین ان پر نازل فرمایا: انھوں نے تمام لوگوں کو بتا دیا، سکھلا دیئے. جتنے لوگ وہاں پر موجود تھے انھوں نے دین کو سیکھ لیا.

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دین کے معاملات ان کے سپرد فرمائے اور حکم فرمایا کہ اس کو لیکر جاؤ دنیا میں اور گھر گھر پہونچاؤ. سکھلاؤ. چنانچہ اللہ کے نیک بندے دین کے پھیلانے کی خاطر گئے ہیں، پوری کوشش کی. بہت دور تک پھیلایا.

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ چشت سے چل کر آئے تھے ہندوستان. اجمیر میں تشریف لائے. اور اجمیر سے پھر دلی

تشریف لے گئے۔ یہ سفر کرتے تھے یہ حضرات، فقیرانہ زندگی تھی۔ ان کے ساتھ ساز و سامان
نہیں تھا۔ جس وقت یہ اجمیر میں تشریف لائے تھے کملیہ بچھا کر بیٹھ گئے۔ راجہ کا سنتری
جو آیا ہے۔ اجمیر اس زمانے میں بہت بڑا گڑھ تھا سادھوؤں اور جوگیوں کا۔
بڑی ریاضت کرنے والے وہاں موجود تھے۔ آ کر سنتری نے کہا کون بیٹھا ہے؟ ہٹ
جاؤ یہاں راجہ کے اونٹ بیٹھیں گے۔ انھوں نے کہا اچھا بھئی ہم ہٹ جائیں گے راجہ کے
اونٹ ہی بیٹھے رہیں گے۔ چنانچہ اٹھ گئے۔ اور راجہ کے اونٹ سارے بیٹھ گئے۔ اب
بیٹھنے کے بعد میں انھیں جب اٹھاتے ہیں تو اٹھا نہیں جاتا۔ اٹھنے کی طاقت ختم ہو گئی۔ انھوں
نے فرما دیا تھا کہ راجہ کے اونٹ ہی بیٹھے رہیں گے۔ چنانچہ بیٹھے رہے۔ نماز کا وقت
آتا ہے۔ وضو کرنے کے لئے کوئی پانی نہیں دیتا۔ بڑی پریشانی ہو رہی۔ راجہ کا جو مندر تھا
اس کے دروازے پر گئے۔ اندر کو مخاطب کر کے کہا بت کو خطاب کر کے کہ تو بھی اس کا نوکر ہے
میں بھی اسی کا نوکر ہوں۔ نماز کا وقت آگیا۔ میں ہاتھ منہ دھو کر سیراب ہوں گا۔ مجھے
یہ لوگ پانی نہیں دیتے۔ تو ہی پانی دے۔ وہ بت اپنی جگہ سے اٹھا اور پانی بھر کر لایا۔
اس کو دیکھ کر یہ حیرت میں رہ گئے، یہ کون ہے جس کے واسطے ہمارا بت پانی بھرتا ہے۔
نہیں جانتے کون ہے یہ اللہ کا پیغام دینے والا ہے۔ اللہ کا ایک نیک بندہ ہے۔ اللہ کے
دین کو پھیلانے کے لئے آیا ہے۔ جس وقت اجمیر سے دہلی جا رہے تھے۔ راستے میں راجپوتوں
کا ایک گاؤں تھا۔ گاؤں کے لوگ آئے کہ اجمیر کا ایک فقیر دلی جا رہا ہے۔ چلو چل کر درشن
کریں گے۔ آ کر بیٹھے ایک ہی مجلس میں ایک ہزار چھوٹے بڑے سب مسلمان ہو گئے۔ ان کے
سینے کے اندر ایک جوش تھا دین حق کی تبلیغ کا۔ دین کو پہنچانے کا۔ ان کو زیادہ زبان سے
کہنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ دل کے اندر سب کچھ موجود تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں
لکھا ہے کہ نوے ہزار ان کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ جہاں جہاں بھی گئے وہاں کے لوگ ایمان لے
آئے۔ بہرحال ان کا انتقال ہو گیا۔ جو لوگ ان کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ کتنے ان میں سے

ایسے ہوں گے جنھوں نے قرآن پاک پڑھا، حافظ ہوئے، عالم ہوئے، کتنے ایسے ہونگے جو بعد میں مشائخ ہوئے، اولیاء اللہ ہوئے، مبلغ ہوئے، مزکی ہوئے، صاحب حال ہوئے، نہیں بتا سکتے۔ اور ان کے ہاتھ پر ایمان لانے والوں کی اولاد کی اولاد کا سلسلہ چلا۔ کون بتا سکے گا، غور کرنے کا مقام ہے۔ جب اللہ کے دربار میں حاضری ہوگی، پیشی ہوگی، اور اتنی بڑی جماعت کو لیکر یہ جائیں گے جنت میں ان کے دربار میں کہا ہے اللہ اتنے لوگوں کو میں نے مسلمان بنایا، اتنے ایمان لائے، توحید کو قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا ان اعمال پر کیا حال ہوگا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کا کیا حال ہوگا کہ میری امت میں ایسے ایسے لوگ ہیں جو اتنی بڑی بڑی جماعتوں کو مومن بنا کر لے کر آئے۔ یہ ہے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ لوگوں کے واسطے نکالے گئے۔ لوگوں کے واسطے نکالے گئے کا مطلب یہی ہے کہ دین کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچاؤ۔ پہونچانے کے لئے صرف اتنا کافی نہیں کہ صرف ان کے سامنے بیان کردو بلکہ اپنی عملی زندگی میں وہ چیز ظاہر ہو۔ اپنے قلب کے اندر بھی اس کی پختگی ہو۔ تمام زندگی کا ہر گوشہ اس روشنی سے منور ہو۔ زیادہ تر تو اسلام پھیلا ہے عرب تاجروں کے ذریعہ۔ وہ لوگ عرب سے گئے، ایشیا دوسرے ممالک میں، جہاں پر گئے سچائی، دیانت کے ساتھ ہی رہے۔ جو معاملہ کیا راست بازی کے ساتھ کیا۔ دھوکہ سے بچے، جھوٹ سے بچے، سود سے بچے، رشوت سے بچے، جو حرام طریقے سے آمدنی ہو ان سب سے محفوظ رہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی برکت عطا فرمائی ہے ان کے ہر قول میں، ہر فعل میں۔ لوگ ان کے حالات دیکھ دیکھ کر مسلمان ہونے لگے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کا بہت بڑا احسان و فضل و کرم ہے کہ یہ جماعت کی صورت پیدا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جس زمانے میں وہاں کے حالات کے مطابق جو چیز زیادہ ضرورت کی ہو اسی کو عام فرمایا کرتے، اسی کا اہتمام فرمایا کرتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری

کا بڑا زور تھا اس لئے ان کے مقابلہ کے واسطے جادوگر منگوائے گئے۔ وہاں کیا گیا۔
آپ کو عصا عطا فرمایا تھا۔ عصا کو ڈالا بہت بڑا اژدہا بن گیا اور سانپ
رسیوں کو نگل گیا جو جادوگروں نے بنائے تھے۔ جس کو دیکھ کر وہ لوگ حیران رہ گئے
کہنے لگے یہ تو بڑا جادوگر ہے۔ ان کے زمانہ میں جادو کا بڑا زور تھا۔ ان کو معجزہ
بھی ایسا ہی عطا کیا جس کے ذریعہ سے جادوگروں کو شکست ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں زور تھا حکمت کا، بہترین ماہر
طبیب ہوتے تھے۔ صرف آواز سن کر مریض کو پہچان لیتے صورت دیکھنے کی بھی ضرورت
نہیں۔ نبض پر ہاتھ رکھنے کی بھی ضرورت نہیں آج تھرمامیٹر کے ذریعہ مرض کی تشخیص
کی جاتی ہے۔ دور سے آواز سن کر بتادیتے کہ مرض کیا ہے، اس کے لیے دوائیں تجویز
کردیتے تھے۔ اس زمانہ میں اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث
فرمایا اور ان کو معجزہ دیا علاج کرنے کا۔ یہ دو مرض ایسے تھے جن کا علاج
ان لوگوں کے پاس نہیں تھا۔ ایک تو وہ جو پیدائشی نابینا ہو۔ جس کی آنکھوں کا کوئی
علاج ان کے پاس نہیں تھا۔ جس کی آنکھوں میں پتلی ہی نہیں، آنکھ کا پردہ ہی نہیں اس
کا کیا علاج ہے۔ ایک برص۔ برص سفید نشانات پڑ جاتے ہیں اور بڑھتے بڑھتے
پورا جسم سفید ہو جاتا ہے۔ برص کی بیماری اسے کہتے ہیں۔ یہ دو مرض ایسے تھے جن
سے اس زمانہ کے طبیب عاجز تھے کہ اس کی دوا تجویز کریں، علاج کریں، تو حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کو معجزہ دیا کہ ایسے مریض کے جسم پر ہاتھ پھیرا، اللہ تعالیٰ نے شفا
عطا فرمادی اور ایسے جو مردہ جسم ہو اس کے اوپر ہاتھ پھیرا تو وہ جی اٹھا۔ ایسے
مردے بھی زندہ ہونے لگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے۔ آج مقابلہ پر کونسا
حکیم آتا ہے کونسا ماہر طبیب آتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بڑی شان و شوکت تھی

فصاحت و بلاغت کا بڑا زور و شور تھا۔ ایسے ایسے فصیح و بلیغ تھے کہ اپنے
مقابلہ میں ساری دنیا کو عجم کہتے تھے اور اپنے آپ کو عرب۔ عرب کہتے ہیں بولنے
والے کو، اور عجم کہتے ہیں گونگے کو۔ اپنے علاوہ سب کو عجم اور گونگا کہتے تھے۔ شہد کے
اسّی نام ہیں ان کے پاس۔ تیر کے پانچ سو نام ہیں ان کی لغت میں۔ گھوڑے کے
بہت سے نام ہیں عربی زبان میں۔ مصیبت کے چار ہزار نام ہیں عربی لغت میں۔
محشی کر لکھا ہے مصیبت کے ناموں کا یاد کرنا سب سے بڑی مصیبت ہے۔ اتنی قسمیں
تھیں۔ ایسے وقت میں حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے
آپ کو معجزہ عطا فرمایا فصاحت و بلاغت کا۔ اور بھی بہت سے معجزات دیئے
گئے۔ لیکن فصاحت و بلاغت کا معجزہ ایسا تھا کہ اس نے سب کو ساکت کر دیا۔
لوگ کہتے تھے ان کے پاس کوئی جن آتا ہے۔ کوئی پیغام آ کر ان کو سکھا جاتا ہے۔ یہ تو
شاعر ہے، یہ تو گھڑ لیا، یہ تو ساحر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کھلا اعلان کر دو۔
قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ
بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ تم تمام جنات اور انسان سب مل کر یکجا ہو کر
اس جیسا قرآن بنا لاؤ۔ ہرگز نہیں بنا سکتے۔ وہ لوگ عاجز ہو گئے۔ سب قرآن بنانے
سے۔ ایسا قرآن نہیں بنا سکے۔ ایک اور جگہ کہا گیا۔ دس آیتیں بنا لاؤ۔ اور کہا گیا۔
فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ ایک ہی سورۃ اس جیسی بنا لاؤ۔ نہیں لا سکے۔ کہاں سے
لاتے۔ اس واسطے قرآن کریم کا مقابلہ اپنی فصاحت سے نہیں کر سکے۔ اور کسی نے ارادہ
بھی کیا اس جیسا لانے کا۔ قرآن پاک میں ہے۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ۔ میں لکھتا
ہوں، کہتے ہوں۔ ذ ا لسما ء ذ ا ت البروج۔ ایسے لکھنے والے تھے۔ نہیں لکھ سکے
اس جیسا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا معجزہ عطا فرمایا۔
اس زمانے میں لوگ خوب سمجھتے تھے کہ یہ کلام، کلام الٰہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے سورہ کوثر انا اعطینٰک الکوثر ہ فصل لربک وانحر ہ ان شانئک
ھو الابتر ہ لکھی اور لکھ کر دروازہ پر لٹکا دیا کہ جتنے بڑے بڑے شاعر ہیں اس
کے مقابلہ میں لے آئیں۔ ایک شاعر تھا بڑا زبردست۔ اس نے آگے لکھ دیا۔
ما ھٰذا قول البشر۔ مقابلہ کی ضرورت تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے لشکر
زبردست پیدا فرمائے۔ اتنے زبردست کہ دوسرے مقابلہ نہ کر سکے۔ جس وقت
میں مسلمان گئے ہیں اور جا کر انہوں نے سمندر میں گھوڑے ڈالے۔ ادھر مشرکین
پہاڑوں پر بیٹھے ان کا یہ حال دیکھ رہے تھے۔ کہنے لگے کہ انہوں نے ہماری بات
مان لی۔ ابھی مسلمانوں نے گھوڑے ڈال دیئے تو کیا ہوا سب کے سب غرق
ہو جائیں گے۔ مگر سارے کے سارے سمندر سے پار نکل گئے۔ کوئی غرق نہیں ہوا۔
اب انہیں پریشانی ہوئی۔ کہنے لگے کہ یہ دیو ہیں دیو۔ دس دس مشرکین مل کر
ایک مسلمان کو گرانا چاہتے ہیں، نہیں گرا پاتے اور اگر کسی کو گرا بھی دیا تو یہ سمجھے
تھے یہ دوبارہ زندہ ہو گیا۔ اس زمانہ میں اس کی ضرورت تھی۔ غرض جس زمانے میں
جس چیز کی ضرورت ہوئی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے انتظامات فرمائے۔ جیسے
گرمی کے زمانے میں ٹھنڈی چیزیں پیدا فرماتے اور سردی کے زمانے میں گرم چیزیں
پیدا فرماتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انتظام ہے۔ بہرحال اب یہ ہمارا آخری دور چل
رہا ہے۔ ہمارے۔ تمہارے تو آخری ہے۔ آخری دور یہ آیا کہ اس زمانے میں
نہ گھوڑے ہاتھی کی ضرورت ہے، بلکہ اس زمانے میں ضرورت ہے تبلیغی جماعت
کی کہ جو پھیل رہا ہے سیلاب اس سیلاب کو روکنے کے لئے۔ اس طریقہ سے
جماعت کی جماعت نکلے اور تمام عالم میں پھیل جائے۔ اللہ کے دین کو لے کر جائیں
اور لوگوں کو روشناس کراتے چلے جائیں کہ لوگو! یہ ہے دین۔ جتنی چیزیں آج پیش
کی جا رہی ہیں، جتنی اسکیمیں آج بنائی جا رہی ہیں سب کی سب ناکام اور فیل

ہوچکی ہیں۔ بڑی بڑی حکومتوں والے بڑے بڑے سیاسی بڑے بڑے ایٹم بم تیار
کرنیوالے سب لوگ سمجھ گئے کہ یہ مادی دنیا بے کار ہے۔ دنیا ایسی بے راحت کی تلاش
کرتی پھرتی ہے کہ کہیں اسے راحت مل جائے۔

میرے محترم دوستو! اللہ تبارک تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ آپ حضرات کے
دل میں حق تعالیٰ نے بات ڈالی ہے اور اس چیز کو عام فرمایا ہے۔ اب دنیا ناآشنا نہیں ہے۔
کوئی نہیں کہتا کہ یہ تبلیغ کا کام بے کار ہے۔ اس کو بیکار کہتے؟ اور دنیا پیاسی ہے،
ان کے دل پیاسے ہیں۔ ان دلوں کے اندر جاکر اس آب حیات کو ڈالئے؟ اللہ تبارک و
تعالیٰ اس کے ذریعے ان کو سیرابی عطا فرمائیں گے۔ اُن کی دینی زندگی بنے گی۔ وہ
سمجھیں گے کہ ہم کہاں سے آئے اور کس لئے پیدا ہوئے تھے اور ہم کدھر جارہے ہیں۔ اس
واسطے یہ حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس تبلیغ میں ہر شخص حصہ لے سکتا ہے۔
جو شخص ساری زندگی وقف کردے، کیا کہنے، نورٌ علیٰ نور۔ اور جو شخص ساری زندگی
نہ دے سکے۔ تین چلے سات چلے دے سکے وہ بھی کامیاب۔ جو شخص تھوڑا وقت دے
سکے وہ بھی کامیاب۔ لیکن بھئی جیسی جیسی قربانی ہوگی ویسی ویسی کامیابی ہوگی۔ اور
تبلیغ میں جانے کے والے اپنے آپ کو فراموش نہ کریں۔ بلکہ یہ سمجھیں کہ فلاں جگہ جاکر
دیکھا کہ وہاں کلمہ نماز سے بھی واقف نہیں ہیں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔
یہ ایسا ہے جیسے کھانا خود کھا رہے دوسرا بھوکا رہے۔ کیا ہماری غیرت گوارا کریگی
کہ کھانا ہم خود کھا رہیں اور دوسرا آدمی بھوکا رہے۔ اللہ نے ہم کو وسعت دی ہے
غیرت گوارا نہیں کرے گی۔ ایمان کا تقاضہ بھی نہیں ہے۔

آدمی تو آدمی جانور کو بھی کھلانا چاہیئے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ ایک عورت
تھی فاحشہ۔ پچھلی امتوں کی بات ہے۔ اس کو پیاس لگی۔ اس نے کنوئیں میں سے
پانی نکالا۔ اس نے دیکھا کہ کتے کا ایک پلہ پڑا ہوا ہے۔ وہ پیاس کی وجہ سے زبان

نکال رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ اس کو بھی اسی طرح سے پیاس لگ رہی ہے جیسے مجھے
لگ رہی ہے۔ چنانچہ اس نے کنویں میں سے پانی نکال کر اس کو پلایا۔ اس زمانے کے
نبی کو بتلایا گیا کہ اس عورت کی مغفرت ہو گئی۔ فاحشہ تھی۔ بدکاری کرتی تھی، لیکن
کتے کے بچے کو پانی پلانے سے اس کی مغفرت ہو گئی۔ اس واسطے یوں سمجھتے ہوئے کہ
ہمارا ایک بھائی بھوکا پیاسا ہے، اس کو کھانا دینے کی ضرورت ہے۔ ہماری ذمہ داری
ہے۔ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے نکلنے کی ضرورت ہے۔ اور اگر کوئی شخص
خلافِ اخلاق کو ہی اختیار کرے، بے مروتی سے پیش آئے، بات نہ سنے تو اس پر
ناراض نہ ہونا چاہیے، بلکہ یوں سوچے۔ اے اللہ کلمہ تو تیرا برحق ہے، تبھی تو تو نے
یہ نبی کو عطا فرمایا۔ اور یہ شخص تیرا محبوب ہے تبھی تو تو نے اس کو ایمان کی دولت سے نوازا
پھر یہ میری زبان سے نکلا ہوا کلمہ کیوں قبول نہیں ہوتا۔ یہ میری زبان کا قصور ہے، میری
زبان گنہگار ہے، میرا دل گنہگار ہے۔ اس وجہ سے کلمۂ حق کی تاثیر نہیں ہو رہی ہے اس پر
اسلئے اپنے گناہوں پر رونے، توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جو شخص کلمۂ حق کو قبول
کر لیتا ہے۔ اس کی تعریف کرنے کی، قدر کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک میں ہوں کہ کتنی
مدت سے مجھ پر تبلیغ کی جا رہی ہے مگر میں آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ ایک یہ ہے کہ ایک
مرتبہ اس کے سامنے کلمہ کہلوایا۔ اس کے سامنے پیش کیا اس نے قبول کر لیا۔ کیسی کیسی
صلاحیتیں پیدا فرمائیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدمی کے اندر۔ محترم دوستو! بڑی
بڑی صلاحیتیں موجود ہیں۔ بے شمار موجود ہیں صلاحیتیں آدمی کے اندر۔ مگر وہی بات
ہے شیر کا بچہ ہے بھیڑوں میں پرورش پا رہا ہے۔ اس لئے اس عادت کو ختم کرنے
کی ضرورت ہے اور اس کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کا
سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جس دل میں دین کی طلب نہ ہو اس میں دین کی طلب

پیدا کرے۔ دین کی طلب پیدا کرنا مقصود ہے۔ اس واسطے اللہ کی راہ میں نکالے جاتے ہیں۔ کہ دین کی طلب پیدا ہو۔ دیکھو دین کی طلب پیدا ہو تو خود اہل دین کے پاس جائیں۔ اہل دین سے دین کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر دین کی طلب ہی نہیں تو اہل دین کی طرف جائے گا کون۔ دین کی طلب ہوگی تو مدارس میں آئیں گے۔ قرآن کریم بھی پڑھیں گے، حدیث بھی پڑھیں گے، تفسیر بھی پڑھیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو عالم بنائے گا۔ اور جب یہ دین کی طلب ہی نہیں تو مدارس میں پڑھنے کے لیے کون آئے گا۔ اسی طریقے سے دین کی طلب ہوگی تو بزرگوں کے پاس جائیں گے صحبت حاصل کرنے کے لیے، ان سے نصیحتیں لینے کے لیے۔ اور جب دین کی طلب ہی نہیں تو نصیحتیں حاصل کرنے کے لیے کون جائے گا ان کے پاس۔ اس واسطے یہ طریقہ بہت آسان ہے۔ ہر شخص کے لیے اس میں حصہ لینے کا موقع ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص بالکل لکھا ہو۔ کچھ نہیں جانتا وہ بھی اس میں حصہ لے سکتا ہے۔ ایک میواتی سے پوچھا بھئی تم لوگ عربی تو بالکل نہیں جانتے اردو بھی صحیح نہیں آتی۔ تم عرب کے علاقے میں جاتے ہو تم وہاں جا کر کیا کام کرتے رہو۔ کہنے لگے مولوی صاحب! آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے کو قتل کر دیا۔ اور یہ تو پہلی میت تھی۔ پتہ نہیں تھا کہ میت کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے۔ پریشان تھا وہ قاتل کہ کیا کروں۔ اللہ نے دو کوّے بھیجے۔ ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو مار دیا۔ اور پھر پنجوں سے زمین کھود کر اس میں دبا دیا۔ اس کی سمجھ میں آ گیا کہ مرے ہوئے کو یوں دبا دیا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سمجھانا چاہیں تو کوّے کے ذریعہ سمجھا دیں۔ ہمارے ذمہ تھوڑے ہی ہے سمجھانا۔ ہمارا کام تو یہ ہے کہ بات کہہ دیں اور اللہ سے دعا کریں کہ ہم نے تو ٹوٹی پھوٹی بات کہہ دی۔ باقی بات تو سمجھا دے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہت کام لیا ان لوگوں سے۔ ایسے ایسے موقعوں پر کام لیا جہاں ماحول بالکل الگ ہے، زبان الگ ہے۔ طرز طور طریقہ سب کا

بالکل اٹک ہے لیکن اس سے باوجود کام لیا! اللہ تبارک تعالیٰ نے ،اور سمجھا دیا۔ اور اگر کوئی شخص نہ بھی سمجھے تو کوئی حرج نہیں، ان کو تو صرف کوشش کرنا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔ وہ خود نہیں سمجھا پاتے تھے جلدی سے بات کو۔ اس لیے، حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی۔ تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دہن کا کام کریں۔ اُن کے لیے بات کو سمجھانا آسان ہوگا۔ وہ صاف صاف بات کہہ سکیں گے۔ اسی طریقہ پر یہاں بھی متکلم جس کو بنایا جاتا ہے وہ متکلم ایسا ہو جو صاف صاف بات کہے اور سمجھا دے اور اللہ تبارک تعالیٰ قدر والے ہیں، جو شخص کچھ بولتا ہے اللہ کی مدد سے اس نے بات کہہ دی۔ آواز اس کی زبان سے نکل گئی۔ لیکن اس آواز کو سامعین کے کانوں تک پہونچانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کام ہے اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ بغیر اللہ کے فضل کے سامعین تک آواز نہیں پہونچتی۔ ہم عطا فرمانے والے اللہ قلوب میں باتوں کا ڈالنا یہ بھی تو اللہ کا کام ہے۔ زبان سے صحیح طور پر بات نکالنا یہ بھی تو اللہ کا فضل، سننے والے کے کان میں ڈالنا یہ بھی اللہ کا فضل، اور پھر اس کا مطلب سننے والے کو سمجھا دینا یہ بھی اللہ کا فضل، اس کو سمجھنے کے بعد اس کے دل کے اندر عمل کرنے کا داعیہ پیدا ہونا یہ بھی اللہ کا فضل، ہر کام اللہ کے فضل سے ہوتا ہے۔ یہ اعضاء یہ ظاہری چیزیں بہت معمولی چیزیں ہیں۔ لیکن ناقدری ان کی بھی نہ کی جائے۔ یہ نہ سمجھے کہ یہ بیکار ہیں۔ اللہ نے کوئی چیز بیکار پیدا نہیں کی۔ ہر چیز کے اندر صلاحیت ہے، ہر چیز کے اندر تاثیر رکھی ہے۔ قوت دی ہے۔ وہ قوت اگر معلوم نہ بھی ہو سکیں تو یہی سمجھنا چاہیے کہ ہم اپنی طاقت سے کچھ نہیں کر سکتے۔ نکمے، بیکار ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو تو ان نکموں ہی سے کام لے لیں، جس شخص کو بولنا نہ آتا ہو اس سے بھی کام لے لے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند تشریف لائے۔ دیوبند گیا

دارالعلوم ایک مدرسہ تھا بہت بڑا مدرسہ تھا۔ علماء عظام کے فضل و کرم سے اُس زمانے میں بھی بہت اعلیٰ درجے کے تھے۔ ایک بوڑھے میاں جی سے فرمایا بھئی تم تقریر کرو۔ اس بوڑھے آدمی نے اپنی زبان میں کہا۔ حضرت جی میں تقریر کروں ان عالموں کے سامنے۔ کہا ہاں تم تقریر کرو۔ وہ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا دیکھو بھئی ہم لکھے پڑھے نہیں ہم کچھ نہیں جانتے۔ حضرت جی نے فرمایا تقریر کرنے کو۔ اس واسطے کھڑا ہو گیا تقریر کرنے کو۔ ایک زمیندار ہے جس کے یہاں گائے بھینس وغیرہ پلی ہوئی ہیں۔ دودھ بھی ہوتا ہے مکھن بھی ہوتا ہے۔ مکھن کی ایک بڑی مٹکی ہے اور زمیندار کے دو بیٹے ہیں۔ زمیندار نے بڑے بیٹے سے کہا اس مکھن کی مٹکی کو تو اُٹھا کے لا۔ اس نے جواب دیا فرصت نہیں اُٹھانے کی۔ زمیندار نے کہا فرصت نہیں اُٹھانے کی۔ ٹھیک ہے جھوٹ نہیں بولا اس نے۔ اس نے چھوٹے بیٹے سے کہا۔ چھوٹے بیٹے مکھن رکھنے والی مٹکی اٹھا کر لے آؤ۔ وہ مٹکی بھاری اس سے اٹھائی نہیں گئی ہاتھوں سے پھسل کر گر گئی۔ مکھن سارا خراب ہو گیا۔ اب بتاؤ زمیندار کس پر خفا ہو گا۔ چھوٹے بیٹے پر یا بڑے بیٹے پر؟ بڑے بیٹے پر ہو گا۔ کرنے کا کام تو اس کا تھا چھوٹا تو کر رہا تھا۔ بس اسی طریقے سے دیکھو ہم لوگ تو ہیں چھوٹے بچے ان پڑھ۔ آپ لوگ علماء ہیں بڑے۔ اور یہ دین کی مٹکی ہے۔ اس کو لے جا کر پھیلانا ہے ساری دنیا میں۔ آپ حضرات کام کر رہے ہیں، پڑھانے لگے ہیں آپ کو فرصت نہیں تو ٹھیک ہے۔ کام کر رہے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ غلط بات ہے۔ ٹھیک ہے کام کر بھی رہے ہیں۔ فرصت نہیں آپ کو۔ نتیجہ کیا۔ ہم لیکر چلے آئے اس دین کی مٹکی کو۔ ہم سے تو بس مکھن خراب ہی ہو گا یہ مٹکی ٹوٹے گی ہی۔ اور کیا ہو گا جو اب دو۔ یہ کہہ کر بیٹھ گئے۔ ان پڑھ آدمی علماء کی مجلس میں کس طرح سے بات کر کے بیٹھ گئے۔ ان کے مقام کو بھی برقرار رکھا۔ جو اعلیٰ درجے کے ہیں۔ جیسے ہیں دین کا کام کر بھی رہے ہیں۔ اور یہ بھی کہ ہم لوگ نا اہل ہیں۔ پر تمہاری ذمہ داری کیا

اس واسطے اس کام کو پہلے یوں سمجھنا کہ میرے اندر پہلے صلاحیت پیدا ہو جائے تب کروں گا. یہ غلط ہے. اہلیت تو اس طرح سے پیدا ہوگی کہ ان کے ساتھ میں رہے اور کام کرنے والے کو دیکھتا رہے سیکھتا رہے. اس سے نصیحت حاصل کرتا رہے. یہ جو مت چلتی ہے اس میں یہی ہوتا ہے. ہر بڑا چھوٹوں کو دیتا رہتا ہے. ہر چھوٹا بڑوں سے حاصل کرتا رہتا ہے. دس باتیں اس نے ان سے حاصل کیں. دس باتیں اس نے اس سے حاصل کیں. اس طریقہ پر چلتا رہتا ہے. کام آہستہ آہستہ ایک ایک چیز لوگوں کے جی کے اندر سے وہ اُسے سمجھاتے ہیں. اور دین کا کام درست ہوتا رہتا ہے. اس لئے اُخرجت للناس ہیں. یہ جماعت یہ امت لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے کہ دین کو جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ لوگوں میں عام کیا جائے. پھیلایا جائے. اس واسطے نکلنے کی ضرورت ہے. اس امت کو خیر امت کہا گیا ہے. اور اس کا کام بتایا گیا ہے. کام یہ ہے کہ امر بالمعروف کرتی ہے اور نہی عن المنکر کرتی ہے یعنی بھلائی اور خیر کو پھیلاتی ہے. برائی اور شر کو مٹاتی ہے. بھلائی کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا، برائی کو زیادہ سے زیادہ روکنا، منع کرنا یہ اس امت کا فریضہ ہے. اس وجہ سے یہ امت خیر امت ہے. جہاں جائے گی سچائی کو پھیلائے گی جھوٹ کو روکے گی. اخلاص کو پھیلائے گی. نفاق کو مٹائے گی. محبت کو پھیلائے گی آپس کے بغض کو مٹائے گی. غرض جتنی باتیں اللہ کو پیاری ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاری ہیں اُن چیزوں کو زیادہ سے زیادہ پھیلاتی ہے. آپ ہی غور کیجئے ایک شخص وہ ہے جو پھول پھیلاتا ہے خوشبو پھیلاتا ہے. جس مجلس میں جاتا ہے معطر کر دیتا ہے. اگر لوبان، خوشبو کے پھول جگہ جگہ پر چھینٹا کرتا ہے. اور ایک شخص وہ ہے جو بدبو پھیلاتا ہے دنیا میں. دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے. ایک کی وجہ سے دماغ معطر ہوتے چلے جاتے ہیں، فرحت پہنچتی جاتی ہے.

دوسرے کی وجہ سے طبیعت مکدر ہوتی جاتی ہے۔ قلوب پر میل آتا جاتا ہے پھر یہ چیز
بڑھتی چلی جاتی ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے خیر کو پھیلانے
کے لئے اور یہ ذمہ داری امت کے سپرد فرما گئے۔ امت نے اس کام کو کیا انجام دیا
سب دنیا پر چھا گئی امت۔ کوئی ملک ایسا نہیں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت
نہ پہنچی ہو۔ روئے زمین پر کوئی خطہ ایسا موجود نہیں جہاں اللہ کے پاک رسول صلی
اللہ علیہ وسلم کا نام جاننے والے موجود نہ ہوں۔ کچھ لوگ مانتے ہیں کچھ نہیں مانتے۔
باقی جانتے سب کے سب ہیں۔ اس کام کے واسطے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ
نے سب سے پہلے میوات کے علاقہ کا انتخاب فرمایا۔ میوات کا علاقہ دہلی کے قریب ہے وہیں
دور تک چلا گیا۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح جہالت تھی عرب کی جاہلیت
کو بھی مات کر رکھا تھا۔ میں خود اس علاقہ میں گیا ہوں۔ جگہ جگہ جا کر دیکھا ہے کیفیت یہ تھی
سر پر چوٹی رکھی ہوئی ہے۔ گنگا داس اور تھا داس نام ہیں۔ گھروں میں مورتیاں
رکھی ہوئی ہیں۔ کہیں کوئی کلمہ جاننے والا نہیں، نماز کو جانتا کیا چیز ہے۔ اس زمانے
میں ایک ڈھول سا ہوتا ہے۔ ایک نقارہ ہوتا ہے۔ ایک بستی میں وہ نقارہ رکھا ہوا
ہے۔ جب کوئی عالمگیر خطرہ ہوتا ہے تو ایک جگہ پر وہ نقارہ بجایا جاتا ہے جس کی
آواز پانچ کوس تک جاتی تھی پانچ کوس کی دوری پر ایک دوسرا نقارہ رکھا
ہوا تھا۔ اس آواز کو سن کر وہ نقارہ بجایا جاتا پھر وہ اس کی آواز جاتی پانچ
کوس تک۔ غرض اس طریقے سے تمام علاقہ میوات میں یہ آواز پھیل جاتی تھی۔
یہ ایک نفیر عام کی صورت تھی۔ جس شخص کے پاس جو ہتھیار ہوں۔ چاقو، لاٹھی، بھالا
چھرا، تلوار لے کر نکل آتے تھے۔ اور لڑائیاں ہوتی تھیں۔ انگریزوں نے ہر چند چاہا کہ وہاں
امن قائم ہو۔ وہاں کے لوگ نہایت بیباک تھے۔ اس کے واسطے سخت سے سخت حاکم
مقرر کئے وہاں۔ جنھوں نے مجرموں کو سخت سزائیں دیں۔ چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا،

دوسرے کی عورت کو لے بھاگنا ان کے یہاں کوئی جرم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ بہت معمولی چیز
تھی۔ یہ کیفیت تھی۔ ایسے علاقہ کو انتخاب کیا ہے۔ اسی تبلیغی کام کے واسطے حضرت مولانا
محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بستی کے آدمیوں کو نماز پڑھنا سکھائی۔ ایک
نے نماز پڑھی۔ دوسرے لوگ جمع ہو گئے۔ ایک دوسرے کو اشارہ کر کے بلاتے تھے
کہ دیکھو اس کو کیا ہو گیا۔ جن بھوت کا اثر ہے۔ اندھا سیدھا جو ہو رہا ہے۔ یہ
کیفیت ان لوگوں کی تھی۔ ایک بستی میں جانے سے معلوم ہوا کہ یہ بستی ہماری مسلمانوں
کی ہے اور اس کے قریب دوسری بستی غیر مسلموں کی ہے۔ مسلمانوں سے پوچھا کہ بھئی
تم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ خدا کے پیغام سے، قرآن سے، نماز سے تم بھی
ناواقف ہو وہ بھی ناواقف۔ زنا، چوری، بدکاری سب تمہارے یہاں بھی ہوتی
ہے ان کے یہاں بھی ہوتی ہے۔ کوئی کام اسلام کا تمہارے اندر نہیں ہے۔ تو تم میں اور
ان میں کیا فرق ہے؟ کہ تم مسلمان کہلاتے ہو اور وہ غیر مسلم ہو۔ تو انہوں نے صاف صاف
بتایا کہ ہمارا نکاح قاضی پڑھاتا ہے ان کا نکاح پنڈت پڑھاتا ہے۔ اتنا فرق ہے
ایک جگہ جانا ہوا۔ وہاں مسجد تو بنی ہوئی تھی پرانے زمانے کی کئی سو برس پہلے کی۔
مگر اس میں بکریاں بیٹھتی تھیں۔ بکریوں کی مینگنیوں کا ڈھیر تھا۔ کوئی اذان دینے
والا نماز پڑھنے والا نہیں تھا۔ اس مسجد کو جا کر صاف کیا۔ مینگنیاں نکالیں، اذان
دی۔ لوگ اکٹھے ہو گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ بدگمانی ان میں پیدا ہونی شروع ہوئی
ایک کہتا تھا سرکاری آدمی ہیں جاسوس ہیں۔ ایک کہتا تھا فتنہ برپا کرنے کیلئے
آئے ہیں ایسے ویسے۔ تھانے سے تحقیق کیلئے پولیس آ گئی یہ سب چیزیں ہیں۔ بہرحال تو
بستی ایسی۔ ان دنوں میں ایک میاں جی ہوتا تھا کسی کسی گاؤں میں جس کے پاس ایک
چھری ہوتی تھی۔ کئی سو سال سے پڑی ہوئی۔ ذبح کرنے کا وقت آتا تو میاں جی
کے پاس جانور لاتے۔ میاں جی اس چھری سے ذبح کرتا ہے۔ وہ بسم اللہ اللہ اکبر

پڑھتا نہیں جاتا کیونکہ اس چھری پر پڑھی ہوئی ہے۔ اس کے ذریعہ سے ذبح کرتا۔ یہ کیفیت تھی۔ غرض عجیب حالات تھے وہاں کے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اس علاقہ کو انتخاب کیا ہے اس خدمت کے لئے۔ ایسے گھر علاقے میں کام کرنے کی داغ بیل ڈالی جہاں علم نہیں عمل نہیں اخلاق نہیں کوئی چیز نہیں۔ ایسے علاقہ میں شروع شروع میں سخت سے سخت دشواریاں بھی ہوئیں۔

ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص چودھری ہے۔ اپنے مکان کے سامنے بیٹھا ہے۔ اگر وہ اس کام کے لئے کھڑا ہو جائے تو سب کھڑے ہو جائیں گے۔ اس کے پاس گئے۔ جاکر پاس بیٹھے۔ وہ سرا ہتے بیٹھا ہے حضرت مولانا پائینتی بیٹھے اور بیٹھ کر بات کرتے رہے۔ بات کرتے کرتے اس کی ٹھوڑی کی طرف کو ہاتھ بڑھایا مانوس کرنے کے لئے۔ اسے غصہ آیا۔ دوسری مرتبہ پھر اس طرح سے ہاتھ بڑھایا تو اس نے کہا میری ڈاڑھی پر ہاتھ بڑھاتا ہے۔ تیرے لاٹھی مارونگا۔ مولانا نے فوراً پیر پکڑ لئے اس کے۔ اور فرمایا اب تو لاٹھی نہیں مارو گے۔ اب تو خوش ہو گیا۔ اس طریقہ پر ان لوگوں کو مانوس کیا ہے۔ وہ لاٹھی مارنے کا ارادہ کرتا ہے حضرت مولانا اس کے پیر پکڑ لیتے ہیں۔ غرض ایسے علاقہ میں کام کیا۔ یہ تو آپ حضرات کے یہاں نام پڑ گیا ہے تبلیغ کا۔ انھوں نے تبلیغ نام نہیں سنا تھا۔ انھوں نے کہا دین سیکھنے کے لئے چلو۔ چونکہ صدیوں سے وہ لوگ آباد تھے اور کسی زمانے میں اُن کے بڑے مسلمان ہوئے تھے۔ اس وجہ سے مسلمان کہلاتے تھے۔ اور کوئی چیز اسلام اور ایمان کی ذرا بھی ان میں نہیں تھی۔ ان لوگوں کے دلوں میں جذبہ پیدا کیا کہ دین سیکھنے کے واسطے چلو۔ ایک میاں جی ان کے ساتھ ہو گیا۔ اول تو مولانا کے یہاں اپنا جو مدرسہ تھا دہلی نظام الدین میں تعلیم ہوتی تھی۔ تعلیم کی کیا صورت تھی۔ قرآن شریف ناظرہ پورا پڑھا دیتے تھے اور کم سے کم ایک پارہ حفظ کرا دیتے تھے اور کچھ تھوڑا سا لکھنا سکھا دیتے تھے کہ خط لکھے پڑھے

کا کام آ جائے۔ اس کے بعد چھوڑ دیا جاؤ اپنا کام کرو۔ یہ ان کے یہاں کی تعلیم تھی۔ اور بہت بڑی غریب لڑکے، کوئی لڑکا کانا ہے، کوئی اندھا ہے، کوئی لنگڑا ہے، گھر کے کسی کام کا نہیں، وہاں باپ کے اوپر بار ہے۔ تو حضرت مولانا جانتے تھے کہ اچھا بھئی اسے یہیں اپنا سے لاکر پڑھائے، دین سکھائے۔ دیر تک یہ صورت جاری رہی۔ ایک مرتبہ ایک لڑکا آیا۔ ہاتھ میں کڑا پہنے ہوئے۔ ہندوانہ طریقہ پر دھوتی پہنے ہوئے۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی۔ تعارف کرایا تو معلوم ہوا کہ وہ مولانا کے یہاں کا پڑھا ہوا ہے کسی زمانہ میں یہاں پڑھ کر گیا تھا۔ اس کو دیکھ کر بہت صدمہ ہوا، بہت افسوس ہوا۔ کہ تو وہ یہاں ان کے اوپر اتنی محنت کی جاتی ہے اور وہاں جاکر ان کا یہ حال ہو جاتا ہے۔ پھر ذہن منتقل ہوا کہ جب تک ماحول نہیں بدلے گا اس وقت تک تعلیم بھی کارآمد نہیں ہوگی۔ اس واسطے کہ بچہ یہاں اچھے ماحول میں رہتا ہے۔ تعلیم حاصل کرکے جاتا ہے۔ وہاں کا ماحول خراب ہے۔ ماں باپ، بھائی بہن، چچا، ماموں، خالو وغیرہ یہ سب کے سب غلط راستے پر ہیں لہٰذا وہ بھی جاکر ان کے اندر جذب ہو جاتا ہے۔ اس لئے ماحول کی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ ماحول کی تبدیلی کے واسطے دین سیکھنے کے عنوان پر یہ کام شروع کیا۔ اپنے چھوٹے میں چھوٹے لے کر اور نکل جاؤ چالیس روز کے واسطے، ایک میاں جی ان کے ساتھ ہیں اور جماعت کی جماعت چلی جا رہی ہے چالیس روز کے واسطے۔ وہ میاں جی پڑھا لکھا ہے۔ کتنا پڑھا لکھا ہے۔ قرآن شریف اس نے پورا پڑھ رکھا ہے اور کچھ تھوڑی سی اردو جانتا ہے، نماز جانتا ہے اور ان لوگوں کو کسی کو کلمہ یاد کرا رہا ہے کسی کو نماز یاد کرا رہا ہے، کسی کو التحیات یاد کرا رہا ہے۔ جیسی جیسی جس کی حالت ہوتی ہے وہ یاد کرتا ہے۔ چالیس روز تک یہ لوگ تبلیغ میں رہے۔ اور ان چالیس روز کے اندر اندر سکھلائے گئے۔ وضو کرنا سیکھ لیا۔ نماز پڑھنا سیکھ لیا۔ الحمد یاد کر لی، قل ھو اللہ یاد کر لی اور درود شریف یاد کر لیا۔ ان چالیس روز کی

مدّت میں انھوں نے زنا نہیں کیا، شراب نہیں پی، انھوں نے چوری نہیں کی، انھوں نے ڈاکہ نہیں ڈالا، انھوں نے آپس میں لڑائی نہیں کی۔ انھوں نے یہ سیکھا کہ ماں باپ کا ادب کیسے کیا کرتے ہیں، بھائی بہن کے کیا کیا حقوق ہیں، مسافروں کے کیا کیا حقوق ہیں، بہت ساری باتیں انھوں نے آہستہ آہستہ سیکھ لیں۔ چالیس روز بعد جب یہ جماعت کے لوگ واپس آئے، انھوں نے اگر صبر و سکون کے ساتھ زندگی نہیں گذاری بلکہ اس بات کو سکھایا، دوسروں کو ترغیب دی۔ اور ہر شخص ان کو دیکھ دیکھ کر یہ سوچا کرتا تھا کہ یہ تو بہت اچھے ہو کر آئے ہیں۔ پہلے بُری عادتیں تھیں وہ عادتیں اب ان کے اندر نہیں۔ ماں باپ سے پہلے لڑا کرتے تھے اب ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں۔ پہلے چاہتے تھے کہ محلہ والوں کا مال لوٹ لیں اب چاہتے ہیں کہ غریبوں کی مدد کریں۔ پہلے اس فکر میں رہتے تھے کہ چوری کریں اور اب چوری سے حفاظت کی فکر میں رہتے ہیں۔ کتنا بڑا تغیر ہوا ان کی زندگی میں۔ تو دوسری جماعت نکلی پھر تیسری نکلی، اور پھر کچھ روز بعد یہ پہلی مرتبہ جو نکلے تھے چالیس روز کے لئے وہ بھی دوبارہ نکلے۔ غرض یہی سلسلہ عام طور پر جاری ہو گیا۔ اور حضرت مولانا نے یہ فرمایا کہ دیکھو جہاں جہاں بزرگ ہیں مشائخ ہیں علماء ہیں وہاں جاؤ، اور ان سے یہ گزارش کرو کہ آپ تبلیغ کے لئے ہمارے ساتھ باہر چلئے۔ ان حضرات نے جو مشاغل اختیار کر رکھے ہیں تزکیۂ باطن کے یا تعلیم کے، کوئی حدیث پڑھا رہا ہے کوئی فقہ پڑھا رہا ہے، کوئی تفسیر پڑھا رہا ہے ان حضرات نے پورے دلائل کی روشنی میں اس کا انتخاب کیا ہے، ان سے یہ مت کہو کہ آپ ان دینی خدمات کو چھوڑ دیں بلکہ ان سے یہ کہو کہ حضرت کام بہت بڑا ہے اور ہم لوگ نا اہل ہیں ہمارے اندر صلاحیت نہیں۔ آپ توجہ کیجئے کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہم کو صحیح طریقہ پر چلائے۔ ہماری نا اہلیت کی وجہ سے کام خراب نہ ہو جائے۔ ہمیں اس کا ڈر رہتا ہے۔ یہ دعا ان سے کرائیں۔ چنانچہ یہ ہوتا تھا جگہ جگہ

جاتے تھے یہ لوگ۔ اور پھر اس کا اتنا رواج ہوا کہ ان لوگوں کے لیے مشکل ہو گیا چھپنے
کے لیے نکلنا۔ یہاں تو بہت دیر ہوتی ہے تشکیل کرتے وقت۔ یہ لکھا جاتا ہے بار بار
کہا جاتا ہے۔ کوئی صاحب اٹھتے نہیں تھوڑی سی ہمت کر کے اور تھپکا کر کوئی سی
طریقے سے، مگر نکلنا بہت آسان ہو گیا نکل جاتے۔ اب پھر ان لوگوں کے درمیان میں
کیا انقلاب ہوا۔ اتنا بڑا فرق ہوا کہ ایک شخص جس نے چوری کی۔ تھانیدار نے اس کو
پکڑا۔ پکڑ کر جیل میں ڈالا۔ پوچھا کہ تو تبلیغی جماعت میں جاتا ہے کہ نہیں جاتا۔ اس نے کہا
نہیں میں نہیں جایا کرتا۔ اس کی پٹائی کی، پٹائی کر کے اس شرط پر چھوڑا کہ جا کر تبلیغ میں
چلہ دے۔ تھانیدار غیر مسلم تھا وہ جانتا تھا کہ تبلیغی جماعت میں جاتے ہیں چوری
ان کی چھوٹ جاتی ہے۔ بد اخلاقی چھوٹ جاتی ہے۔ ان کے اندر بڑا تغیر پیدا ہو جاتا تھا۔
تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ غیر مسلم اس سے اتنا اثر لیتے ہیں۔ اور مسلمان اس کی طرف
متوجہ ہوں تو کتنا بڑا فائدہ ہو گا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دو آدمی، دو محلے کے دونوں
تبلیغ میں جانے والے ان کے درمیان لڑائی ہو گئی۔ شیطان تو ہر جگہ لگا ہوا ہے۔ یہ
تھوڑا ہی ہے کہ تبلیغ والوں کو چھوڑ دے گا۔ بالکل نہیں وہ کسی وقت نہیں بخشے گا۔ وہ
تو مرتے وقت تک ساتھ رہے گا۔ اس واسطے لڑائی ہو گئی۔ ایک نے دوسرے کے
گھونسہ مارا منہ پر جس سے اس کا دانت ٹوٹ گیا۔ جب دانت ٹوٹ گئے تبھی اس گھونسہ
مارنے والے کو خیال ہوا۔ افسوس تھا تو تبلیغ میں چلہ دے چکا، جماعت میں گیا تھا۔
بڑی غلطی ہوئی میرے سے تو۔ اب بڑا پریشان ہوا۔ آیا اپنے میاں جی کے پاس۔
میاں جی لڑائی میں دانت ٹوٹ گیا میرے ہاتھ سے دوسرے کا۔ بتلاؤ اس کی کیا سزا
ہے۔ قرآن میں دیکھ کے بتاؤ۔ میاں جی نے قرآن کا مطالعہ کیا اور اس میں پڑھا والسن
بالسن۔ دانت کا بدلہ دانت۔ کہا بہت اچھا لیٹ گیا، اور جس کا دانت توڑا تھا اس
سے کہا کہ بھئی تو توڑ دے میرے دانت۔ جس طرح سے ہو سکے توڑ دے۔ میری طرف سے

اجازت ہے۔ وہ گیا! آپ سے نہیں لوٹا۔ وہ پیچھے بعد بیٹھے بیٹھے پوچھتا ہے، میاں جی معاف کرنا
کیسا ہے؟ میاں جی نے کہا قرآن پاک میں آیا ہے وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَأَنْ
تَعْفُوا خَيْرٌ لَكُمْ۔ میاں جی نے کہا معاف کرنا عمل بہت ہے۔ اس نے کہا میں نے معاف
کر دیا۔ تو یہ انقلاب ہوا۔ طبائع میں انقلاب ہونا معمولی بات نہیں۔ بہت بڑی چیز ہے۔
جن لوگوں کی زندگی اس طرح سے گزری ہو وہ لوگ یہاں تک پہنچ جائیں یہ معمولی بات نہیں
اگر یہ غصے سے کسی وقتی جذبہ یا کسی وقتی داعیہ سے یہ فعل سرزد ہو گیا اور دامن لوٹ
گیا تو فوراً انتقام دینے کو تیار، اور جو کچھ وہ فیصلہ کر دے اس کے دیکھے وہ آمادہ۔
اس لئے میرے محترم دوستو اور بزرگو! ضرورت ہے کہ ہم لوگ اس کام میں حصہ لیں،
اور حصہ لینے کی یہی صورت ہے کہ اس کام کی اہمیت کو دیکھیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس
صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ دوستو جب تبلیغ کے واسطے نکلو تو پہلے دو غور کرکے
دو رکعت نماز پڑھ کر یہ سوچ لو کہ یہ کام اتنا اہم اور عظیم الشان ہے کہ حق تعالیٰ نے اس
کام کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ یہ کام کیا کام ہے معمولی کام نہیں۔ یہ آپ
کر دو پیسے کا سودا خریدنے کے لئے جا رہے ہیں۔ ایسا کام نہیں، تفریح کے لئے جا رہے۔
ایسا کام نہیں بلکہ اس کام کی عظمت کو دل میں بٹھاؤ، اس کام کیلئے حق تعالیٰ نے پیغمبروں کو
بھیجا ہے، اور انھوں نے بڑی بڑی مشقتیں اٹھائیں۔ بعض بعض پیغمبروں کو آرے سے
چیر دیا گیا ہے، بعضوں کو آگ میں ڈالا گیا ہے، بعضوں کو قتل کیا گیا ہے، بعضوں پر پتھر برسائے
گئے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یہ چیزیں پیش آئی ہیں۔ جب اس کام کو
اٹھانا اور سنبھالنا ہے اس کو لیکر چلنا ہے تو اس کام کے جو پیشرو رہے ہیں، مقتدیٰ ہیں،
ان کے حالات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کے اوپر کیا گذری۔ لہٰذا اس کام
کی اہمیت اور عظمت کو دل میں قائم کرکے تضرع و عاجزی کے ساتھ درخواست کرکے
دعا کریں کہ اے اللہ ہم لوگ نااہل ہیں ہمارے اخلاقوں میں پختگی نہیں ہے ہمارے اخلاق میں

پختگی نہیں۔ آج ہمارے اعمال و اخلاق کی وجہ سے غیر مذہب والوں کے سامنے شرمندگی
ہوتی ہے۔ ورنہ یہ مسلمان، مسلمان تو بڑے اخلاق کا ہوتا تھا۔ اعلیٰ کیریکٹر ہوتا تھا اس کا۔
آج یہ کیا بات ہے۔ اعلیٰ کیریکٹر کا تو یہ حال تھا کہ جنگ فارس کے وقت میں جب ہرمزان
فارس گرفتار کر کے لایا گیا ہے اس کے لیے سزائے قتل تجویز تھی۔ جب اس کو قتل کرنے
کا وقت آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تمہاری کوئی آخری حسرت ہے، آخری خواہش ہے۔
دنیا سے جانے سے پہلے کوئی خواہش ہو تو بتاؤ۔ اس نے کہا مجھے توقع نہیں کہ آپ
لوگ میری خواہش پوری کریں گے۔ کہا نہیں بلا جھجک تم کہہ سکتے ہو۔ تم بتاؤ کیا
خواہش ہے۔ اس نے کہا مجھے پیاس لگ رہی ہے پانی پلا دو۔ کہا اچھی بات ہے۔ ایک
کٹورے میں پانی لایا گیا۔ اس نے کہا اچھا وعدہ کرو کہ جب تک میں یہ پانی نہیں پیوں گا
اس وقت تک مجھے قتل نہیں کرو گے۔ انھوں نے کہا ہمارا وعدہ ہے۔ اس نے قسم کھائی
انھوں نے کہا قسم کھانے کی ضرورت نہیں، مسلمان کا قول ہی قسم ہے۔ یہ بات تھی کہ مسلمان
جھوٹ نہیں بولتا جو مسلمان نے زبان سے بات کہہ دی وہی اس کے لیے قسم ہے۔ یہ اس کے
کیریکٹر کا عالم تھا۔ امن پختہ ہوتا تھا۔ آج تحریریں لکھائی جاتی ہیں۔ کوئی بیع نامہ لکھا جاتا
ہے تو اس کی تحریر لکھائی جاتی ہے۔ تحریر لکھاتے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ اچھی بات ہے
پختگی ہو جائے گی۔ لیکن یہاں تو عدم اعتماد کی وجہ سے ہے۔ اسے جھوٹا سمجھتے ہیں کہ کل کو
اس نے انکار کر دیا تو اس تحریر کے ذریعہ سے ہم دعویٰ دائر کر سکیں گے۔ جب اس کے
سامنے پانی لایا گیا تو اس نے پانی پھینک دیا۔ اور کہا کہ مجھ سے آپ نے وعدہ کیا تھا
جب تک میں یہ پانی نہیں پیوں گا اس وقت تک مجھے قتل نہیں کرو گے۔ اب یہ پانی
تو پینا ممکن ہے نہ، زمین پر گر گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اطلاع کی گئی تو آپ نے
فرمایا کہ اس نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا، ہم دھوکہ نہیں کریں گے۔ آزاد کر دو چھوڑ دیا
اس کو۔ جب آزاد کر دیا۔ آزاد ہونے کے بعد کہتا ہے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، کلمہ پڑھ لیا۔ اور پھر اس نے بتایا کہ میں اپنے دل سے تو مسلمان ہو چکا تھا بہت دیر پہلے۔ لیکن میں گرفتار تھا اور میرے لئے سزائے قتل تجویز تھی۔ اور مجھے یہ اندازہ تھا کہ اگر میں نے اسی حالت میں اسلام ظاہر کیا تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ موت کے ڈر سے مسلمان ہوا۔ اس لئے میں چاہتا تھا کہ کسی طرح سے آزادی مل جائے اُس وقت اسلام کا اظہار کروں۔ تو کیریکٹر کا یہ حال تھا مسلمانوں کا۔ دوسرے دھوکہ کرتے رہیں ہم دھوکہ نہیں کریں گے۔ ایک حکایت مجھے یاد ہے ان کے یہاں کا یہ حال تھا کہ جس غلام کو دیکھتے کہ یہ غلام زیادہ نماز پڑھتا ہے اس کو آزاد کر دیتے۔ غلاموں کو معلوم ہو گئی یہ بات۔ لمبی لمبی نمازیں پڑھنا شروع کر دیں غلاموں نے، سارے صوفی بن گئے۔ اور وہ حضرت سب کو آزاد کر دیتے۔ کسی نے اطلاع کی ان کو کہ یہ تو نماز اس واسطے زیادہ پڑھتے ہیں تاکہ آزاد ہو جائیں۔ تو انھوں نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے دین کی خاطر ہم کو دھوکہ دے گا ہم اس کے دھوکہ میں آجائیں گے کوئی حرج نہیں یہ دھوکہ دیتے ہیں بہت اچھا۔ یہ جائیں۔ ہماری طرف سے آزاد ہیں آزاد کر دیئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کے دور کا واقعہ ہے۔ جب کوئی شخص ذمی مسلمان ہوتا تھا تو اس کا جزیہ معاف کر دیتے تھے۔ محصول معاف۔ محصول جو حفاظت کے لئے لیا جاتا تھا ان کی نگرانی کے لئے وہ محصول معاف کر دیتے تھے جب کوئی مسلمان ہو جاتا تھا۔ ان کے عامل نے اطلاع کی کہ خزانہ خالی ہو گیا۔ ذمی لوگ کثرت سے مسلمان ہو رہے ہیں، جزیہ ان سے معاف ہو رہا ہے اب آمدنی نہیں رہی ہے خزانہ میں۔ کیا زوردار جواب دیا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ بُعِثَ هَادِيًا وَّلَا جَابِيًا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا ہادی بنا کر ہدایت دینے کے لئے، جابی روپیہ جوڑنے والا بنا کر نہیں کہ روپیہ جوڑیں۔ اس واسطے جزیہ تو معاف ہو ہی جائے گا چاہے کوئی اپنے اسلام کا

میں صادق ہو یا نہ ہو، یہ وہ جانتے ہیں۔ لیکن تجربہ صاف ہے۔ بے شمار واقعات ہیں ساری تاریخیں
اکابر کی، مشائخ کی، سلاطین کی، خلفاء کی بھری ہوئی ہیں کہ مسلمان اپنے قول کا اپنے
فعل کا بہت پختہ ہوتا تھا۔ اس کا کردار بہت اعلیٰ ہوتا تھا اس کی مثال ملنی مشکل ہوتی
تھی دُور دُور تک۔ اس کردار کو واپس لانے کے لیے، اس اعلیٰ کردار کو دوبارہ رائج
کرنے کے لیے اللہ تبارک تعالیٰ نے اس اخیر دور میں یہ طریقہ جاری فرمایا جو بہت زیادہ
مفید اور کارآمد ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ ہے اس کا۔ جس جگہ پر یہ جانا تھا کہ نماز نہیں
جانتے تھے کلمہ نہیں جانتے تھے، پچیس برس تک محنت کی اور جا کر وہ محنت کی۔ گرمی
کے زمانے میں جیسے سردی کے زمانے میں سفر کیا، برسات میں بھی سفر کیا۔ غرضیکہ بہت ہی
پریشانیاں اُٹھائیں، لیکن ہر پریشانی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کی۔ ایک مرتبہ
ایک پہاڑ پر چڑھنا ہوا شام کے وقت جب وہاں پہنچے تو ایک صاحب نے کہا حضرت
مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے کہا کہ دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
کتنے پہاڑ چڑھے اس دین کی خاطر، آج ایک پہاڑ چڑھنے کی سنت ادا ہوئی تو یہ
کتنا مبارک دن ہے۔ یہ حضرات اس بات پر خوش ہوتے تھے کہ اللہ کے رسول صلی
اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنے کا موقعہ آیا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب
دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے رات بھر نماز پڑھی۔ معمول تھا رات بھر کھڑے ہو کر قرآن پاک
سنا کرتے تھے رمضان المبارک میں۔ پیروں پر ورم آ گیا پنڈلیوں پر ورم آ گیا۔ اس
پر چہرے پر اتنی بشاشت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر مبارک پر بھی ورم آیا
تھا۔ آج اللہ نے ہمیں بھی اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ یہی چیز
ان حضرات کی خوشی کا ذریعہ ہوتا تھا، خوش کرنے والی چیز ہوتی تھی کہ نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت زندہ ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت پر
ہمیں عمل کرنے کی توفیق ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے۔ دین کی خاطر مشقتیں

برداشت کی۔ پچیس۲۵ برس تک محنت کی۔ ہر جگہ اپنا مبلغ چھوڑا۔ ہر جگہ مکتب قائم کئے۔
وہاں مکاتب میں مدرسین کی تنخواہ اپنے پاس سے دی۔ گاؤں والوں سے پیسہ مانگا، چندہ
نہیں کیا۔ پچیس۲۵ برس کے بعد پھر جانا ہوا۔ پانچ پانچ کوس کے علاقے کے جو دیہات
تھے ان کا ایک علاقہ بنا کر پانچ کوس تجویز کر دیا۔ ایک جگہ پر پہنچے ہیں۔ دریافت
فرمایا کہ بھئی مولوی اب پانچ کوس میں کیا کام ہوا پچیس برس میں۔ وہ جو شخص مستقلاً مبلغ
موجود تھا اس نے بتلا دیا کہ حضرت ہمارے اس پانچ کوس کے علاقہ میں تین یا چار آدمی
ایسے ہیں جو تہجد کے پابند نہیں باقی سب تہجد کے پابند ہیں۔ جہاں نماز سے ناواقف تھے
وہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس محنت کی برکت سے یہ انقلاب فرمایا کہ تین یا چار آدمی
صرف ایسے ہیں جو تہجد کے پابند نہیں باقی سب تہجد کے پابند ہیں۔ ایک جگہ پہنچے وہاں
بتلایا کہ چار یا پانچ آدمی ایسے ہیں جو جماعت کے پابند نہیں ورنہ سب کے سب جماعت کے
ساتھ نماز پڑھنے کے پابند ہیں۔ ایک پانچ کوس میں جہاں سخت ترین لڑائی اور سر پھٹول
رہتی تھی کسی نے کسی کا ہاتھ توڑ دیا، مار کر سر توڑ دیا، یہ چیز روز مرہ رہتی تھی وہاں۔
دریافت کیا۔ بتلایا کہ اس پانچ کوس کے علاقہ میں کوئی دو مسلمان ایسے نہیں کہ جن کے
درمیان آپس میں لڑائی اور عداوت ہو۔ سب کے سب بھائی بھائی بن کر رہتے ہیں۔
کتنا بڑا انقلاب ہے۔ طلب کا انقلاب کتنی بڑی چیز ہے۔ اس لئے حضرت مولانا
محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کا جہاد سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ
جس دل میں دین کی قدر نہیں اس کے اندر دین کی قدر پیدا کر دیا جائے دین کی تڑپ پیدا
کر دینا۔ جب دین کی طلب ہوگی تو آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ
کو بھی تلاش کرے گا، آپ کے اخلاق حمیدہ کو بھی دیکھے گا، آپ کی تمام پاکیزہ زندگی
کو اختیار کرے گا۔ ہر بات میں لوگوں سے پوچھے گا کہ اس میں سنت کا طریقہ کیا ہے۔
اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارشاد ہے۔ اپنی زندگی کو سنت میں رکھے گا جگہ

پابند بنا دے گا۔ جبکہ دین کی طلب ہوگی۔ اگر دین کی طلب نہیں ہوگی تو پھر کچھ نہیں ہوگا۔ یہ آپ جانتے ہیں کہ تبلیغ میں تقریریں اصل نہیں۔ تقریر جو کی جاتی ہے وہ کچھ بہت دار نہیں ہوتی۔ تقریروں کی ضرورت بھی نہیں، وہ تو صرف لوگوں کو آمادہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ اصل مقصود تو کام ہے عمل ہے۔ اس کام اور عمل کو اختیار کرنا یہ مقصود ہے۔ اسی کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو کچھ ہوتا ہے۔ تقریر تو محض آمادہ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو جب تبلیغ کے لیے چلو تو دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے گناہوں سے توبہ کر کے استغفار کے ساتھ اور یہ تصور کرتے ہوئے کہ اللہ پاک نے اس کام کے لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا۔ آج یہ کام ہم جیسے نااہل اور ناکارہ لوگوں کے سپرد کر دیا ہے۔ اللہ اس کو خراب ہونے سے بچا۔ اے اللہ ہمارے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے یہ بے تاثیر ہو جائے۔ یہ تصور کر کے چلو۔ اور ہلکی ہلکی آواز سے ذکر میں مشغول رہو۔ سبحان اللہ، اللہ پاک ہے ہر عیب سے۔ الحمد للہ ہر خوبی اللہ کیلئے ہے۔ لا الٰہ الا اللہ حکم ماننے کے قابل صرف اللہ کی پاک ذات ہے۔ اللہ اکبر، اللہ سب سے بلند و بالا ہے۔ خاص کر لفظ اللہ اکبر کو کہتے ہوئے جاؤ۔ اور جہاں کسی بھائی سے ملاقات ہو اس کے آس پاس کھڑے ہو جاؤ۔ ہر شخص اپنے قلب سے زبان سے ذکر میں مشغول رہے، دھیان اللہ کی طرف رہے۔ اس فضا میں معاصی بھرے ہوئے ہیں، ظلمت بھری ہوئی ہے، ضلالت و جہالت بھری ہوئی ہے۔ اللہ کے ذکر سے اس فضا کو منور و معطر کرو۔ تاکہ وہ جہالت دور ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت قریب ہو۔ آہستہ آہستہ کلمات پڑھتے رہو۔ ایک شخص متولی کلام ہو اور وہ یہ سوچے کہ یا اللہ کسی طرح سے ایسا ہو کہ بغیر میرے کہے خود بخود اس بھائی کے جی کے اندر یہ بات آ جائے جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ تیرے دین کو اس تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ یہ بات تو خود اس کے قلب میں ڈال دے مجھے کہنے کی نوبت نہ آوے اور پھر یہ سوچے

کہ اگر کوئی اور شخص کہتا تو: بچہ تھا میرے کہنے کے بجائے۔ پھر کہے: اس سے نہایت ادب
واحترام کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے کہ میں گنہگار ہوں بہت زیادہ گنہگار ہوں۔ اگر وہ شخص
چھوٹا ہے تو یوں سمجھے کہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے ابھی اس نے گناہ کہاں کئے بہت کم
گناہ کئے ہوں گے۔ میری عمر زیادہ ہے میری داڑھی سفید ہو گئی گناہ کرتے کرتے میرا
منہ نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی بات کہہ سکوں دین کی، دعوت دے سکوں۔ اور اگر عمر
میں بڑا ہے تو سوچے کہ اس نے نیکیاں زیادہ کی ہوں گی، اللہ کو زیادہ یاد کیا ہوگا۔
زیادہ عمر گزری اس کی۔ میں کس منہ سے کہوں۔ اپنے اندر پوری پوری ندامت کا
احساس کر کے پھر اس سے کہے۔ اس کے ادب احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ بھائی
کلمہ پڑھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے اپنا کلمہ آپ کو سناتا ہوں آپ میرا کلمہ سن
لیں۔ اگر اس میں غلطی اور کوتاہی ہے تو اس کی آپ اصلاح کر دیں۔ آپ میرے گواہ
بن جائیں۔ اور پھر آپ اپنا کلمہ سنا دیں تاکہ میں آپ کا گواہ بن جاؤں۔ ہم دونوں
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے دو بھائی ہیں۔ آپس میں ایک بھائی کا دوسرے
بھائی پر حق ہوتا ہے۔ اس واسطے کلمہ پڑھنے سے گواہ بن جائیں گے ایک دوسرے کے۔
اور آپ ہمارے ساتھ فلاں مسجد میں آج نماز پڑھ لیں۔ گشت کے لئے چل رہے ہیں۔
اپنے بھائیوں کی خوشامد کرنے کے لئے نماز کے واسطے۔ آپکے پاس وقت ہو موقعہ ہو؟
ذرا آپ بھی مہربانی کر کے تشریف لے آئیں۔ جب وہ ساتھ ہو لیں لے جائیں ان کو۔
اس طریقہ پر اس سے بات کریں اگر وہ اس کو قبول کر لیتا ہے بہت خوشی کا اظہار کرنا
ہے کہ اے اللہ تیرا شکر ہے احسان ہے۔ تو نے اس بندہ میں کتنی خوبیاں رکھی ہیں کہ ایک
مرتبہ اس کے سامنے بات پیش کی گئی اس نے قبول کر لی۔ اور اگر وہ ناخوشی کا اظہار کرے
قبول نہ کرے تو پھر یہ سوچے کہ میرے اندر یہ کھوٹ ہے میرے اندر خرابی ہے ورنہ تو
یہ دعوت کو ضرور قبول کر لیتا۔ اس طریقہ پر کام کریں۔ اور جس بستی میں جائیں وہاں اگر

جماعت کا استقبال ہو لوگ خوشی کے ساتھ آجائیں، ٹھہرنے کا بھی انتظام کریں، آپ کی تعلیم میں بھی شرکت کریں، گشت میں بھی شریک ہوں، جماعت بھی بن جائے باہر نکلنے کا بھی موقعہ مل جائے تو آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا کام ہو گیا۔ اور فرمایا کرتے تھے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کہ یہ سمجھ لیں کہ ہمارا کام ہو گیا، ہمارا مقصد حاصل ہو گیا وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے یہاں جب حاضری ہوگی، حساب کتاب ہو گا وہاں آپ سے یہ نہ کہہ دیا جاوے کہ جس مقصد کے لئے آپ نے دنیا میں کام کیا تو وہ تو مقصد وہیں حاصل ہو گیا پھر ہم سے کیا چاہتے ہو۔ اس واسطے یوں نہ سمجھے کہ ہمارا مقصد حاصل ہو گیا۔ ہمارا مقصد تو اس دنیا میں حاصل ہونا ہی نہیں۔ ہمارا مقصد کیا ہے؟ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہر قدم پہ ہر بول پہ ہر سانس پہ اللہ کی خوشنودی ہم کو نصیب ہو۔ اللہ تبارک تعالیٰ کے خزانہ عامرہ سے ہمیں کچھ ملے۔ ہمارا مقصد تو وہ ہے اس دنیا میں جو کچھ آتا ہے وہ تو انعام دینے کا مختصر سا انعام ہے جو اس دنیا میں مل جاتا ہے ورنہ تو حقیقت میں اس دنیا میں اللہ تبارک تعالیٰ کے انعامات کو سمونے کی طاقت نہیں۔ یہ دنیا برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے یوں نہ سوچے کہ حصول مقصد ہو گیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اے اللہ تیرا شکریہ تو نے ان بھائیوں کے اندر وہ صلاحیت عطا کر رکھی ہے کہ انھوں نے اس دعوت کو قبول کیا وہ آمادہ ہو گئے۔ اے اللہ ان کو کھڑا کر دے یہ دین کے کام کے لئے آگے بڑھیں۔ اگر وہ قبول نہ کریں اور دعوت کی جماعت کی تشکیل نہ ہو پائے وہاں استقبال نہ ہو تو ان سے ملول نہ ہوں رنجیدہ نہ ہوں یوں نہ سمجھے کہ ہم ناکام رہے جماعت کامیاب نہیں ہوئی۔ دیکھو جماعت تو ہر وقت کامیاب ہے اس کے تو ناکام ہونے کا سوال ہی نہیں۔ اس واسطے کہ اس کا کام کیا ہے جس کو بیان کیا جاتا ہے۔ وہ کام کیا ہے۔ وہ کام ہے اللہ کی خوشنودی۔ لہٰذا یہ سوچتے ہوئے کہ اللہ کے دربار عالی سے ہمیں کچھ ملے گا۔ یہ سوچتے ہوئے قدم بڑھائیں گے۔ آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ ہمت بلند ہوتی چلی جائے گی۔ یہ نہ

سوچ کر ہم ناکام ہو گئے اور مایوس ہو کر بیٹھ جائیں ایسا نہیں۔ دیکھئے منوانا تو پیغمبروں
کی بھی ذمہ داری نہیں ہے۔ منوانا تو صرف اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے وہ جس کو چاہیں گے
منوا دیں گے نہیں چاہیں گے نہیں منوائیں گے۔ پیغمبروں کی ذمہ داری بھی منوانا نہیں ہے
بلکہ کام بتانا اور اس پر لگانا کوشش کرنا خوشامد کرنا کوشش کرتے رہنا ہے۔ اس کام پر لگا
رہنا چاہیے۔ جو شخص اس کام میں لگا رہے گا وہ کامیاب ہے چاہے اس کی کوشش سے کسی
ایک جگہ بھی جماعت نہ بنی ہو۔ چاہے اس کی کوشش سے ایک آدمی بھی نماز پڑھنے کے لئے
نہ آیا ہو لیکن وہ کامیاب ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ جب اللہ تبارک تعالیٰ کے یہاں
جنت میں دربار ہوگا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جنت میں آئیں گے، کوئی پیغمبر
ایسے ہوں گے جن کے ساتھ دس آدمی، کسی کے ساتھ نو، آٹھ سات چھ پانچ چار تین دو
ایک۔ بعضے پیغمبر ایسے ہوں گے کہ ان کے ساتھ ایک آدمی ہوگا۔ یعنی زندگی بھر اللہ کے پیغام
کو پہنچایا لیکن ایک شخص اُن پر ایمان لایا لیکن انکی پیغمبری میں کوئی فرق نہیں۔ جس
طرح سے پیغمبر اولوالعزم آئے تھے اسی طرح سے یہ ہیں۔ اُن سے یہ مطالبہ نہیں ہوگا کہ لوگوں
نے کیوں نہیں مانی تمہاری بات۔ وہاں تو یہ مطالبہ ہوگا کہ تم نے کتنی پہنچائی کتنی محنت کی
اس راستے میں کتنی جدوجہد کی کتنا سر کھپایا وہاں تو یہ سوال ہوگا۔ بعضے پیغمبر ایسے
ہوں گے کہ جن کے ساتھ ایک بھی آدمی نہیں ہوگا۔ ایک جماعت کے لئے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا
گیا وہاں ساری زندگی بھر کوشش کی اور زندگی بھر کوشش کرنے پر بھی ایک آدمی بھی اُن پر
ایمان نہیں لایا۔ لیکن ان کی پیغمبری میں کوئی فرق نہیں۔ آپ دیکھئے ایک بینک ہے۔ سرکاری
اس کی حفاظت کے لئے سپاہی کھڑا ہوا ہے بندوق ہاتھ میں لئے ہوئے ہے تاکہ چور
کو بھگا دے۔ وہ پہرہ دے رہا ہے اس کی ساری زندگی گزر جاتی ہے بسا اوقات کہ ایک
بھی چور کو نہیں پکڑا پوری زندگی میں۔ کیا اس کی ملازمت چلی گئی ہے؟ اس کی ملازمت میں
کمی آئی ہے۔ وہ تو بس اسی طریقہ پر تنخواہ پانے کا مستحق ہے کہ اپنی جگہ پہرہ دے کھڑا

ہوا ڈیوٹی دے رہا ہے یہاں تک کہ اگر ڈاکو بھاگ گئے اور اگر اس سپاہی کو پکڑ لیا باندھ دیا اور قتل بھی کر دیا تو بھی وہ مجرم نہیں۔ اس لئے کہ اس نے اپنی کوشش پوری کر لی۔ دین سے تو مطالبہ صرف اتنا ہے کہ تم نے کوشش کتنی کی ہے۔ اس کوشش کو سامنے لایا جاتا ہے۔ اس کوشش پر اجر مرتب ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جو دارو مدار ہے وہ بندہ کی نیت اور اس کے عمل کے مطابق ہے۔ خلوص کے ساتھ جس قدر زیادہ جد و جہد کرے گا اسی قدر اتنا ہی اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا مرتب ہوگی۔ اور اگر کسی نے یہ سوچا کہ اس دنیا میں میری کوشش سے کوئی نتیجہ نہیں نکلا وہ ہمت ہار کے بیٹھ جائے گا۔ ہمت ہار کے بیٹھ جائے گا تو کسی کا کیا بگڑے گا۔ اپنے لئے اس نے ایک راستہ صاف کیا تھا۔ محنت کرنا شروع کی تھی، حق تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرنا شروع کیا تھا اس راستے کو اس نے روک دیا۔ اپنے لئے دروازہ بند کر دیا۔ کسی کا کیا بگڑا۔ یہ یاد رہے کہ اللہ کا دین ہمارا محتاج نہیں۔ ہم محتاج ہیں اللہ کے دین کے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر ساری دنیا کافر ہو جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اگر ساری کی ساری مخلوق ایمان لے آئے تو بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ تو اسی جگہ پہ ایسے بلند و بالا ہیں کہ وہاں پستی کا نام و نشان نہیں، کوئی کمی کا نشان نہیں، وہاں کمی کا کیا سوال تو یوں نہ سمجھے کہ ہم دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ لوگوں کے پاس جا کر اپنا احسان جتانا شروع کر دیا کہ بھئی ہم بھی تجارت والے ہیں، ہم بھی کاروبار والے ہیں، ہمارے پاس بھی بیوی بچے ہیں، ہم بھی اپنا گھر چھوڑ کر آئے ہیں۔ لہٰذا تم بھی آؤ۔ آخر ہم اتنی پریشانی میں آئے تم خود سوچو۔ اپنا احسان نہ جتائیں لوگوں پہ بلکہ ان لوگوں کی خوشامد کریں۔ حق تعالیٰ کا فضل کہیں کہ اس نے ان سارے جھمیلوں سے ہم کو نکال کر اپنے کرم سے اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمایا۔ جتنی اس کو توفیق ہو جائے اتنا زیادہ اس کو شکر گزار ہونا چاہیے۔ اللہ کا احسان مند ہونا چاہیے۔ یہ نہ سوچے کہ میں دوسرے پہ اپنا احسان جتاؤں گا۔

اس احسان جتانے کے ثمرات اور نتائج خراب نکلتے ہیں۔ اپنی طبیعت میں بڑائی
پیدا ہوتی ہے کہ میں دین کی خدمت کر رہا ہوں۔ میں تقریر کر رہا ہوں اور یہ دین کی
خدمت نہیں کر رہے ہیں۔ یہ بات بہت تباہ کرنے والی ہے، برباد کرنے والی ہے،
جہاں ایسی بڑائی طبیعت میں پیدا ہوگئی کہ میں بڑا عالم ہوں میں دین کی خدمت کر رہا
ہوں میں تقریر کر رہا ہوں۔ اور یہ لوگ چھوٹے ہیں، دین سے ناواقف ہیں، نہیں
جانتے ہو دین کیا چیز ہے۔ اگر یہ بات پیدا ہوگئی طبیعت میں اس کی وجہ سے مسلمانوں
کی حقارت پیدا ہونے لگی اگر طبیعت میں، یہ نہایت خطرناک چیز ہے۔ اسی واسطے
تبلیغ کے چھ نمبروں میں سے ایک نمبر اکرام مسلم ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی گنہگار ہو، دین سے
ناواقف ہو لیکن اللہ کا بندہ ہے۔ اللہ کے ساتھ تعلق کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی مخلوق کے
ساتھ خیر خواہی کی جائے۔ یہ نہیں کہ وہ دیندار ہو تو اس کے ساتھ خیر خواہی کی جائے۔
حدیث پاک میں آتا ہے خیر الناس من ینفع الناس، اچھا آدمی وہ ہے جو لوگوں کو
نفع پہونچائے چاہے لوگ مسلم ہوں یا چاہے غیر مسلم ہوں۔ چاہے دیندار ہوں چاہے بددین
ہوں، ان کو نفع پہونچانا چاہیے۔ بلکہ ہر مخلوق کو نفع پہونچانا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ
نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نفع پہونچانے میں یہ خیال نہیں
فرماتے کہ یہ مسلمان ہے اس کو نفع پہونچایا جائے۔ یہ غیر مسلم ہے اس کو نفع نہ پہونچایا جائے
اس دنیا میں نفع اٹھانے والے سب ہیں۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں تمام جہانوں کے
رب ہیں۔ چھوٹی سی چیونٹی بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی روزی
دیتے ہیں اس پر بھی رحم فرماتے ہیں۔ کتے اور سور پر بھی رحم فرماتے ہیں۔ انسان
جن پر بھی رحم فرماتے ہیں، بد دین اور دیندار پر بھی رحم فرماتے ہیں، ان پڑھ اور
پڑھے ہوئے پر بھی رحم فرماتے ہیں۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے تو اس کو
بھی سب کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنا چاہیے، سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے، باقی جس شخص کے

اندر اوصاف عالیہ موجود ہیں وہ زیادہ تعظیم کا مستحق ہے۔ اس کی تعظیم اس کی حیثیت کے موافق
کرنی چاہیے۔ لیکن رحم اور خیر خواہی کا معاملہ سب کے ساتھ کرنا چاہیے۔

حدیث پاک میں آتا ہے لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَأْمَنَ جَارُهُ بَوَائِقَهُ
تم میں کوئی شخص ایماندار کہلانے کا مستحق نہیں جب تک اس کے پڑوسی کو اس سے پورا
امن نہ مل جائے۔ اگر پڑوسی ڈرتا رہے کہ نہ جانے میرا یہ پڑوسی کس وقت مجھ پر ستم
اٹھا دے گا، کس وقت میری دیوار گرا دے گا، کس وقت کیا نقصان پہنچا دے گا۔ یہ
بات نہیں ہونا چاہیے۔ اور پڑوسی کے لیے کوئی قید نہیں کہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو۔ سب کا
لحاظ کرنا ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا جب اُن کے یہاں
کوئی اچھی چیز پکتی تھی اُن کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے جب تک
اُس یہودی کے یہاں نہ بھیج دی جائے گی بطور تحفہ کے اُس وقت تک میرے بچے اس
میں سے کچھ نہیں کھا سکتے۔ گھر والوں کو اجازت نہیں دیتا ہوں کیونکہ پڑوسی کا حق بہت
زیادہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اتنی وصیت
کی پڑوسی کے حقوق کی کہ یوں خیال ہونے لگا شاید یہ اس کو میراث میں بھی شریک کر دیں گے
تو پڑوسی کے لیے کوئی قید نہیں کہ مسلم ہو دیندار ہو بلکہ ہر ایک کے ساتھ حق ہے۔ پڑوسی کا
حق مستقل ہے اس کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔ مسافر کا حق مستقل ہے۔ بڑی عمر والے کا
حق مستقل ہے ان کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حقوق بیان فرمائے
یہ تمام زندگی کے شعبوں کو حاوی ہیں۔ کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق تفصیلات
موجود نہ ہوں۔ اور یہ جو چھ نمبر مقرر کیے گئے ہیں یوں نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ چھ نمبر ہی دین
ہے سارا۔ نہیں اس کے اندر جامعیت ہے۔ اور ان چھ نمبروں کے ذریعہ آہستہ آہستہ
راستہ کھلتا چلا جاتا ہے۔ ہر چیز کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی چلی جاتی ہے۔
تبلیغی نصاب اس واسطے پڑھایا جاتا ہے کہ ان چھ نمبروں کے ذریعہ آہستہ آہستہ

راستہ کھلتا چلا جائے اور چیزیں سمجھ میں آجاویں۔ میں نے جو بُری حرکت کی کبھی خیال
نہیں آیا دین کا۔ اب تبلیغ میں پہنچنے کے لئے نکلا ہے تو یاد آتا ہے کہ اوہو! میں نے فلاں
کام بھی کیا تھا، فلاں حرکت بھی مجھ سے ہوئی تھی۔ اس کا بدلہ کیا ہے۔ اس کا حل کیا ہے
میرا نکاح صحیح ہوا یا نہیں۔ میں کس طرح سے اس حق سے دستبردار ہو سکتا ہوں۔ یہ چیزیں
آتی ہیں۔ یہ کیا بات ہے یہ بات دینی ہے۔ چھ نمبر ایسے ہیں جیسے ایک بڑے سمندر کو
کوزے میں بند کر دیا۔ ان کو آدمی کھول کے بیٹھے، پڑھنا شروع کرے، عمل کرنا شروع
کرے۔ آہستہ آہستہ دین کی ہر شاخ سامنے آتی چلی جائے گی۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ
اتنا بڑا سمندر اس کے سینے میں بھر دیں گے کہ ساری زندگی کو حاوی ہوگا اور وہ چلتا
چلے گا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اعلیٰ درجہ کا مقبول ہو جائے گا۔ باقی جس شخص
کو یہ چیز سمجھ میں نہ آوے کہ چھ نمبروں میں کیسے یہ چیز آگئی عمل کر کے دیکھے آہستہ آہستہ
ساتھیوں میں دوسرے لوگوں میں دیکھے دیکھے خود اس کی سمجھ میں آنا شروع ہو جائیگا۔
اس واسطے جب تبلیغ کے واسطے نکلیں ہمیشہ ہر مسلمان بھائی کا اکرام کریں۔ اس کے اکرام
سے کسی بھی وقت غافل نہ رہیں۔ یہ اکرام بڑی دولت ہے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا
محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بڑے جوش میں یاد رکھو: بڑے سے بڑا
عمل ایک مسلمان کی ادنیٰ دل آزاری سے اللہ کے یہاں بے رونق ہو جاتا ہے۔ آدمی کتنا
بڑا عمل کرتا ہے کہ اس کی فضیلتیں احادیث میں موجود ہیں لیکن اس کے ساتھ کسی مسلمان کی
دل آزاری بھی ہوئی تو اللہ تبارک تعالیٰ کے یہاں بے رونق ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک
میں موجود ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ سچا پکا مسلمان تو
وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ نہ ہاتھ سے کسی کو اذیت
پہونچاتا ہے نہ زبان سے کسی کو اذیت پہونچاتا ہے۔ اس واسطے ایذا سے مسلم سے حفاظت
ضروری ہے۔ اکرام مسلم کا لحاظ ضروری ہے۔ جب یہ پہلی جماعت تیار ہوئی حضرت

مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس جماعت کو تربیت دیکر گشت کرایا جگہ جگہ پر یہ جماعت گئی اور پھر اس کو تھانہ بھون بھیجا حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کے وطن اور یہ تاکید کی کہ دیکھو خاص تھانہ بھون نہیں جانا بلکہ آس پاس کے دیہات میں جاؤ۔ سات روز تک وہاں گشت کرو۔ پورے اصول کی پابندی کرو۔ تاکہ جو لوگ حضرت تھانوی کے متعلقین، مریدین آنے والے ہیں ان کی خدمت میں آئیں اور آکر کے تم لوگوں کی خبر دیں۔ جب حضرت تھانوی کو یہ خبر پہونچے گی تو خود ان کے اپنے آدمیوں کے ذریعہ پہونچے گی سات روز تک گشت کرکے پھر جمعہ کی نماز حضرت کے پیچھے جاکر پڑھو اور جاکر حضرت سے عرض کرو کہ کام بہت اونچا ہے۔ ہم لوگ نا اہل ہیں ہماری نااہلیت کی وجہ سے کام خراب نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری نااہلیت کی وجہ سے اس کام کو خرابی سے محفوظ رکھے۔ اور نصیحت اور دعا کو التماس ہے۔ ایسا ہی کیا، جماعت گئی گشت کیا آس پاس دیہات میں اور پھر وہاں سے لوگ آنے شروع ہوئے۔ اور بتایا کہ ایک جماعت ایسی ہے اور وہ یہ کہتی ہے یہ کہتی ہے۔ حضرت مولانا تھانوی نے اپنے آدمی کو بھیجا جاؤ تحقیق کرو کہ کون لوگ ہیں؟ ان کا مرکز کہاں ہے؟ کدھر سے آئے ہیں؟ کیا کہتے ہیں؟ کیا اصول ہیں ان کے؟ وہ تحقیق کر کرکے بتلاتے یہاں تک کہ جب جمعہ کا دن آیا تو یہ لوگ آئے حضرت تھانوی کی خدمت میں اور حضرت نے ان کو روک لیا اور بلا کر ان کی باتیں پوچھیں تم لوگ کون ہو ان کے اصول سارے پوچھے پھر ارشاد فرمایا قائم زمانہ صحابہ رض جیسا طرز ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی طریقہ پر دین کو پھیلایا کرتے تھے۔

پیارے دوستو! جس شخص کو اس میں شرکت کی دولت نصیب ہو جائے وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ بہت خوش قسمت ہے۔ اللہ نے وہ راستہ عطا فرمایا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی ترغیب دی ہے۔

اس واسطے آپ حضرات کے یہاں جو جوڑا ہوا ہے اس سے اب جماعت بن کر نکلیں گی دین کی اشاعت کے لیے بس اس میں پہلی چیز تو یہ ہے کہ یوں سمجھے کہ ہم اپنے دین کی تکمیل کے واسطے اپنے دین کو پختہ کرنے، حاصل کرنے کے لیے نکل رہے ہیں۔ جو ہمارا بڑا ہمیں راستہ بتاتا جائے گا اس سے اپنے دین کی اصلاح کراتے چلے جائیں گے اور جتنا کچھ ہم نے سیکھا ہے اس کو دوسرے کے سامنے پیش کرتے چلے جائیں گے، ہمارے سیکھنے میں جو کچھ غلطی ہے دوسرے بتائیں گے تو اس کی اصلاح کرتے چلے جائیں گے۔ اور ان سب کا ہمارا مقصود ہے اللہ کو راضی کرنا، اللہ کے خزانے سے لینا یہ مقصود اصلی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی ناگوار بات پیش آجائے راستے میں تو اس کو بھی برداشت کرنا، کہیں ڈانٹ ڈپٹ ہوجائے اس کو بھی برداشت کرنا۔ لوگ اپنی مسجد میں ٹھہرنے نہ دیں، نکال دیں، لاٹھی مار کر نکال دیں اس کو بھی برداشت کرنا، لڑنا نہیں۔ مقابلہ نہیں کرنا۔ اس واسطے کہ دین کی خاطر نکلے ہیں، طالب بن کر نکلے ہیں۔ اپنے دین کو ڈھونڈ پھر رہے ہیں۔ پھر اس طریقہ پر چل پھر کر ہمارے دین کا کوئی حصہ کہیں سے ملے گا، کوئی حصہ کہیں سے ملے گا۔ کوئی کسی بزرگ سے کوئی عالم سے کوئی دیندار سے ملے گا ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ جہاں جہاں بھی جو چیز ملتی جارہی ہے اس کو جمع کرتے جارہے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمتوں سے نوازے۔ ہر کام کے لیے پہلے دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اس واسطے کہ سب کے دل تو اللہ کے قبضہ میں ہیں، سب کی زبانیں بھی اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ جس دل کے اندر اس کام سے عداوت ہے کوئی ضروری نہیں کہ وہ عداوت دائمی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ آج عداوت ہو کل اللہ تبارک وتعالیٰ اس کام کی محبت اس کے دل میں ڈالدے۔ جب دل سب کے حق تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں تو پھر مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور عداوت کا مقابلہ، بدلہ عداوت سے نہیں دینا، گالی کا بدلہ گالی سے نہیں دینا۔ بلکہ سلامتی کے ساتھ رہنا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے

حالات میں ہے کہ وہ ایک مرتبہ رات میں اُٹھے۔ انھوں نے غلام کو آواز دی۔ غلام لیٹے ہوئے تھے کہیں ایک فقیر۔ آواز دے رہے ہیں یا غلام، یا غلام۔ تو وہ غلام جاگ رہے تھے مگر سب سوتے بن گئے۔ لیٹے رہے۔ پھر ایک نے کہا کہ ان غلاموں کو قتل کر دو یا پھانسی دیدو۔ دن میں چین نہ رات میں چین۔ ہر وقت یا غلام یا غلام۔ مامون الرشید خلیفہ ہونے کے باوجود خاموش واپس چلے گئے۔ کسی وزیر کو معلوم ہوا۔ وزیر نے شکایت کی بادشاہ سے کہ غلام بہت بد اخلاق ہو گئے ہیں ان کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ خلیفہ نے جواب دیا۔ کیا ان کی بد اخلاقی کو درست کرنے کے لئے میں بد اخلاق بن جاؤں۔ تو بھی اگر کوئی شخص بُری بات کہتا ہے تو جو چیز جس کے پاس ہوتا ہے وہ کہتا ہے۔ ایک شخص کی زبان مانوس ہے بُری باتوں سے اس کی زبان سے تو بُرے ہی الفاظ نکلیں گے۔ اچھے الفاظ کہاں سے آئیں گے۔ اچھے الفاظ سیکھے ہی نہیں بیچارے نے۔ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اچھے الفاظ بولنے کی وہ اچھے الفاظ بولے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گالیوں کا جواب نہیں دیا۔ غصہ کا جواب بھی نرمی سے دیا۔ پیارے دوستو! مسلمان تو اس لئے پیدا ہوا ہے کہ ایثار کرے۔ گالی کھا کر دعائیں دے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے جا رہے ہیں لیکن آپ دعائیں دے رہے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ کسی دریا کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بادشاہت چھوڑ کر چلے گئے تھے فقیری اختیار کر لی تھی۔ دریا میں ایک کشتی تھی۔ اس کشتی میں اس قسم کے سر پھرے لوگ تھے۔ انھوں نے کہا کہ یہاں مجلس رقص ہونا چاہیئے۔ مجلس سرور ہونی چاہیئے۔ گانا بجانا شروع ہو گیا وہاں ضرورت تھی ایک سر پیٹنے کی۔ سر پیٹا گیا کہ جس کو درمیان میں بٹھا لیا جائے ایک شخص ادھر سے چپت مارے اس کے سر پر ایک اُدھر سے مارے۔ ہنسی مذاق

گزرائیں۔ ایسا کون آدمی ہونا چاہیئے۔ تفریح کے لئے آدمی تلاش کرنے کے لیے گئے دیکھا بیٹھے ہوئے ہیں دریا کے کنارے پر حضرت ابراہیم بن ادہم رح۔ سمجھا کوئی پاگل ہے باؤلا ہے۔ پکڑ لائے۔ لاکر کشتی پر بٹھا لیا گیا اور ان کے ساتھ یہ معاملہ شروع ہوگیا چپت مارے۔ کہا ایک نے ادھر سے مارا ایک نے ادھر سے مارا۔ یہ تھے بہت بڑے ولی۔ حدیث میں ہے۔ حدیث قدسی ہے مَنْ اٰذٰی وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے کسی ولی کو اذیت دیتا ہے میرے کسی ولی سے عداوت رکھتا ہے تو میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے۔ خدائے پاک کی شان یہ ہے انہی کو لوگ گالیاں دیتے ہیں، اس کے ساتھ بتوں کو شریک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ رحم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر بھی ان کو روزی دیتے ہیں، کھانے پینے کو دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں کہتے ہیں خدا تعالیٰ موجود نہیں پھر بھی خدا تعالیٰ ان کی روزی بند نہیں کرتے۔ تو خداوند تعالیٰ کی شان میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ تو خداوند تعالیٰ برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن خدائے پاک کے کسی محبوب کسی ولی کو اگر اذیت پہونچائی جائے پھر خدا تعالیٰ اس کو برداشت نہیں کرتے۔ جب حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا تو غیرت خداوندی کو جوش آیا۔ وہاں سے ان کو الہام ہوا کہو تو ہم اس کشتی کو ڈبو دیں، سب کو غرق کر دیں۔ مگر جواب دیتے ہیں اے باری تعالیٰ جس طرح سے آپ کو قدرت ہے ان کو ڈبونے اور غرق کرنے پر، آپ کو یہ بھی تو قدرت ہے کہ ان اندھوں کی آنکھیں کھول دیں۔ ان کو ہدایت دیدیں۔ توجہ کی، جتنے تھے سب کے سب ولی ہو گئے۔ ان حضرات کا تو یہ حال تھا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ اپنے گھر میں تہجد کی نماز میں مشغول تھے۔ کوئی چور آیا۔ آکر گھر میں تلاش کیا، کچھ سامان نہیں ملا۔ ان کے سلام پھیرنے کا وقت آیا تو اسے پریشانی ہوئی کہ یہ دیکھ لیں گے مجھے۔ چھپ گیا وہیں کہیں۔ دوبارہ جب نیت

باندھیں گے تب چلا جاؤں گا۔ ان کو اندازہ ہو گیا کہ اس گھر میں چور ہے۔ انھوں نے اپنی
گدڑی اس کے راستے میں ڈال دی، اور پھر نماز کی نیت باندھ لی تاکہ محروم نہ جائے تو وہ
لوگ دشمنوں کے ساتھ بھی بدخواہوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا کرتے تھے ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا　　دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام　　کہ با دوستانت خلاف است جنگ

میں نے سُنا ہے کہ خدا کے راستے کے مرد کہ انھوں نے دشمنوں کے دلوں کو بھی تنگ نہیں
کیا بلکہ انھوں نے ان کے ساتھ بھی خیر خواہی کی ہے۔ اس واسطے کہ مسلمان تو بدخواہوں
کے ساتھ بھی خیر خواہی کرنے کے واسطے پیدا کیا گیا ہے۔ خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلانے
کے لیے پیدا ہوا ہے، خود مصیبت اٹھا کر دوسروں کو راحت دینے کے لئے پیدا ہوا ہے
اس لیے اپنے مقام کو سوچنا چاہیے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے پوچھا کہ مولوی صاحب
یہ کھیل کود ہو رہا ہے، کرکٹ کھیل رہے ہیں، لوگ شطرنج کھیل رہے ہیں، کیا ہمارا
اس میں کوئی حصہ نہیں۔ ہم کو کھیلنے کی اجازت نہیں۔ میں نے کہا آپ اپنے مقام کو
پہچانئے۔ ایک شخص ہے جو ہوائی جہاز چلانا جانتا ہے۔ ایک بستی میں حملہ ہونے والا ہے
ضرورت ہے اس بستی سے جلدی سے جلدی لوگوں کو حملے سے پہلے پہلے نکال لائے۔ وہ
جہاز لیکر جاتا ہے اور اس کی ڈیوٹی ہے کہ بستی سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نکال کر
باہر لے آئے حملے سے پہلے پہلے تاکہ تباہی بربادی سے بچ جائیں۔ جاتے جاتے کہیں دیکھا
کہ کرکٹ کا میچ ہو رہا ہے۔ اب یہ بیوقوف سمجھے کہ میرا کوئی حصہ نہیں اس کھیل میں ارے
تمہاری ڈیوٹی لگی ہے۔ تمہارے سپرد کیا کام کیا گیا۔ کتنا بلند کام تمہارے سپرد کیا گیا۔ اس
کو چھوڑ کر تم ادھر لگنا چاہتے ہو۔ خدائے پاک نے جو ذمہ داری مسلمان پر عائد فرمائی ہے۔
مسلمان دوسروں کا دیکھا دیکھی اس ذمہ داری کو چھوڑ کر لہو ولعب میں لگنا چاہتا ہے
اس واسطے اپنی ذمہ داری کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

پوری ذمہ داریاں بیان فرمادیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو جمع کیا، محدثین نے ان کو کتابوں میں لکھا اور آپ تک اس کو پہنچا دیا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعًا هَلْ تَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا فَقْرًا مُنْسِیًا اَوْ غِنًی مُطْغِیًا اَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا اَوْ هَرَمًا مُفَنِّدًا اَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا اَوِ الدَّجَّالَ فَشَرُّ غَائِبٍ یُنْتَظَرُ اَوِ السَّاعَةَ فَالسَّاعَةُ اَدْهٰی وَاَمَرُّ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔ جمع الفوائد ص۲۶۴۔

فرماتے ہیں سات چیزوں سے پہلے پہلے عمل کرلو۔ یہ دنیا میدان ہے سعی و عمل کا۔ جو شخص جس قدر سعی و عمل کرے گا اسی قدر ان شاء اللہ اس کو کامیابی ہوگی۔ انہیں ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہیں، پریشانیاں در پیش ہیں اس واسطے فرماتے ہیں کہ سات چیزوں سے پہلے پہلے عمل کرلو۔ کیا تم کو اس کا انتظار ہے کہ فقر آجائے۔ اللہ نے آج تمہیں مال و دولت دے رکھی ہے۔ روپیہ پیسہ پاس ہے اور عمل کرنے میں یہ روپیہ پیسہ مانع ہے کہنے کو پیشہ کا حرج ہوگا، دکان کا حرج ہوگا، ملازمت کا حرج ہوگا۔ کیسے اعمال صالحہ کریں۔ جیسے بعض آدمیوں پر حج فرض ہے مگر دکان کا کوئی خاص انتظام نہیں ہے۔ اس وجہ سے وہ حج نہیں کررہے ہیں۔ اتنا زیادہ مال اللہ نے دے رکھا ہے وہ روپیہ پیسہ پاس ہے اور عمل کرنے میں یہ روپیہ مانع ہے اعمال صالحہ کو تاہی ہے۔ در عذر یہ ہے کہ کاروبار جو ساتھ لگا ہوا ہے اس کا کیا کریں۔ ارے تو کیا اس کا انتظار ہے کہ یہ کاروبار ختم ہوکر فقر آجائے تب عمل کروگے۔ اس لئے مال و دولت کی مشغولی کی حالت میں بھی اعمال صالحہ کرنا چاہیے۔ یہ مال و دولت تو خادم ہے اعمال صالحہ کا، معاون اور مددگار ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ نماز پڑھتے

ہیں روزے رکھتے ہیں۔ یہ جتنے اہلِ دولت اور ثروت ہیں یہ بھی نماز پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں۔ جو کام ہم کرتے ہیں وہ یہ کرتے ہیں لیکن اللہ نے ان کو مال دے رکھا ہے۔ یہ صدقہ خیرات کرتے ہیں ہم صدقہ خیرات نہیں کرپاتے۔ ہمارے پاس مال و دولت نہیں۔ یہ لوگ جنت میں ہم سے آگے چلے جائیں گے ہم پیچھے رہ جائیں گے ان لوگوں کو یہ اشکال تھا کہ یہ مال و دولت والے نیک اعمال کرکے ہم سے آگے آگے جنت میں چلے جائیں گے اور ہم پیچھے رہ جائیں گے۔ ہمارے پاس تو مال و دولت ہے نہیں۔ ہم کہاں سے صدقہ کیا کریں۔ تو انھوں نے مالداروں کی حرص کی یہ اعمالِ صالحہ کی خاطر کہ ان کے پاس مال و دولت ہے یہ اعمالِ صالحہ کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ترکیب بتائی کہ تمہارے پاس مال و دولت نہیں ہے تو تم لوگ دوسرا طریقہ اختیار کرسکتے ہو۔ نماز کے بعد فلاں فلاں چیز پڑھ لیا کرو اور تسبیحات بتلادیں ان لوگوں نے یہ شروع کردی۔ مالداروں نے دیکھا کہ ہمیشہ تو یہ لوگ نماز پڑھ کر چلے جایا کرتے تھے اب بیٹھ کر کچھ پڑھتے بھی ہیں۔ سوچ ہوئی، فکر ہوئی، تفتیش کی۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو حضورؐ نے پڑھنے کے لئے بتلا دیا۔ فلاں فلاں چیز بتادی۔ انھوں نے بھی پڑھنا شروع کردیا۔ ان فقراء اور مساکین کو پتہ چل گیا۔ انھوں نے آکر پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ حضور وہ تو ان مالداروں کو بھی پتہ چل گیا ہے اور وہ بھی پڑھنے لگے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کے فضل کو میں کیسے روکوں۔ مقصد یہ ہے کہ مالداری کی حالت میں بھی آدمی اعمالِ صالحہ کرسکتا ہے حج کے لیے جاسکتا ہے، اللہ کے راستے میں نکل سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ فرصت نہیں، کاروبار کا کیا ہوگا۔ دوکان کا کیا ہوگا، ملازمت کا کیا ہوگا بیچ میں نکلنے سے اللہ کے راستے میں نکلنے سے، بلکہ مالداری کے ساتھ بھی اللہ کی راہ میں نکل سکتے ہیں، اعمالِ صالحہ کرسکتے ہیں۔ یہ نہ سمجھے کہ مال کمانے میں لگا ہوا ہوں کیسے عمل کروں۔

کیا اس کا انتظار ہے کہ فقر آ جائے خدا نخواستہ ۔ پہلے حضرات کا حال مالداری کی حالت میں بھی خرچ کرنے کا بہت کچھ تھا ، اعمالِ صالحہ کرنے کا بہت کچھ تھا ۔ اللہ کے راستے میں مالداری کی حالت میں بھی نکلتے تھے ۔ مال بھی ان کے پاس بہت تھا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ چندہ کی فرمائش کی جہاد کے واسطے ۔ لوگ اپنی اپنی حیثیت سے بہت زیادہ لیکر آئے ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی لائے ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ ہمیشہ حضرت ابوبکر صدیق رض مجھ سے آگے بڑھ گئے ہیں اعمالِ صالحہ میں ۔ آج تو چندہ کا وقت آیا ہے ۔ میرے پاس آج زیادہ وسعت ہے میں ان سے زیادہ لے جاؤں گا ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لیکر آئے ۔ پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ابوبکر گھر میں کیا چھوڑا ۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا ۔ گھر کا جو سامان تھا روٹی پکانے کا سامان توا چمچہ وغیرہ وہ بھی لاکر رکھ دیا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا عمر تم کیا گھر چھوڑ کر آئے ہو ۔ تو انھوں نے بتایا آدھا چھوڑا آدھا لے آیا ۔ بس اتنا تھوڑا فرق ہے دونوں میں ۔ مال و دولت جنت کمانے میں رکاوٹ نہیں بلکہ جنت کمانے میں خادم ہیں بشرطیکہ ان سے خدمت کا کام لیا جائے ۔ اور بھی حسنِ تدبیر سے اللہ کی توفیق سے آدمی کا کام بن جاتا ہے ۔ آپ ہی غور کیجئے قریش نے ایک مرتبہ کمیٹی کی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کہ ہمارے بتوں کو پوجنے نہیں دیتے ، منع کرتے ہیں ، اور کہتے ہیں صرف ایک خدا کی عبادت کرو ، ان کا خاتمہ کر دینا چاہیئے ۔ ایک شخص نے کہا مجھے اتنے روز دو تو میں ان کو ختم کر دوں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے ، حضرت عمر رض تلوار لیکر اٹھے کہ ابھی بات میں جاتا ہوں اس کام کے لئے ۔ تلوار سنبھالی اور چلدیئے ۔ راستے میں ایک صحابی ملے ۔ انھوں نے پوچھا عمر کیا ارادہ ہے ؟ بتلایا کہ حضرت محمد کا سر کاٹنے جا رہا ہوں ۔

انھوں نے کہا اپنے گھر کی بھی خبر لینی ہے، تمہاری بہن اور بہنوئی تو مسلمان ہو گئے۔ بس
جو غصہ تھا اِدھر کا اُدھر کو منتقل ہو گیا۔ گھر پہنچے تو انھوں نے کواڑ کے سوراخ
سے دیکھا کہ حضرت عمرؓ آ رہے ہیں، چہرے پر غصے کے آثار ہیں، تناؤ ہے، ہاتھ میں
تلوار ہے۔ ڈر گئے، گھبرا گئے۔ ایک صحابی جو اُن کی بہن اور بہنوئی کو قرآن پاک پڑھا
رہے تھے وہ بھی مکان کے ایک حصے میں چھپ گئے، اور انھوں نے بھی قرآن پاک کا
وہ حصہ جس پر کچھ لکھا ہوا تھا اٹھا کر چھپا دیا۔ حضرت عمرؓ آئے اور آ کر دروازہ
کھٹکھٹایا۔ انھوں نے دروازہ کھولا۔ پوچھا کیا کر رہے تھے تم، کیا پڑھ رہے تھے۔ کہا
کچھ عربی عبارتیں پڑھ رہے تھے۔ ٹلانا چاہا مگر کیسے ٹلتے۔ ان کو خبر لگ چکی تھی۔ یوں
کہا میں سمجھ گیا، مجھے معلوم ہوا کہ تم مسلمان ہو گئے ہو۔ تو حضرت عمرؓ کی بہن نے کہا کہ
اگر مذہبِ اسلام سچا اور صادق ہو تو اس کے قبول کرنے میں کیا اشکال ہے۔ اس پر
غصے میں بھرے ہوئے تھے اور ایک چپت مارا بہن کو، بہنوئی کی پٹائی کی۔ بہن
بہر حال حضرت عمرؓ کی بہن تھی۔ فرمایا ہاں، ہم نے تو مذہبِ اسلام قبول کیا ہے جو
سچا ہے تمہارا جو جی چاہے کرو۔ اب ان پر ندامت طاری ہوتی ہے کہ میں نے بہن
کو مارا۔ لہٰذا غصہ رخصت ہوا اور کہا میں بھی سننا چاہتا ہوں مجھے بھی سنا دیجئے۔
انھوں نے سنایا۔ اب ان کی کایا پلٹ ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس مقام پہ مقیم
تھے وہاں گئے۔ ان لوگوں نے دیکھا کواڑ کے ریس میں سے کہ عمرؓ آ رہے ہیں۔ حضور
صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی گئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے وہاں۔ حضرت
حمزہ رضی نے فرمایا گھبرانے کی بات نہیں۔ اگر کوئی خیر کا ارادہ لے کر آ رہے ہیں
تب تو ٹھیک ہے ورنہ انہی کی تلوار ہو گی انہی کی گردن۔ اور دروازہ کھولا گیا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا عمر کیا جانا ہے، کب تک اس طرح سے پھرتے رہو گے۔
انھوں نے کہا میں تو اسلام لانے کے لئے آیا ہوں۔ اور اسلام قبول کیا۔ اور اسلام قبول کرتے

ہل کیا کہ چلئے ہم چل کر حرم شریف میں نماز پڑھیں۔ اس وقت تک مسلمان حرم شریف میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اتنی وحشت، اتنی دہشت تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے آگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تلوار لئے ہوئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور بھی صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ سب کے سب گئے ہیں۔ تو جہاں کفار و مشرکین کی کمیٹی بیٹھی ہوئی تھی انتظار میں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سر اُتار کر لائیں گے انہوں نے دیکھا کہ معاملہ برعکس ہے۔ یہ کیا ہوا۔ ایک شخص آیا قریب میں، اس نے آکر کہا یہ کیا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کلمۂ شہادت ادا کیا اور تلوار اٹھا کر کہا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص کسی بُرے ارادے سے آیا تو یاد رکھو اس کا سر اس کے قدموں میں پڑا ہوا ملے گا۔ غرض یہ جو تلوار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر کاٹنے چلی تھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس تلوار سے کیا کام لیا۔ وہی تلوار اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہو گئی۔ جو چیز نقصان دہ ہے اس چیز کو بدل کر نفع کی چیز بنا لینا یہ حکمت کی بات ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ توفیق عطا فرماتے۔ مال و دولت کو آدمی نفع کی چیز بنائے اس طریقہ پر کہ اس سے خدا کی خوشنودی حاصل کرلے، یہ حکمت کی بات ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے چندہ کی تحریک پر مال لے کر بڑی تعداد میں لائے۔ اتنے اونٹ اور اتنی اشرفیاں میری طرف سے بھجوا رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر تھوڑا بھرا ہوا اشرفیوں کا ڈال دیا۔ اتنا وسیع تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اٹھ نہیں رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دیئے ہوئے پیسوں کو دیکھ رہے ہیں اور مسرت کے آثار چہرہ مبارک پر تھے۔ اور فرما رہے تھے کہ آج کے بعد اگر عثمان کوئی نفل عبادت بھی نہ کریں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے اتنا کچھ دے دیا۔ تو مال کو آخرت کمانے کا جنت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا جائے نہ یہ کہ مال کی مشغولیت کی وجہ سے آدمی دنیا کو فراموش

کردے۔ اعمالِ صالحہ سے رُک جائے۔ اس لئے فرماتے ہیں ھَلْ تَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا فَقْرًا مُنْسِیًا۔ آج اللہ نے سب کچھ دے رکھا ہے بے فکری بھی ہے۔ کیا اس کا انتظار ہے کہ سب کچھ دیا ہوا ختم ہو کر فقر آجائے تب عمل کروگے۔

عجیب حال تھا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے ہیں۔ ایسی حالت میں ہجرت کرکے گئے کہ ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ مدینہ طیبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کا بھائی انصار کو بنا دیا تھا۔ جن کو ان کا بھائی بنایا تھا انھوں نے کہا کہ دیکھو بھائی عبدالرحمٰن حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تم کو ہمارا بھائی بنایا ہے۔ میرے مکان میں جتنی چیزیں ہیں سب کی سب آدھی تمہاری آدھی میری۔ میرے پاس دو بیویاں ہیں۔ یہ تو مناسب نہیں کہ ایک بھائی کے پاس دو بیوی رہیں اور ایک خالی رہے۔ ان دونوں کو دیکھ لو۔ جو تمہیں پسند ہو اس کو میں طلاق دے دوں گا۔ اس کی عدت ختم ہونے کے بعد تم اس سے نکاح کرلینا۔ یہ تو انھوں نے بھائی ہونے کا حق ادا کردیا۔ اُدھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بلند حوصلہ کے تھے۔ انھوں نے کہا نہیں بھائی تمہارا مال بھی تم کو مبارک ہو، تمہاری بیوی بھی تم کو مبارک۔ مجھے کچھ دھندہ کرنا آتا ہے۔ لہٰذا آپ راستہ بتا دیں۔ انھوں نے دھندہ کیا۔ اللہ نے برکت دی۔ آہستہ آہستہ بہت بڑھ گئے۔ یہاں تک ہوگئے کہ امیر صحابہ میں سے ہوگئے۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک ہزار گھوڑے ان کی ملکیت میں تھے۔ جنگل کا جنگل بھرا ہوا تھا ان کے گھوڑوں سے۔ ایک ہزار اشرفی روزانہ کی آمدنی تھی۔ اور یہ گھوڑے تجارت کے واسطے نہیں تھے۔ یہ گھوڑے کس کام میں آتے تھے۔ جہاد کا اعلان ہوا۔ ایک شخص نے

آکر کہا میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں میرے پاس گھوڑا نہیں ہے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تو میرا گھوڑا۔ تو میری تلوار۔ ایک ہزار آدمیوں کو گھوڑے دیئے۔ ایک ہزار آدمیوں کو تلواریں دیں۔ اب جب میدان جہاد میں جارہے ہیں تو یہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اکیلے نہیں ہیں بلکہ ایک ہزار اور ہیں۔ اس لئے کہ جتنا جہاد یہ لوگ کریں گے جوان کے گھوڑوں پر سوار ہیں اور ان کی تلواریں ان کے ہاتھ میں ہیں ہر ایک میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضہ کا پورا پورا حصہ ہے۔ اتنے بڑے حق کمانے والے۔ مال و دولت سے دل اٹکا ہوا نہیں تھا۔ جیسے مولانا عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم نے بیان فرمایا تھا کہ مال کی جگہ باہر ہے اندر نہیں۔ جیب میں رکھی ہے صندوقچی میں رکھی ہے، بینک میں رکھی ہے۔ مگر باہر رکھی ہے دل میں نہیں۔ جیب میں رکھی ہے اگرچہ وہ جیب دل کے قریب ہو۔ لیکن دل کے اندر نہیں ہونی چاہیئے۔ اس کی مثالیں اور نظیریں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مبارک زندگیوں میں بڑی کثرت سے ملیں گی۔ مالدار ہونے کے باوجود اُن حضرات کو ادنیٰ سا بھی تعلق مال سے نہیں تھا۔ کہ اس کی وجہ سے عبادت میں کمی ہو، کوئی کاوٹ پیدا ہو کر اس میں لگ کر جماعت چھوٹ جائے تکبیر اولیٰ فوت ہو یا کوئی نماز قضا ہو جائے۔ یہ بات نہیں تھی۔ ایک صحابی چلے جارہے ہیں، ایک جنگل میں، ایک کھیت میں سے گزرے۔ جہاں سے ایک نوجوان لڑکا اٹھا۔ اس نے کہا چچا میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ انھوں نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ پھر اس نے کہا کہ میں نے جو کاغذات دیکھے حساب دیکھا، والد صاحب کے اتنے روپے آپ کے ذمہ واجب ہیں اُن صحابی نے کہا اچھی بات ہے جب دل چاہے آکر لے لینا۔ اپنے آدمی سے کہہ دیا کہ جب وہ لینے کے لئے آئیں دے دینا۔ اس کے بعد پھر اس

طرف سے گذر ہوا تو وہ لڑکا اُٹھا اور کہا کہ چچا میرے حساب کے سمجھنے میں غلطی ہو گئی وہ اتنے میرے والد کے آپ کے ذمہ واجب نہیں بلکہ یہ تو آپ کے ہیں میرے والد کے ذمہ۔ انھوں نے کہا اچھا میں نے معاف کیا۔ کہنے لگا معافی کیسی میں تو دوں گا۔ انھوں نے فرمایا اچھی بات دے دو۔ اس نے کہا سب تو ہے نہیں تھوڑے سے دوں گا۔ اچھی بات تھوڑے سے دیدو۔ اس نے کہا روپے تو ہیں نہیں یہ زمین کا ٹکڑا لے لو۔ انھوں نے کہا۔ بہت اچھا۔ اُس نے زمین کا ٹکڑا دے دیا۔ انھوں نے اس میں مصلیٰ بچھا کر دو رکعت نماز پڑھ لی اور چل دیئے۔ اُسے وقف کر دیا۔ بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ وہ لڑکا کہتا ہے کہ میرے والد کے اتنے آپ کے ذمہ ہے۔ اس پر بھی کہدیا بہت اچھا۔ کوئی حساب کتاب دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ تھے اِن کے اُس کے ذمہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن حضرات کا دل مال کے ساتھ اٹکا ہوا نہیں تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جو وفات ہوئی ہے شراح حدیث کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۵ کروڑ کا ترکہ چھوڑا انھوں نے اور تقریباً ۲۲ لاکھ کا قرضہ چھوڑا۔ اس طریقہ پر امانتدار تھے لوگ ان کے پاس اپنی امانتیں رکھتے اور فرماتے کہ میں بعینہ اس کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنے رجسٹر میں لکھ لیا ہے باقی جب ضرورت ہوا کر لے لینا۔ اور پھر اس کو خرچ کر دیتے۔ مال سے بے تعلقی کا یہ عالم تھا ان حضرات کا۔ ان حضرات کی پاکیزہ زندگی کو تلاش کر کے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ کبھی مال کی مشغولی کی وجہ سے نماز قضا نہیں ہوئی۔ دین کا کوئی کام نہیں چھوڑا۔ جہاد میں جانے سے تبلیغ کے اللہ کے راستہ میں جانے سے کبھی نہیں رکے۔ اس لئے ہم سب کو اس کام کو کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہیں کہ ایک وقت کے بیان میں شریک ہو گئے دوسرے وقت چل دیئے اور شریک نہ ہوئے۔ تعلیم ہوتی ہے اس میں بھی بیٹھنا ہے۔ مشورہ ہے جس جس کو طلب کیا جاوے اس میں بھی شریک ہونا چاہیئے۔ تقریر ہے اس کو بھی سننا

چاہیئے۔ گشت ہے جن کے لئے تجویز کیا جاوے گشت میں بھی شرکت کرنا چاہیئے۔ اگر کسی نے ایک کام میں شرکت کرلی دوسرے میں شرکت نہیں کی، وہ ایسے ہی ہے جیسے کسی حکیم نے ایک نسخہ لکھا اس میں دو دوائیں تو استعمال کرلیں تیسری دوا کو چھوڑ دیا نسخہ کا کل بے فائدہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ آمین!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اے اللہ ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ چھوٹے بڑے سب گناہوں کو بخش دے۔ اے اللہ تیری رحمت بہت وسیع ہے۔ یہ مبارک مہینہ ہے۔ اس مبارک مہینے کی قدر دانی نصیب فرما۔ اے اللہ جن لوگوں نے نام لکھوائے ہیں ان کے حوصلے بلند فرما۔ زیادہ سے زیادہ دور تک اور دیر تک وقت دینے کی توفیق عطا فرما۔ ان کے اندر پختگی عطا فرما۔ یا ارحم الراحمین ان سب کو قبول فرما۔ اے اللہ جنہوں نے نام نہیں لکھائے ان کو نام لکھانے کی توفیق عطا فرما۔ جن کو واقعی عذر ہے اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے عذر کا انتظام فرما۔ جن کو واقعی عذر نہیں ہے محض حیلہ بہانہ بنا رہا ہے اے اللہ اس حیلہ بہانہ بنانے والے کے جی میں اس کام کی ہمت کو ڈال دے، ان کو سمجھا دے کہ یہ حیلہ بہانہ بنا رہے ہیں۔ دین کا کام کرنا چاہیئے۔ اے اللہ ہمارے اخلاق کی حفاظت فرما، ہمارے اعمال کی بھی اصلاح فرما، ہمارے عقائد کی بھی اصلاح فرما۔ اے اللہ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو [illegible]۔ ہم سب کو رحمت کے سایہ میں لے لے۔ الٰہی یہ تمام فضا جو گناہوں سے بھری ہوئی ہے ان سب کو رحمت اور مغفرت سے بھر دے۔ اے اللہ اپنے ذکر کی پوری توفیق عطا فرما۔ اے اللہ مسلمانوں کے قلب میں نور ایمان عطا فرما۔

اے اللہ اس نور میں قوت عطا فرما۔ اس نور کے ذریعہ اعمال کو روشن فرما۔ اہل ایمان
ہر قسم کے فتنوں سے حفاظت فرما۔ اے اللہ تمام مریضوں کو صحت عطا فرما۔ جسمانی
صحت بھی عطا فرما۔ روحانی صحت بھی عطا فرما۔ اے اللہ سب کو اتباع سنت کی
پوری پوری توفیق عطا فرما۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا
عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمْ
بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

تمت بالخیر بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

تبلیغ کی اہمیت

حکم ہوتا ہے۔ الیکشن کی سیٹ لڑنے کے حاصل کی جاتی ہے۔ رسالت تو کسبی نہیں بلکہ
اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ

اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں میں رسول کو بناتا ہوں۔ لوگوں کے کہنے کا نہ یہ موقوف نہیں، کسی کی مرضی پر کچھ بھی موقوف نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود اس کی صلاحیت عطا فرماتے ہیں۔ اس کا علم عطا فرماتے ہیں۔ اس کی ہمت و قوت عطا کرتے ہیں۔ تو ایسا رسول اگر کچھ بھول جائے۔ کچھ نہ بھولے۔ ایک بات جو کہ نہ بھولنا ہے وہ رکھئے۔ اگر ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بات صحیح نہیں فرمایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کہا ایسی بات صحیح نہیں۔ رسول کی شان یہ نہیں کہ کچھ چھپا لے۔ اور نہ یہ شان ہے کہ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فرمایا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ارشاد ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ

اور اگر یہ ہمارے ذمہ کچھ باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ہم ان کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے۔ (از بیان القرآن)

اگر ہماری طرف غلط بات منسوب کرتا تو ہم اس کی گردن اڑا دیتے۔ اس لئے رسول نہ غلط بات اللہ کی طرف سے کہہ سکتا ہے نہ اللہ کی بات چھپا سکتا ہے۔ اور چھپانے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ وجہ یہ ہو سکتی ہے ایک یہ کہ لوگوں کا خوف کہ وہ اذیت پہنچائیں گے اور ایک یہ کہ لوگ قبول نہ کریں

ایمان نہ لائیں تو محنت بیکار جائے۔ تو دونوں چیزوں کو صاف کر دیا گیا۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو راہ نہیں دیں گے۔ (از بیان القرآن)

پچھلے انبیاء کے ساتھ بھی دونوں قسم کی چیزیں پیش آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہوا۔ کیسی کیسی پریشانیاں اٹھائیں۔ بیوی کے ساتھ گھر سے نکلے ہجرت کر کے۔ ایک جگہ ظالم بادشاہ کے علاقے سے گزرے۔ اس نے بیوی چھین لی۔ کیسے رہے۔ کوئی حمایت کرنے والا دوسرا نہیں تھا۔ جان پہچان نہیں ہے۔ کہیں تو ٹھکانا نہیں رہنے کے لئے۔ اللہ نے بیوی کی بھی حفاظت کی۔ اللہ نے اولاد دی۔ بچے کے ساتھ بیوی کو بھی وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ دینے کا حکم ہوا۔ وادیٔ غیر ذی زرع کہ جہاں پر کوئی کھیتی نہیں۔ کوئی پتہ موجود نہیں۔ کوئی درخت موجود نہیں۔ ایسی خشک زمین میں چھوڑنے آئے۔ بیوی کہتی کس کو چھوڑنے آئے ہو۔ یہاں کیوں چھوڑے جا رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ بولتے نہیں۔ کہیں کہ اللہ ہی کا حکم ہو گا۔ پوچھا کہ کیا اللہ کا یہ حکم ہے۔ فرمایا ہاں۔ تب مطمئن ہو گئیں۔ کہ اللہ پاک ہم کو ضائع نہیں کرے گا۔ پالنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ بچے کا دم نکلنے کو قریب تھا پیاس کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ اللہ نے فضل فرمایا۔ زمزم کا کنواں جاری فرمایا۔ بچے کی پرورش ہوئی۔ بچے جب بڑا ہو گیا بیت اللہ کی تعمیر کی۔ پھر کہا گیا کہ ذبح کرو بیٹے کو۔ بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا۔ قربانی کرنے کے لئے گئے۔ چھری چلتے تھے مگر نہیں چلتی۔ اللہ کا فضل شامل حال تھا۔ جنت سے دنبہ سامنے ڈال کر۔ اس کے اوپر چھری چلوائی۔ یہ قربانی ہوئی۔ پھر دشمن نے پریشان کیا۔ لکڑی جمع کرائی۔ آگ جلائی۔ شعلے بلند ہو رہے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا۔ مگر آگ گلزار بن گئی۔ سلامتی بن گئی ٹھنڈک بنا دیا۔

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ

ہم نے حکم دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی اور بے ضرر ہو جا ابراہیم کے حق میں۔

(از بیان القرآن)

غرض انبیاء علیہم السّلام کو ستایا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو کیسا ہوا۔ پیدا ہوئے تو ایسے وقت میں پیدا ہوئے جس وقت بچے قتل کر دیئے جاتے تھے۔ جس کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوتا تھا اس کو اسی وقت قتل کر دیتے، حفاظت کے لئے اس بچے کو کیا کیا، صندوق میں رکھ، سمندر میں ڈال دیا گیا، جہاں کوئی حفاظت کرنے والا نہیں تھا، مگر اللہ کے حکم سے ڈالا، سمندر کے پانی نے نہیں ڈبویا جس کے خوف سے سمندر میں ڈالا تھا موسیٰ علیہ السّلام کا صندوق اسی کے یہاں پہنچا۔ فرعون کے گھر اب پریشانی ہوئی، وہ قتل کروا دے گا، لیکن وہ تو اللہ کے قبضے میں ہے، فرعون کے دل میں محبت ڈال دی اللہ نے، فرعون کی بیوی کے دل میں محبت ڈال دی۔ کہا اس نے

لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا۔ — اس کو قتل مت کرو عجب نہیں کہ ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اس کو بیٹا ہی بنا لیں۔

(بیان القرآن)

اسے مت قتل کرو ہم اسے بیٹا بنا دیں گے۔ اللہ نے حفاظت فرمائی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی۔ سمندر میں وہاں بھی حفاظت فرمائی۔ فرعون کے گھر پہنچ گئے لیکن فرعون قتل کا دعویٰ کرتا تھا، فرعون کو کسی کاہن نے بتایا تھا کہ بچہ پیدا ہوگا بنی اسرائیل میں، تیری سلطنت کا تختہ الٹ دے گا۔ فرعون نے کہا جینے نہ دو، جو بچہ پیدا ہو جائے گا اس کو قتل کر دینا۔ ستر ہزار بچوں کو قتل کر دیا ہے مگر جسے بچانا تھا اللہ کو وہ بچ رہا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کی گود میں آ گئے۔ جب گود میں آ گئے وہاں دودھ پلانے والی کی ضرورت پیش آئی۔ جس عورت کو دودھ پلانے کے لئے لایا جائے بچہ اس کا دودھ نہیں پیتا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا فرعون کے گھر میں آنا جانا تھا۔ کہنے لگی میں تم کو بتاؤں ایسے گھرانے کا پتہ جو بچے کو دودھ پلائے، پرورش کرے۔

چنانچہ اپنی ماں کا نام بتا دیا۔ ان کی ماں کو بلایا گیا۔ ماں نے کہا ہاں میں پلاؤں گی دودھ لیکن مفت نہیں تنخواہ لوں گی۔ اور یہاں رہ کر نہیں بلکہ اپنے گھر لے جاؤں گی، وہاں رکھوں گی۔ تو فرعون نے سارے شرائط منظور کر لیے۔ ماں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلایا۔ بڑے ہو کر اللہ کے دین کی دعوت دی۔ فرعون نے ہر طرح مخالفت کی نقصان پہنچانا چاہا لیکن نہیں پہنچا سکا۔ سارے انبیاء کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ لیکن اللہ پاک انبیاء کی حفاظت کرتے رہے۔ کیونکہ تمام اشیاء اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ وہ چاہیں تو چیزوں میں تاثیر ہے اور چاہیں تو چیزوں میں سے تاثیر کو نکال لیں۔ آگ میں تاثیر ہے جلانے کی لیکن حق تعالیٰ کی دی ہوئی تاثیر ہے حق تعالیٰ جب چاہیں اس کو نکال لیں۔ چھری میں تاثیر ہے ذبح کرنے کی۔ لیکن حق تعالیٰ چاہیں گے تو وہ تاثیر ذبح کرنے کی رہے گی اور جب چاہیں وہ تاثیر نکال لیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چھری نے ذبح نہیں کیا۔ کیونکہ اللہ کا حکم ذبح کرنے کا نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ جلا نہ سکی۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے قرآن پاک میں مذکور ہیں کہ کس طرح سے اللہ پاک نے حفاظت کی۔

اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی حفاظت کی۔ کشتی میں جا رہے تھے، سمندر میں ڈال دیے گئے، مچھلی نے نگل لیا۔ مچھلی لے کر سمندر کی تہہ میں بیٹھ گئی۔ پیٹ میں یونس علیہ السلام موجود، لیکن ہضم نہیں کر پائی۔ کوئی ذرہ کوئی عضو ان کا توڑ نہیں پایا سکی۔ مچھلی خود پریشان کہ میرے پیٹ میں کیا چیز آگئی، یہ کس طرح باہر نکلے گی۔ غذا تھوڑا ہی تھی وہ تو اللہ کی امانت تھی۔ بہرحال وہ بھی مچھلی کے پیٹ میں یہ آیت کریمہ

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ — کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں میں بیشک قصوروار ہوں۔ (بیان القرآن)

پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ مچھلی نے بڑے ادب سے ان کو زمین پہ پیٹ میں سے نکال دیا۔

نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم ہوا، وہ اپنے آدمیوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو گئے طوفان آگیا، ساری دنیا تباہ ہو گئی، غرق ہو گئی، بس کشتی والے بچ گئے۔

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔ اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ ظالم لوگ رحمت سے دور۔ (از بیان القرآن)

اور طوفان سے پہلے حجر اسود کو پہاڑی پر رکھ دیا تھا وہ محفوظ رہا۔ اس پہاڑی کا نام جبل ابین تھا۔

غرض طوفان غرق نہیں کر پایا نوح علیہ السلام کو، دریا غرق نہیں کر پایا موسیٰ علیہ السلام کو، چھری ذبح نہیں کر پائی اسماعیل علیہ السلام کو، مچھلی ہضم نہیں کر پائی یونس علیہ السلام کو۔ اس واسطے کہ ساری مخلوق حق تعالیٰ کے ماتحت ہوتی ہے۔ جس طرح حق تعالیٰ چاہیں گے اسی طرح ہوگا۔ اسی لئے فرماتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافروں کو راہ نہیں دیں گے۔ از بیان القرآن۔

ابراہیم علیہ السلام دعوت دیتے تھے اپنے باپ کو اور سب لوگوں کو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی طرف، بتوں کو پوجنے سے منع کرتے تھے۔ اور پیدا کہاں ہوئے ابراہیم علیہ السلام؟ آزر کے گھر میں جو بت تراش تھے بت بنایا کرتے تھے، فروخت کرتے تھے، ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے، اس کے گھر میں پیدا ہوئے۔ اپنے استاذ سے بچپن کے زمانہ میں سنا، کتاب میں نہیں دیکھا۔ استاذ کو فرماتے ہوئے سنا جب میں قرآن شریف پڑھتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ بت بناتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام سے کہتے تھے کہ جاؤ ان کو بیچ کر آؤ بازار میں۔ تو ابراہیم علیہ السلام بت کی ٹانگ میں رسی ڈال کر گھسیٹ کر پھرا کرتے تھے، گلی کوچوں میں اور آواز لگاتے تھے کہ جس چیز سے دین و ایمان کھو جاتا ہو وہ لے لو۔

گھسٹتے گھسٹتے کسی کی ناک ٹوٹ گئی، کسی کا کان ٹوٹ گیا۔ گارے میں کیچڑ میں لیے گئے۔ شام کو گھر واپس آگئے تو کہا کہ کوئی خریدتا نہیں۔ یہ تو بکے نہیں۔ باپ کہتے بیٹا! کہیں اس طرح سے سامان بکا کرتا ہے؟ پھر ان کو دھوتے صاف کرتے درست کرتے۔ پھر جب ان کے یہاں کسی عید اور خوشی کا دن تھا تو لوگ کہیں گئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بُت خانے میں جاکر وہاں پر جو بُت تھے کسی کی ناک توڑ دی، کسی کا سر توڑ دیا۔ اور جو بڑا بُت تھا اس کے اوپر کلہاڑا رکھ۔ جب وہ لوگ آئے اور دیکھا تو کہا کس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ. قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ

کہنے لگے کہ یہ ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کیا اس میں کوئی شک نہیں ہے اس نے بڑا غضب کیا۔ بعض نے کہا ہم نے ایک نوجوان آدمی کو جس کو ابراہیم کر کے پکارا جاتا ہے (از بیان القرآن)

تو کہا کہ ایک لڑکا ایسا ہے جس کا نام ابراہیم ہے وہ ان کی مذاق کرتا رہتا ہے اس کو بلا کر لاؤ۔ ان کو بلا کر لے آئے تو انھوں نے کہا۔

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ.

بلکہ ان کے اس بڑے نے کی سو ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔ (بیان القرآن)

کہ یہ جو بڑا بُت ہے اس کے کندھے پر کلہاڑی ہے اس سے پوچھو۔ انھوں نے کہا تم تو جانتے ہو کہ یہ بات نہیں کرتے۔

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ.

اے ابراہیم تم کو تو معلوم ہی ہے کہ یہ بُت بولتے نہیں۔ (بیان القرآن)

تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا وہ معبود ہو سکتے ہیں جو بولتے نہیں، بول نہیں سکتے۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام پر بھی طرح طرح کی آزمائشیں آئیں۔

ایک پیغمبر کے سر پر آرہ بھی چلا یا گیا۔ اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا حال تھا جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپ مکہ میں ایک پہاڑی پر چڑھ گئے کوہ صفا پر۔ وہاں آ کر آپ نے لوگوں کو نام لے لے کر پکارا، سب آ گئے، جب سب سامنے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل بطور امتحان پوچھا ایک بات بتاؤ۔ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن پڑا ہوا ہے تم پر حملہ آور ہوگا، ختم کر ڈالے گا۔ اگر تم جان بچانا چاہتے ہو تو فلاں راستہ اختیار کر لو۔ کیا تم سچا مانو گے یا نہیں؟ سب نے کہا سچا مانیں گے۔ کیونکہ چالیس سال کی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی سامنے تھی۔ کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ کبھی کسی کو دھوکہ نہیں دیا تھا۔ چالیس سال کی مبارک اور پاکیزہ ممتاز زندگی نظروں میں تھی۔ تب آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ اس دنیا کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جس کا نقصان سب سے بڑا نقصان اور نفع بہت بڑا نفع ہے۔ اس پر ایمان لے آؤ۔ تو وہ سب مخالف ہو گئے۔ سب سے زیادہ مخالفت کا نعرہ لگانے والا ابولہب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا لیکن سب سے پہلا اسی نے مخالفت کی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کسی جگہ تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے تھے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا اے لوگو لا الٰہ الا اللہ کہو تم کو کامیابی ملے گی سب سے پہلے کلمہ طیبہ کی ہی دعوت دی۔ وہ (ابولہب) پیچھے جاتا تھا اور کہتا۔ لوگو ان کی بات مت مانو یہ غلط کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول پھر بھی کہتے رہتے لوگوں سے کہ لا الٰہ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے۔ ان کی مخالفت کی وجہ سے اس دعوت سے رکے نہیں۔ حق تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی۔ یاد رکھو کسی بھی نبی نے ماحول کی مخالفت کے سامنے اپنی دعوت ترک نہیں کی، ماحول سے متاثر نہیں ہوئے، بلکہ دعوت دیتے رہے چاہے ان کی جان بھی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تبلیغ شروع کی، تو خاندان کے لوگ محلے کے لوگ بستی
کے لوگ سب مخالف ہو گئے۔ بہت سے تو سختی کرتے تھے تشدد کرتے تھے۔ ایک دفعہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے پاس جمع ہوئے ان سے کہا کہ تمہارا بھتیجا کہتا ہے کہ ان
بتوں کو معبود مت بناؤ، ان کے سامنے عاجزی مت کرو۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی
عبادت مت کرو۔ باپ دادا کے وقت سے ہم لوگ بتوں کو پوجتے آئے ہیں۔ آپ
اپنے بھتیجے کو سمجھا دیں کہ وہ اگر امیر بننا چاہتے ہیں تو ہم انہیں اپنا امیر تسلیم کر لیں گے
اور اگر ان کو مال کی خواہش ہے تو مال کے ڈھیر ان کے سامنے لگا دیں۔ اور اگر ان
کو عورتیں مطلوب ہیں تو جس عورت سے چاہیں شادی کر لیں مگر یہ کلمہ توحید نہ کہیں۔
چچا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی گفتگو سنائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا اگر میرے ایک ہاتھ میں چاند رکھ دو دوسرے میں سورج تب بھی میں اس
دعوت سے باز نہیں آؤں گا۔ ان سے کہہ دیجئے مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ مجھے اجر بھی نہیں
چاہیے، مجھے معاوضہ نہیں چاہیے، صرف اللہ کے واسطے دین کو پہنچانے کیلئے آیا ہوں۔
ایک بات معلوم ہوئی کہ اگر کسی جگہ تبلیغ کے لئے گئے اور لوگ قبول نہیں کرتے۔
قسم قسم کے اعتراضات کرتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ تو دیوانہ ہے، ہماری حیثیت ہی کیا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراضات کئے لوگوں نے۔ آپ اپنا کام کرتے رہتے
اعتراضات ہمیشہ سے ہوتے آئے ہیں اور نہ ماننا بھی ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔
بعض لوگوں نے پیغمبروں تک کی بات نہ مانی۔ لیکن بات یہ ہے کہ نبی کا کام منوانا نہیں
ہے، جتلانا ہے، وہ بات حق کو پورے طور پر سمجھانا ہے، لوگوں کے سامنے کھول کر
بیان کرنا ہے، اللہ کی بات کو اچھی طرح واضح کرنا ہے۔ تاکہ بات لوگوں کی سمجھ میں
آئے کوئی مانے یا نہ مانے۔ اس کی ذمہ داری نبی پر نہیں۔ حدیث شریف میں آتا
ہے کہ جب جنت میں جنتی داخل ہوں گے کچھ انبیاء ایسے ہوں گے جن کے ساتھ کوئی

بھی ماتی نہ ہوگا۔ آدمی بلکہ ساری زندگی اللہ کے دین کی تبلیغ کی لیکن کوئی ایمان نہ لایا
ان پر مگر اس کی وجہ سے ان کی نبوت میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اللہ کے قرب میں کوئی کمی
نہیں ہوئی۔ اسی طرح سے مقرب ہیں اللہ کے نزدیک۔ آپ بتائیے اگر کسی سپاہی کو
بندوق دے کر کھڑا کر دیا جائے کسی بینک کے سامنے حفاظت کے واسطے تاکہ چور ڈاکو
آئے تو اس کو پکڑ لے۔ وہ ساری رات وہ کھڑا رہے لیکن ایک بھی چور نہ آئے تو
کیا اس سپاہی کو تنخواہ نہیں ملے گی کہ اس نے چور کو پکڑا نہیں ہے۔ جب چور آیا ہی
نہیں تو پکڑے گا کہاں سے۔ غرض کام کرتا رہے۔ اللہ کی یاد میں لگا رہے۔ اور یہ
یقین رکھے کہ اللہ کرنے والے ہیں، مدد دینے والے وہی ہیں، مخالفت سے گھبرائیں
نہیں، حفاظت تو وہ اللہ کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے، ایک جگہ قیام
کیا۔ ایک سایہ دار درخت کے نیچے تلوار درخت پر لٹکائی۔ آرام کرنے لگے۔ ایک
بدوی آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہا ہے۔ بتاؤ اے محمد تم کو میرے ہاتھ
سے کون بچائے گا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اطمینان سے فرمایا کہ اللہ بچائے گا۔ بس
یہ سننا تھا کہ اس بدوی کے اوپر کپکپی طاری ہو گئی۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی۔ فرمایا اے اللہ کے دشمن! اب تو بتا کہ تجھ کو کون بچائیگا
اس نے کہا۔ افسوس مجھ کو کوئی بچانے والا نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ چلا تو
وہ دوڑے ہوئے آئے۔ کسی نے کہا اس کو قتل کر دو۔ کسی نے کچھ اور کہا۔ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس نے قتل تو نہیں کیا، قتل کی دھمکی ہی تو دے رہا تھا۔ قتل کا ارادہ
ہی تو کر رہا تھا۔ قتل کیا تو نہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمایا۔

غرض حوصلہ بلند ہونا چاہئے اس شخص کا جو تبلیغ کے لئے نکلتا ہے۔ اللہ کے رسول
صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی تبلیغ کے لئے صحیح طور پر سمجھ کر نکلتا ہے تو
ہر چیز میں اس کے لئے بڑا اطمینان ہے۔ کہیں اذیت پہنچتی ہو، تکلیف بھی پہنچتی ہو

اس سے بھی مطلب ہے۔ کیونکہ جانا جاتا ہے کہ ہر تکلیف میں ہماری خطائیں معاف ہوتی ہیں جیسے
دھوبی کپڑے کو پتھر پر زور سے مارتا ہے اس کا میل نکالنے کے لئے۔ اسی طریقے پر ہمارے
لئے یہ جتنی پریشانیاں آتی ہیں تاکہ ہماری لغزشیں دور ہو جائیں، ہماری خطائیں معاف
ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں کسی بندے کو پاک صاف کرکے اٹھائیں، کوئی گناہ
اس بندے پر ہے تو اس پر دنیا کی تھوڑی سی پریشانیاں ڈال دیتے ہیں۔ تاکہ وہ پریشانیاں
برداشت کرتا رہے تو بہ کرتا رہے یہاں تک کہ ساری خطائیں اس کی معاف ہو جائیں۔
پاک صاف کرکے اس کو اٹھا لیا جاتا ہے وہاں کوئی سزا کوئی عذاب نہیں ہوتا۔

اس واسطے تبلیغ میں نکل کر یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ چلے کے بعد تکلف سے مالا مال کی
ہوگی بلکہ دین اور اس کی ترقیوں کے لئے نکلتا ہے۔ صحیح طریقہ کو اختیار کرنے کی ضرورت
ہے کہ اس طرح پر یہاں جتنی بھی قربانی دی جاتی ہے اس میں کوئی زوال و نقصان کا اندیشہ
نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو
دس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ وفد کی شکل میں ایک نصرانی بادشاہ کے پاس بھیجا نصرانی
بادشاہ نے ان سب کو قید کر لیا۔ حالانکہ قاصد تھے سفیر تھے۔ سفیر کو قید کرنا کبھی نہیں آیا۔
مگر قید کر لیا۔ پھر ایک روز ان کو بلایا۔ جاکر کہا حضرت عبداللہ بن حذافہ کو کہ تم نصرانی
مذہب اختیار کر لو۔ اسلام چھوڑ دو تو تم کو آدھی سلطنت دے دوں گا۔ وہ کہنے لگے
تیری سلطنت کی حیثیت ہی کیا ہے جس کی خاطر میں مذہب اسلام کو چھوڑ دوں۔ لا حول
ولا قوۃ الا باللہ۔ بادشاہ نے کہا اچھا مجھے سجدہ کر دو آدھی سلطنت دے دوں گا۔ انھوں نے
فرمایا کہ یہ پیشانی صرف خدا کے سامنے جھکتی ہے کسی اور کے سامنے نہیں جھک سکتی۔ بادشاہ نے
قید خانہ میں سے ایک قیدی کو بلایا اور آگ جلوا کر اس پر پانی گرم کیا اس میں بھروا دیا۔
جب پانی خوب کھولنے لگا اور جوش مارنے لگا تو لوگوں کو حکم دیا کہ اس قیدی کو اس میں ڈال دو

قیدی کو اس میں ڈال دیا گیا تو دمدمہ، جس سے اس کی ہڈی پسلی پانی میں الگ ہو کر رہ گئی اور تڑپ تڑپ کے مر گیا۔ پھر حضرت عبداللہ بن حذافہؓ سے کہا کہ دیکھو یا تو مجھے سجدہ کرو ورنہ یاد رکھو اس طرح کھولتے ہوئے پانی میں جلا کر ختم کر دوں گا۔ انھوں نے جواب دیا کہ تیرا جو جی چاہے کر، میں ہرگز سجدہ نہیں کروں گا۔ بادشاہ نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ لے جاؤ ان کو بھی اسی طرح کھولتے ہوئے پانی میں ڈال کر ختم کر دو۔ سپاہی ان کو لے کر چلے۔ یہ راستے میں رو رہے تھے۔ ان سپاہیوں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ یہ قیدی رو رہا ہے بادشاہ نے کہا اس کو بلاؤ۔ آپ آئے تو بادشاہ نے پوچھا کہ سجدہ کرنے کے لیے تیار ہوگیا، دماغ کا پارہ کچھ اتر گیا۔ آپ نے جواب دیا بالکل نہیں۔ پوچھا کیا بیوی بچے یاد آرہے ہیں۔ فرمایا بالکل نہیں۔ پوچھا کیا پھر یہ تصور آرہا ہے کہ کس طرح سے جان نکلے گی تکلیف ہوگی۔ فرمایا یہ بھی نہیں۔ کہا پھر کیوں رو رہا ہے۔ انھوں نے فرمایا۔ دین اسلام کی خاطر جان دینے کا آج موقع نصیب ہو رہا ہے۔ افسوس اس کا ہے کہ میرے پاس صرف ایک جان ہے، کاش میرے پاس ایک ہزار جانیں ہوتیں تو ان سب کو قربان کر دیتا، یہ بات ہے۔

جب آدمی دینِ حق کی خاطر نکلتا ہے تو اس کا حوصلہ بہت بلند ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ خدا پاک کی نصرت میرے ساتھ ہے۔ میں تو اس کے کام کے لئے نکلا ہوں اپنے کام کے لئے تھوڑا ہی نکلا ہوں۔

تو بادشاہ نے ان سے کہا: اچھا میری پیشانی کو بوسہ دیدے تجھے چھوڑ دوں گا۔ انھوں نے فرمایا مجھ اکیلے چھوڑ دے گا یا میرے ساتھیوں کو بھی۔ بادشاہ نے کہا سب ساتھیوں کو چھوڑ دوں گا۔ کہا اچھا۔ تو اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ساتھیوں کو چھڑا کر لے آئے اور آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین کے سامنے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

جو شخص راہِ حق میں نکلتا ہے وہ ہر مصیبت پر اسی بات کو دیکھتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام پر بھی بڑی مصیبتیں آئیں۔ لیکن یہ مصیبت کچھ نہیں۔ اللہ کی قسمت ہے کتنا خوش نصیب مجھے بنایا ہے کہ اپنے دین کے لئے منتخب فرمایا۔

ہمارے بڑے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں رات بھر لیٹتے نہیں تھے۔ ساری رات نماز پڑھتے تھے۔ مختلف حافظوں سے قرآن پاک سنتے رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ساری رات کھڑے رہنے سے ان کے پاؤں پر ورم آگیا تو بہت ہی خوش ہوئے کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کی توفیق دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر مبارک میں ورم آجایا کرتا تھا۔ رات کو نماز پڑھتے پڑھتے حدیث شریف میں ہے حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ۔ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے اس کی توفیق عطا فرمائی۔

اس واسطے جہاں کہیں مصیبت و پریشانی پیش آئے اس کو یہ سوچ کر وہ دین کی خاطر آئی۔ دُنیا کی خاطر بھی تو پریشانی آتی رہتی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر پریشانیاں آئیں۔ ان کے کوڑے لگائے گئے۔ سو کوڑے لگتے تھے اور کوڑے مارنے والا جس زور سے کوڑے مارتا تھا اسی زور سے کہا کرتے تھے غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ۔ اللہ پاک تیری مغفرت فرمائے اور تم کو معاف کردے۔ جو کوڑا لگتا تھا اسی کوڑے پر مارنے والے کے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص کو ہمیشہ دعا دیا کرتے تھے بیٹے نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جس کو آپ دعا دیتے رہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک بہت آوارہ قسم کا آدمی ہے شرابی۔ تو پوچھا کہ آپ اس کو کیوں دعا دیتے ہیں۔ فرمایا کہ اس نے کہا تھا امام صاحب! آپ امام ہیں دیکھئے حکومت کے کوڑے مجھے اپنی بدمعاشی سے نہ روک سکے۔ باوجود حکومت کے کوڑے مجھ کو لگے۔ میں اپنی بات پر قائم ہوں اور

آپ امام ہیں جو بات کہہ رہے ہیں وہ دینی بات کہہ رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حکومت کے کوڑوں کے
آپ مرعوب ہو کر خاموش ہو جائیں۔ امام کے کہنے سے بہت ہمت ہوئی۔ اس لئے دعائے خیر دیتا
ہوں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو کس طرح سے جکڑ دیا زور سے۔ مشکیں باندھی گئیں کہ کندھے
الگ ہو گئے۔ مگر انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر سارے شہر میں گشت کیا اور اعلان کیا
کہ جو شخص مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں مالک
بن انس ہوں۔ جس شخص نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا میں نے اس کو معاف کیا۔ کوئی انتقام
اس سے نہ لیں۔ مگر حکومت وقت نے اس سے انتقام لے لیا۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ
حکومت کے پاس گئے اور فرمایا قصور تو اس نے میرا کیا، تکلیف اس نے مجھے پہنچائی۔
معاملہ تو اس نے میرے ساتھ کیا۔ میں نے اس کو معاف کیا۔ تو آپ کون ہوتے ہیں انتقام
لینے والے۔ یہ اکابر کے حالات ہیں اس واسطے بڑی قوت ہوتی ہے جب آدمی اللہ کے
لئے نکلتا ہے۔

ایک شخص نے مصر میں دریافت کیا کہ یہ بتائیے ہم جو تاریخ پڑھتے ہیں تو تاریخ
میں ملتا ہے کہ مسلمانوں کا جب دوسروں سے جہاد ہوا، مسلمانوں کے پاس آدمی کم،
ہتھیار کم، گھوڑے کم، لیکن جب میدان میں جاتے ہیں تو مسلمان خوب آگے بڑھتے
ہیں اور وہ پیچھے بھاگتے چلے جاتے ہیں حالانکہ دوسروں کے پاس یعنی جو مقابلے میں مسلمانوں
کے دشمن، ان کے پاس افراد زیادہ، سامان زیادہ، ہتھیار زیادہ، مگر وہ دشمن بھاگ کر
پیچھے ہٹتا چلا جاتا ہے اور مسلمان آگے بڑھتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا بھائی یہ
تو کھلی بات، مگر اتنی کھلی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی کہنے لگے سمجھ میں نہیں آئی۔ اسی
لئے پوچھ رہا ہوں۔ میں نے کہا کھلی بات یہ ہے کہ مسلمان جب جہاد میں جاتا ہے اس نیت
سے نہیں جاتا ہے کہ میں بچ جاؤں اور دوسروں کو پکڑ لوں۔ بلکہ ہر شخص اپنی جان خدا
کے لئے قربان کرنے کے لئے بڑھتا ہے۔ ہر شخص کے دل میں تقاضا یہ ہوتا ہے کہ پہلے میں

شہید ہو جاؤں۔ یہ شہادت کا پیالہ مجھے مل جائے۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ میری ہی جان اسلام کے
کام آئے قربان ہو جائے۔ تو مسلمان کا مقصود ہے اپنے آپ کو قربان کرنا! ورنہ وہ سمجھتا
کہ میرا مقصود آگے بڑھ کر حاصل ہوگا۔ جتنا بھی میں دشمن میں گھسوں گا میرا مقصود حاصل
ہوگا۔ اور جو دشمن ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ جتنا بچ جاؤں بچا رہے دوسرے مر جائیں۔ وہ
اپنی نجات سمجھتا ہے پیچھے رہنے میں لہٰذا پیچھے لوٹتا چلا جاتا ہے۔

ماہان ارمنی ایک بادشاہ تھا۔ اس نے مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیس لاکھ
فوج تیار کر رکھی تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کے پاس ایک سو سپاہیوں
کو ساتھ لے کر گئے۔ اور جا کر ان سے گفتگو کی۔ کوئی رعب ان پر نہ تھا تو اس کو غصہ آیا
اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ ان سب مسلمانوں کو گرفتار کر لو۔ تیس لاکھ فوج ان کی
اور یہ ایک سو آدمی۔ حضرت خالد رض نے یہ سنتے ہی فوراً اپنے لوگوں سے فرمایا کہ خبردار
اب کوئی ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھنا۔ ہماری تمہاری ملاقات حوض کوثر پر ہوگی
یہ کہتے ہی تلوار نکال لی۔ ان کے سب ساتھیوں نے بھی تلوار اٹھالی۔ اور ہر ایک کے چہرے
پر ایسی بشاشت نظر آتی تھی جیسے کہ کھانا کھو یا ہو مقصود آج حاصل ہو رہا ہو۔ اس کا اثر
دشمن پر ایسا پڑا کہ بادشاہ گھبرا گیا اور ہنس کر کہنے لگا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا تم
نے کیا سمجھ لیا۔ بھلا میں تھوڑے ہی گرفتار کروا رہا ہوں۔ یہ تھا یہ مقصود ہے۔ مال و دولت
حاصل کرنا مقصود نہیں، فتح پانا بھی مقصود نہیں دوسرے کو قتل کرنا بھی مقصود نہیں۔
بلکہ مقصود اللہ کے دین کے لئے اپنی جان کو قربان کرنا ہے۔ یہ جذبہ چاہئے۔ اسی جذبہ کو
پیدا کرنے کے لئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ کبھی جو مصیبتیں پہنچیں! تم یہ سمجھ لیں کہ اللہ
کے دین کی خاطر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی خاطر ان مصیبتوں کو
جھیلنا ہے اپنی بشریت کو ختم کرنا ہے۔ ہماری نظریں دوسری طرف لگی ہوئی ہیں کہ بچہ تا
انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اور انسانوں میں بھی مسلمان کتنے اونچے درجے پر تھا

مقرب ہو محبوب۔ اگر اس نے پانچ دس بیس گائیں پالیں اور ان کی خدمت میں لگا رہا اور ان کا گوبر صاف کرتا رہا، چارہ ڈالتا ہے۔ ارے اللہ کے بندے تو اشرف المخلوقات ہے کیا تجھے اللہ نے بس اسی لئے پیدا کیا تھا کہ گائے کی خدمت کرے۔ تجھے تو اللہ نے اپنے دین کی خدمت کے لئے پیدا کیا تھا۔ تجھے تو اس لئے پیدا کیا تھا کہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر چلے۔ تجھے تو اس لئے پیدا کیا تھا کہ قرآن پاک پڑھے اور پڑھائے اور دنیا میں پھیلائے۔ دنیا کے تمام لوگوں تک پہونچائے۔ تجھے تو اس لئے پیدا کیا تھا، نہ کہ گائے بھینس کی خدمت کے لئے۔ دین کی خدمت کے لئے پیدا کیا تھا۔ اگر دین کی خدمت کے واسطے تجھے گائے پالنے کی ضرورت تھی تو تجھے منع نہیں کیا۔ لیکن کوئی شخص سمجھے کہ میں تو پیدا ہی ہوا ہوں گائے بیل کی خدمت کے لئے، بڑا برا خیال ہے۔ اس خیال کی اصلاح کرنی چاہیئے۔ کھیتی والا ساری زندگی کھیتی میں لگا رہے کیا کھیتی کرنے کی خاطر پیدا کیا گیا؟ پیدا تو کیا گیا دین کی خاطر، ہاں دین کی خاطر کام کرنے میں کھیتی کی بھی ضرورت پڑتی ہے تجارت کی بھی ضرورت پڑتی ہے تو تھوڑے وقت کے لئے بقدر ضرورت کھیتی اور تجارت کرے اس کی بھی اجازت دیدی گئی نہ کہ پیدا ہی اس لئے ہوا۔

کسی نے ایک مرتبہ پوچھا کلکتہ میں کیول صاحب آپ لوگوں نے سارے قسم کے کھیلوں کو منع کر دیا کیا کھیلنے کا ہمارا کوئی حق نہیں، ہمارا کوئی حصہ نہیں۔ میں نے کہا آپ پہلے تو یہ سوچ لیں کہ آپ کس لئے پیدا ہوئے۔ ایک بستی ہے جہاں دشمن گولہ باری کرنے والا ہے۔ اطلاع ہوگئی کہ دشمن گولہ باری کرنے والا ہے تو اس کو بچانے کے واسطے جہاز بھیجے گئے کہ جتنے آدمی اس جہاز میں جا سکیں جلدی سے جلدی لے آؤ۔ جہاز چلا اور جلدی جلدی آدمی سوار کر کے تیار ہو گیا۔ پھر جہاز چلانے والا شخص راستے میں دیکھے کہ لڑکے ہاکی کھیل رہے ہیں، کرکٹ کھیل رہے ہیں، اور یہ سوچے کیا ہمارا

گئی تھیں کھیلنے کا؛ تو ان سے کہا جائے گا کہ انسانوں کے بچانے کے لیے تم جا رہے ہو، تم بچوں کے کھیل میں لگ گئے۔

تو اللہ پاک نے مسلمان کو جو اس دنیا میں بھیجا ہے بیکار نہیں بھیجا ہے۔ انسانوں کو دوزخ سے بچانے کی کوشش کرنے کے لیے بھیجا ہے یہ کتنا بڑا کام ہے جب خود بھی دوزخ سے بچے دوسروں کو بھی دوزخ سے بچانے اطرح طرح سے کوشش کر کے نکالے۔

ساری دنیا کی جد و جہد میں لگا رہے۔ اسی واسطے قرآن پاک پڑھایا جاتا ہے اسی واسطے حدیث پاک پڑھائی جاتی ہے، اسی واسطے تفسیر پڑھائی جاتی ہے، اسی واسطے تبلیغی نصاب پڑھایا جاتا ہے کہ مسلمان اپنی پیدائش کا مقصد سمجھے۔ گائے پالنے کے لیے، کھیتی کرنے کے لیے، باغ لگانے کے لیے، مکان بنانے کے لیے یہ پیدا نہیں ہوا، پیدا صرف دین کی خاطر ہوا۔ اور دوسری جتنی چیزیں ہیں ان سب کو خادم بنا کر بھیجا ہے وہ سب تمہاری خادم، ان کو خادم بنا کر رکھو حاکم مت بناؤ۔ کھیتی، دوکان، مکان تجارت کو خادم بناؤ، حاکم نہیں۔ حاکم صرف اللہ ہے۔

إِنَّ الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَأَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کیلئے ساری دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے تمہاری غلام ہے تمہاری خادم ہے تمہارے قدموں پر نثار ہے اور تم اللہ کے لئے ہو۔

لیکن جب انسان اپنی زندگی کا مقصد فراموش کر دے یا ذہن سے نکال دے یہ بات کہ میں اللہ کے لئے پیدا ہوا ہوں پھر وہ غلام بنتا ہے دنیا کی چیزوں کا، کھیتی کا، دوکان کا، مکان کا۔ سب چیزوں کا غلام بنتا ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کی غلامی کا طوق اپنے گلے سے نکال لیا، تو دیکھئے اس نے اپنی تمام مخلوقات کا غلام بنا دیا۔ رہنا تھا انسان کو اللہ کا غلام بن کر لیکن وہ غلام ہے تجارت کا، مکان کا، الیکشن کا، ووٹ کا، [illegible] عزت کا غلام ہے حتیٰ کہ شیطان کا غلام ہے جو انسان مخلوق کی غلامی

کا طوق اپنے گلے سے نکال دیتا ہے ہر مخلوق اس کو اپنا غلام بنانے میں لگ جاتی ہے کہ اس کا کوئی آقا ہے ہی نہیں جس کی حفاظت میں ہو۔ ہم اس کو اپنا غلام بنالیں اور جس کے گلے میں خالق کی غلامی کا طوق ہو اس کو غلام بنانے کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔ اس سے سب ڈرتے ہیں کہ یہ تو خالق کا غلام ہے ہمارا حاکم ہے

اس واسطے میرے محترم بزرگو اور دوستو! اپنی زندگی کے رُخ کو صحیح بنائیں درست بنائیں، مادی طاقتیں حاصل کرنے کے لئے، روپیہ کمانے کے لئے اس دنیا میں بہت سے ذریعے ہیں ان کو مقصود مت بناؤ۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔

اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے مہیا کر رکھا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے۔

جن کو دنیا کی زیب و زینت ہم نے دے رکھی ہے اس کو نظر اٹھا کر مت دیکھو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کھیتی نہ کرے، تجارت نہ کرے وہ تو کرتا رہے یہ یقین رکھو کہ دینے والا اللہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو کھیت سے غلہ پیدا ہوگا، نہیں حکم ہوگا تو غلہ پیدا نہیں ہوگا جس طرح سے کوئی غریب فقیر شخص اپنا پیالہ لے کر بھیک مانگے ثروت والا مالدار اس کو دے گا، پیالے میں پیدا نہیں ہوگا۔ دینے سے آتا ہے بے شک، لیکن دوسرا دیتا ہے۔ اسی طرح سوچنا چاہیئے کہ ہم سب فقیر ہیں، بھکاری ہیں، تجارت بھیک کا پیالہ ہے کھیتی ملازمت، نوکری یہ سب بھیک کا پیالہ ہیں۔ دینے والا وہ اللہ ہے اس کے سامنے بھی پیالہ لے کر جاتا ہے کہ اے مالک تو اس میں عطا فرما۔ یہ نہ سمجھے کہ اس میں پیدا ہوتا ہے، ہم اپنے قوت بازو سے کماتے ہیں بازو تو کچھ نہیں کرسکتے۔ ہاتھ پیر اس نے دیئے ہیں، ہاتھ پیر چلانے کا اس نے حکم دیا ہے کہ محنت کرو، اس لئے ہم اس کے حکم کے ماتحت محنت

کرتے ہیں۔ لیکنا پر محنت کچھ دینے والی نہیں، دینے والے حق تعالیٰ ہیں۔ اس لئے وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو خیر کا ہو۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۔ سو جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا (بیان القرآن)

ہر خیر کا بدلہ انشاء اللہ دنیا میں بھی معلوم ہو گا اور آخرت میں تو اعلیٰ درجہ کا بدلہ ہے ہی اور اس کے بالمقابل

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۔ اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (بیان القرآن)

جو شخص ذرہ برابر شر کرے گا اس کا بدلہ ملے گا یہاں جھوٹ بولے گا اس کا بدلہ ملے گا۔

ایک شخص مجھ سے کہنے لگے مولوی صاحب! کیا کریں ایسا وقت آگیا کہ ہم بات کہتے ہیں اپنے مخاطب سے آدمی سے اور قسم کھا کر کہتے ہیں پھر بھی اسے یقین نہیں آتا۔ میں نے کہا بھئی خاں صاحب! بات یہ ہے کہ اگر تمہارے دل میں سچائی ہو تو تمہاری زبان پر بھی یقین آئے گا۔ جب تمہارے دل میں سچائی نہیں تو تمہاری زبان جھوٹ بولے گی۔ دل کے اندر سچائی ہوتی ہے تو زبان سچ بولے گی اور دوسرے کو یقین آئے گا جب دل کے اندر سچائی نہیں تو بات پر یقین کیسے آئے گا۔

غرض غلط طریقہ دنیا و آخرت میں ذلت کا سبب بنے گا، روپیہ غلط طریقہ سے لیا، غلط طریقہ پر کمایا یہ ذلت کا سبب بنے گا، دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی ذلت۔ ایک انسپکٹر صاحب تھے انھوں نے ایک صاحب سے رشوت کا روپیہ لیا، جیب میں رکھے، جا رہے تھے کہ ایکا ایکی جیب ہی کٹ گئی۔ انھوں نے اپنے ایک ملازم کو بھیجا کہ صاحب! جیب کٹ گئی کچھ تو ڈھونڈو جس سے وہ روپیہ واپس مل جائے۔

میں نے کہا انسپکٹر صاحب سے سلام کہنا اور یہ کہنا کہ غنیمت جانو کہ جیب ہی کٹ گئی یہ کمبخت روپیہ تو ایسا تھا کہ پیٹ کاٹ کر لے جاتا۔

ایک شخص کو دس ہزار روپے رشوت کے ملے کسی جگہ سے سرکاری ملازم تھا روپے رشوت کے تھے۔ کسی نے کان میں چپکے سے کہہ دیا کہ خبر لگ گئی ہے سی آئی ڈی اب آپ کے پیچھے لگ گئی ہے۔ بس جناب اس کا تو اطمینان غائب ہو گیا۔ بڑا پریشان سائیکل پہ چڑھا ہوا جا رہا ہے۔ ادھر دیکھتا ہے ادھر دیکھتا ہے کہ کوئی آ تو نہیں رہا۔ کوئی شخص دیکھتا ہے سلام کرتے ہوئے تو اس کو جواب دیتے ہوئے بھی جی گھبراتا ہے کہ کہیں یہی سی آئی ڈی نہ ہو۔ اسی اثنا میں ندی کے کنارے پہنچا تو سائیکل کو کنارے پہ کھڑا کر کے آیا۔ اور ادھر ادھر دیکھ کر وہ دس ہزار روپے جلدی سے دریا میں ڈال دیئے تب جا کر اطمینان اور سکون نصیب ہوا۔ یہ کمبخت پیسہ اس دنیا میں اس طرح سے ذلیل اور رسوا کرتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ پریشان کرنے والی چیز روپیہ پیسہ ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی عزت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے۔ اگر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ بھی پانی کا نہ ملتا۔ جو کچھ ان کافروں کو دے رکھا ہے یہ ان کے اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کی علامت نہیں اور آج کل ساری دنیا پریشان ہے، ساری مادی طاقتیں پریشان ہیں، سکون کی ضرورت ہے، سکون کہیں نہیں مل رہا ہے، سکون اگر ہے تو ایمان میں ہے اسلام میں ہے قرآن میں ہے، اتباعِ سنت میں ہے وہاں سکون ملتا ہے اور کسی جگہ پر سکون نہیں ملتا، بڑی سلطنتیں پریشان ہیں، تمام دنیا پریشان ہے کہ کیا ہوگا؟ بم تو ایٹم کا تیار کر لیا ہے۔ ساری دنیا خائف ہے کہ کیا ہوگا؟ ان کو چلانے کی نوبت آئی تو ساری دنیا ختم ہو جائیگی یہ انسان کے خیرخواہ کیا چیزیں تیار کر رہے ہیں، کیا یہ خیر خواہی ہے انسان کی؟

انسان کی خیرخواہی یہ ہے کہ اس کو جہنم سے بچانے کی کوشش کی جائے، اللہ کے عذاب

سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ یہ انسان اللہ کا مجرم بنا ہے اللہ کا محبوب بن جائے۔ یہی انسان کی خیر خواہی ہے۔ یہی طریقہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دیا ہے اسی طریقے کو پھیلانا ہے، سب جگہ اپنانا ہے، سب جگہ اسی کے ساتھ چلنا ہے اور سب جگہ پر اسی کی اشاعت کرنا ہے۔ اسی کے لیے تبلیغی جماعتیں کام کر رہی ہیں اور اسی کے لیے وقت مانگا جاتا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

تبلیغ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایک مسجد میں بیان ہوا جس میں تبلیغ کی اہمیت اور ضرورت بیان کی گئی جس کی وجہ سے تبلیغی جماعت کے احباب کو بڑی تقویت ہوئی اور جن لوگوں کے دلوں میں تبلیغی جماعت کی طرف سے شکوک و شبہات تھے ہیں ان کے شبہات دور ہوئے۔ غلط فہمیاں ختم ہوئیں جو لوگ تبلیغ کو ایک نئی چیز سمجھتے ہیں ان کو تبلیغ کی حقیقت، اصلیت اور افادیت کا علم ہوا۔ وعظ کا خلاصہ یہ ہے۔

خطبہ مسنونہ

امّا بعد!

یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ۝

اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجیے، اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافروں کو راہ نہ دیں گے۔ (بیان القرآن)

اس آیت پاک میں حضرت نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب خاص ہے اور حکم ہے کہ آپ کی طرف جو احکام بھی نازل کیے گئے ہیں وہ احکام

اُمّت کو پہونچا دیجیے ان سب کی تبلیغ فرما دیجیے۔ ۲۳ سالہ مدت میں جو بھی احکام
نازل ہوئے ہیں ان سب کی تبلیغ فرمانے کا حکم ہے اور اتنا تاکیدی حکم ہے
کہ اگر ایک حکم بھی تبلیغ سے رہ گیا تو اس پر دھمکی ہے کہ آپ نے حق رسالت
ادا نہیں کیا۔ یہ حکم یہ دھمکی اللہ پاک کی طرف سے اپنے محبوب سید المرسلین
امام الانبیاء خلاصۂ کائنات صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے جس سے اس حکم (تبلیغ)
کی تاکید خوب ظاہر ہے۔

اور چونکہ احکام خداوندی، توحید و رسالت سے ناآشنا، جہالت
و گمراہی میں ڈوبے ہوئے انسانوں کے مزاج و طبیعت کے خلاف ہوتے ہیں
اور جب ان کو حق کی دعوت دی جاتی ہے تو حق سے ناآشنا بہت سے
لوگ اس حق کے داعی کے ہی دشمن ہو جاتے ہیں اس کے قتل کے درپے ہو جاتے
ہیں۔ گذشتہ زمانوں میں ایسا ہی ہوا۔ اللہ پاک کے بھیجے ہوئے نبیوں،
رسولوں نے جب لوگوں کے سامنے سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت پیش
کی تو ان لوگوں نے ان نبیوں رسولوں کا مذاق اڑایا، ٹھٹھا کیا، طرح طرح ان
کو ستایا اور اس سب کے بعد بھی جب وہ اللہ کے نبی اپنے ارادہ سے باز نہیں آئے
تو ان لوگوں نے ان حق و صداقت کے داعیوں کو قتل کر ڈالا۔ قرآن پاک میں
ہے وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۝ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا
تَقْتُلُونَ ۝ نبیوں کی ایک جماعت کو لوگوں نے جھٹلایا اور ایک کو قتل کر ڈالا۔
گذشتہ زمانہ کی اس تاریخ کی وجہ سے آقائے مدنی صلے اللہ علیہ وسلم کے دل
مبارک میں یہ وسوسہ آ سکتا تھا کہ میرے ساتھ بھی ایسا ہی قتل وغیرہ کا سلوک
لوگوں نے اگر کیا تو اللہ پاک کے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکے گی۔ اللہ پاک نے اپنے
حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی۔ اطمینان دلایا آپ اس کا فکر نہ فرمائیں

اللہ پاک کی طرف سے آپ کی حفاظت کی جائے گی۔ لوگ آپ کو قتل نہیں کر سکیں گے۔
آپ احکام خداوندی لوگوں کو پہونچاتے رہیں گے اور لوگ اس کو دیر سویر مانیں
گے اور ہدایت پائیں گے۔ آپ مطمئن رہیں۔ ہاں وہ لوگ جن کی تقدیر میں
ہدایت نہیں۔ ایسی کافر قوم کو اللہ پاک ہدایت نہیں دیں گے۔ ان کا آپ
فکر نہ فرمائیں۔

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پہرہ
دیا کرتے تھے کہیں کفار قتل نہ کر ڈالیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد
رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے پہرہ ختم فرما دیا کہ اب پہرہ کی ضرورت
نہیں۔ اللہ پاک نے حفاظت کا وعدہ فرما لیا۔ ایک سفر جہاد میں ایک
جگہ حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
اجمعین درختوں کے سایوں میں آرام کرنے کے لئے متفرق ہو گئے۔ رسول پاک
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا تلوار لٹکا دی اور سو گئے
ایک یہودی جو پہلے سے تاک میں تھا موقع پا کر سامنے آیا اور تلوار لے کر
حملہ کرنا چاہتا تھا کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ چونکہ
رسول پاک صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہیں سوتا
تھا۔ یہودی نے دیکھا کہ یہ تو بیدار ہو گئے تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے پوچھا
بتا محمد (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تجھ کو اب کون بچائے گا۔ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خدا کے وعدہ پر کامل یقین تھا نہایت اطمینان سے
جواب دیا۔ اللہ۔ اس اطمینان بھرے جواب کا اس پر یہ اثر ہوا کہ وہ لرز
گیا۔ اس کے بدن میں کپکپی آگئی اور گھبراہٹ سے تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ رحمت عالم
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تلوار کو اٹھایا اور فرمایا بتا تجھ کو کون بچائے گا۔

ہاتھ کا نپنے لگا۔ اُس نے جواب دیا آپ کے علاوہ کوئی بچانے والا نہیں۔ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کیا۔ اس کو یقین ہو گیا کہ حملہ آور دشمن کو بھی معاف کر دینا اللہ کے برگزیدہ نبی کا ہی کام ہو سکتا ہے اور یہ ضرور اللہ کے نبی ہیں۔ کلمہ پڑھا مسلمان ہو گیا اور پھر اپنی قوم کو لاکر مسلمان کرایا۔

بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میں دوسرے بہت سے اپنے مخصوص بندوں کو بھی یہ اطمینان و یقین نصیب فرماتے ہیں۔ تحریکات کا دور تھا حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے قتل کا کچھ لوگوں نے ارادہ کیا منصوبہ بنایا۔ حضرت کو بھی اس کی اطلاع ہوئی مگر حضرت تھانوی رحمہ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بعد فجر چہل قدمی کا معمول تھا عموماً تنہا ہوتے۔ دشمنوں کے لئے یہ موقع غنیمت تھا۔ خدام کو فکر ہوئی۔ ایک کپنی بنادی کہ چہل قدمی کے وقت اس کو ہاتھ میں رکھ لیا کریں۔ دلداری کے طور پر لے لیا۔ اور گھر میں رکھ دیا اور حسب معمول اسی طرح چہل قدمی فرماتے رہے۔ ایک بوڑھے نے کہا آپ کو معلوم نہیں لوگ کیا ارادہ کر رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اُس کی (اللہ کی) اجازت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اس نے کہا پھر آپ کو کچھ فکر نہیں۔ گھر والوں نے بتایا فلاں شخص تلوار لئے راستہ میں بیٹھا ہے قتل کے ارادہ سے۔ ادھر نہ جائیں۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ گئے تنبیہ کی۔ دیکھا بیٹھا ہے تلوار لئے مگر حضرت کو دیکھتے ہی اس کو کپکپی آ گئی۔ گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے خواب میں دیکھا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں سے فرما رہے ہیں اشرف علی کی حفاظت کرنا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبلیغ فرمائی، توحید کی دعوت دی
کفار نے کہا اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ. کیا
اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا۔ واقعی یہ بہت ہی عجیب
بات ہے (بیان القرآن)

قریش ابوطالب کے پاس آئے اور کہا تمہارا بھتیجہ ہمارے معبودوں کو
برا کہتا ہے اس سے کہو اس سے باز آجائے۔ اگر اس کو پیسہ کی ضرورت ہے
تو ہم اس کے لئے اتنا پیسہ جمع کر دیں کہ عرب میں اس سے زیادہ کسی کے پاس
نہ ہو۔ بادشاہت کی ضرورت ہے تو ہم اپنا بادشاہ بنا لیں۔ عورتوں کی
ضرورت ہے تو عرب کی حسین ترین عورتیں جمع کر دیں۔ لیکن اپنے اس طریقہ
سے باز آجائیں۔ رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ایک ہاتھ میں
سورج ایک ہاتھ میں چاند بھی اگر دیدو تب بھی اپنے ارادہ سے باز نہیں
آؤں گا۔ قریش جواب سن کر نا امید ہو گئے اور مختلف طریقوں سے تکلیف
پہونچانا ستانا شروع کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ پر ایمان لانے والوں کو آپ
کے خاندان کو شعب ابی طالب میں قید کر دیا، بائیکاٹ کر دیا، لین دین،
خرید و فروخت، ملنا جلنا، رشتے ناطے سب بند کر دیا تاکہ تنگ آکر
باز آجائیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے گھاس کھا کر، درختوں کے
پتے کھا کر گذارا کیا۔ بھوک کی شدت میں سوکھا چمڑا چبا کر کھایا۔ دین اللہ کے
دین کی تبلیغ کے لئے سب کچھ برداشت کیا، اللہ کی نصرت آئی۔ ایک مدت کے
بعد یہ محاصرہ ختم ہوا۔

پھر دوسرے طریقے ستانے تکلیف پہونچانے کے نکالے۔ رسول کریم

صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طائف پہنچے۔ بعض نے ترش گفتگو کی، بعض نے بات کرنا بھی گوارا نہ کی۔ اور بعض نے شہر کے اوباشوں کو پیچھے لگا دیا کہ پتھر ماریں۔ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے۔ جسم مبارک لہولہان ہو گیا، رحمت خداوندی کو جوش آیا۔ جبریل علیہ السلام خدائے پاک کا سلام و پیام لے کر حاضر ہوئے پہاڑوں کا نظام جس فرشتے کے قبضہ میں اللہ پاک نے دیا ہے اس کو بھی بھیجا۔ سلام کیا اللہ پاک کا پیغام سنایا اگر آپ اجازت دیں ان ظالموں کو پہاڑوں کے درمیان پیس کر ختم کر دیا جائے۔ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَإِنَّمَا بُعِثْتُ دَاعِيًا وَرَحْمَةً مجھے عذاب و لعنت کا ذریعہ بنا کر نہیں بھیجا مجھے داعی اور رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُو ضَعْفَ قُوَّتِي وَقِلَّةَ حِيلَتِي، اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ الٰہی اپنی کمزوری اور کم تدبیری کی تجھ سے شکایت کرتا ہوں۔ پروردگار میری قوم کو ہدایت فرما دے وہ جانتے نہیں ہیں۔ ہدایت فرما وہ مجھ کو جان جائیں، ایمان لے آئیں

ان سب حالات کے باوجود برابر فرائض تبلیغ و دعوت کو انجام دیتے رہے

کفار مکہ نے رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا، تمام قبیلوں کے سرداروں نے جمع ہو کر حجرۂ مبارک کو گھیر لیا کہ جوں ہی باہر نکلیں یکبارگی حملہ کرکے قتل کر ڈالیں۔ مگر اللہ پاک کی حفاظت کے ساتھ کون کچھ بگاڑ سکتا ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تلواروں کے درمیان کو نکلے جو تلوار سونتے قتل کے لئے تیار کھڑے تھے۔ اور سب کے سروں پر خاک ڈالتے چلے گئے۔ سب اسی طرح کھڑے رہ گئے۔ صبح کو جب ان کو اپنی ناکامی کا پتہ چلا نادم ہوئے۔ دوڑے گھر گئے، گھوڑے دوڑا دیئے۔ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَكَ

جو تعلق قطع کرے اس سے تعلق کو جوڑا جائے جو ظلم کرے اس کو معاف کر دیا جائے جو بُرائی کرے اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا جائے۔

اس لئے اس دعوت و تبلیغ کے لیے خُلقِ عظیم کی ضرورت ہے اور لڑنا جھگڑنا تو سخت خطرناک ہے۔

حدیث شریف میں ہے جن دو شخصوں میں جھگڑا ہو ان کی دُعا قبول نہیں کی جاتی۔ کچھ اوقات و ایام ایسے ہیں جن میں اللہ پاک کی طرف سے عمومی مغفرت کے فیصلے ہوتے ہیں مگر جن لوگوں (دو شخصوں) کے درمیان رنجش ہو ان کے اعمال نامے ہی پیش نہیں ہوتے۔ حکم ہوتا ہے ان کو رہنے دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کرلیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ کو کوڑے لگائے جاتے تھے جس ترد د سے کوڑے لگائے جاتے اسی زور سے کہتے اللہ تم کو معاف کرے۔

امام مالکؒ کے کندھے اُتروا دیئے گئے سوار ہو کر گشت کیا اور اعلان کیا میں نے ان کو معاف کیا۔ حکومت سزا دینا چاہتی تھی حکومت سے معافی کی سفارش کی اور فرمایا جب میں نے معاف کر دیا اب سزا دینے کا حق نہیں۔

اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَكَ۔ کوئی بُرائی سے پیش آئے اس کے ساتھ اچھائی سے پیش آئیں۔ کوئی گالی دے اس کو سلام کریں، اگر کوئی دھکا دے اس کا احترام کریں۔ تبلیغ میں نکل کر اس کی خوب مشق ہوتی ہے طعنے بھی سُننے پڑتے ہیں کوئی تشدد ہوتا ہے۔ غرض کہ اس کی مشق کی ضرورت ہے اللہ کی ذات پر بھروسہ ہونا چاہیے۔ تبلیغ میں نکل کر اللہ پاک پر بھروسہ کی صفت بھی پیدا ہوتی ہے۔ کسی سے انتقام لینے کے بجائے معاف کرنے درگذر کرنے کا جذبہ

اس طرح کام برابر کرتے رہیں۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اخیر خطبہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: میں آئندہ کے بعد تم لوگوں کے ساتھ شاید جمع نہ ہو سکوں۔ تم سے پوچھا جائے گا میرے بارے میں کہ احکام خداوندی تم تک پہونچائے یا نہیں۔ تم کیا جواب دوگے سب نے جواب دیا، ہم جواب دیں گے کہ آپ نے سب احکام ہم تک پہونچا دیئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اے اللہ گواہ ہو جا، میں نے تیرے سب احکام تیرے بندوں تک پہونچا دیئے کسی کو چھپایا نہیں اور پھر حاضرین کو حکم فرمایا اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ خبردار! تم میں جو حاضر ہیں وہ غائبین تک پہونچا دیں۔ جو ذمہ داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اب وہ ذمہ داری تمام صحابہ کرام رضی پر ڈالدی گئی کہ جو حاضر ہیں موجود ہیں وہ دوسروں تک بھی ان احکام کو پہونچا دیں۔ یہ سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت تبلیغ کے لئے وہیں سے نکل کھڑی ہوئی۔ دور دراز ملکوں میں اللہ کے احکام پہونچانے کے لئے جو پھر اپنے گھر نہیں لوٹے۔ ساری عمر واپس نہیں آئے۔ ساری زندگی اسلام کی اشاعت میں لگا دی۔

ہر صحابی نے تبلیغ کو اپنی زندگی کا اصل مقصد بنا لیا، تجارت بھی کرتے تھے مگر تبلیغ کو مقدم رکھتے تھے۔ تجارت میں جاتے تبلیغ کرتے جاتے۔ لوگ ان کی عادات اور خصلتوں کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہوتے جاتے۔ جہاں جاتے اسلام پھیلتا جاتا، دین زندہ ہوتا جاتا۔

آج کل ہم لوگوں کے ساتھ دوکانداری، ملازمت لگی ہوئی ہے کھیتی باڑی کا

لگی ہوئی ہے اور کتنے دھندے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور ان چیزوں میں ایسے مشغول
ہوئے، روپیہ کمانے میں ایسے لگے کہ تبلیغ کا خیال تک نہیں آیا۔ ان ہی چیزوں
کو اصل مقصدِ زندگی بنالیا، جو چیزیں خادم تھیں ان کو مخدوم و مقصود بنالیا۔
اس لئے ضرورت ہے جس چیز کو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم لے کر دنیا میں
تشریف لائے جو ذمہ داری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ڈالی گئی، اس
مقصد کو اپنا مقصد بنالیں، اس فکر کو اپنا فکر بنائیں، کام دھندے بھی کریں مگر
ذہن تبلیغ میں مشغول ہو کر دین ہی کے لئے بھیجا گیا تجارت کی اجازت دی گئی بحیثیت
خادم، دین مخدوم و مقصود۔ مگر آج ہمارے یہاں تجارت مقصود ہے اور مال و
دولت کی ہوس اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ دو دکانوں پر دو دکانیں بڑھاتے چلے جاتے
ہیں حالانکہ تجارت تو گذارہ کے لئے تھی کہ جو نفقہ واجب ہے اس کو ادا کریں تاکہ
کسی کا مال غصب نہ کریں، حلال رزق حاصل ہو، اللہ کے دین کے لئے خرچ
کریں، باقی وقت دین کے لئے صرف کریں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اپنے اپنے
اذہان کو فارغ کر کے کچھ وقت تبلیغ میں لگائیں۔ تب نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیاتِ مبارکہ سمجھ میں آئے گی۔

اس محنت کو شروع کرنے والوں کو اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے
کہ آج اس کی برکت سے یہ محنت ہر قریہ، ہر قصبہ، ریلوں میں، جہازوں میں،
بندرگاہوں میں، جدہ میں، مکہ میں، منیٰ میں، مزدلفہ میں، عرفات میں پھیلی
ہے تبلیغی جماعتیں کام کر رہی ہیں۔

پہلے حجاج کو گھروں کی قیمت معلوم ہوتی تھی مگر طواف کی جگہ معلوم نہیں
ہوتی تھی، سعی کی جگہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ جماعتوں کی بدولت صحیح حج ہونے
لگا، لوگ مالدار ہونے کے باوجود حج نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ حدیث میں ہے

جو مالدار ہونے کے باوجود حج نہ کرے اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر۔ جماعتوں کی برکت سے لوگ حج کرنے لگے۔

لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے تھے حالانکہ زکوٰۃ نہ دینے پر کیسی وعید یں احادیث میں آئی ہیں۔ جماعتوں کی برکت سے لوگ زکوٰۃ دینے لگے۔ غرضکہ زندگیوں میں تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ جماعتیں بدل رہی ہیں۔

اللہ پاک آپ کو بھی توفیق دے مجھ کو بھی توفیق دے آمین!

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا

وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ

ضرورتِ تبلیغ — اور — مقصدِ زندگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ مسنونہ ۔ اَمّا بعد!

حدیث شریف میں ہے۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُھُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ اَوْ کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رحم کرنے والے ہیں حق تعالیٰ ان لوگوں پر جو رحم فرماتے ہیں۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ آج کوئی شخص ایسا ہے جو خداوند تعالیٰ کی رحمت کا طالب نہیں، کس کو ضرورت نہیں۔ سارے عالم کا قیام ہی حق تعالیٰ کی رحمت کے سہارے پر ہے۔ اس کی رحمت ہے تو قیام ہے۔ پھر رحم کی مختلف صورتیں ہیں۔ آپ کے پڑوس میں ایک شخص بھوکا رہتا ہے۔ آپ نے ایک وقت اس کو کھانا کھلا دیا یہ بھی رحم ہے۔ ایک بیمار ہے اس بیمار کو ڈاکٹر کو دکھلا کر دوا دلا دی یہ بھی رحم ہے۔ ایک شخص پیدل چل رہا ہے۔ پیدل چلنا اس کو مشکل ہو رہا ہے آپ گاڑی میں ہیں۔ آپ نے اپنی گاڑی روک کر اس کو گاڑی پر چڑھا لیا اور اس کو اس کے مکان پر پہونچا دیا۔ یہ بھی رحم ہے۔ غرض بہت صورتیں ہیں رحم کی۔ پھر جسمانی رحم بھی ہے، روحانی رحم بھی ہے، ظاہری رحم بھی ہے

باطنی رحم بھی ہے۔ لیکن جو سب سے بڑا رحم ہے وہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو آخرت کے عذاب سے بچا لیا جائے۔ سب سے بڑا رحم یہ ہے۔ جو مصیبتیں آنے والی ہیں قبر میں آئیں گی، حشر میں آئیں گی، پل صراط میں آئیں گی، دوزخ میں جا کر آئیں گی۔ ان مصیبتوں سے کسی کو بچا دینا سب سے بڑا رحم ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربّ العالمین ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمین ہے۔ تمام عالموں کے واسطے رحمت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے احکام بھی بتائے جانوروں کے احکام بھی بتائے، ظاہری فوائد بھی بتائے، باطنی فوائد بھی بتائے دنیوی فوائد بھی بتائے، اُخروی فوائد بھی بتائے۔ جو چیز (یعنی توحید) دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی کی تھی لوگوں کو اس کی دعوت دی۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرماتے تھے يٰاَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا۔ اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو تم کو خدا کامیابی دیگا کامیابی ایسی ہوگی جو دنیا کی بھی کامیابی، قبر میں بھی کامیابی، حشر میں بھی کامیابی اور آخرت کے تمام مراحل میں کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اس واسطے بڑا رحم وہ ہے کسی شخص کو کلمہ پڑھا دینا۔ جو کلمہ نہیں جانتا اس کو کلمہ پڑھا دیا کسی شخص کو نماز سکھا دینا جو نماز نہیں جانتا اس کو نماز سکھا دی، کسی شخص کو نماز کا عادی اور خوگر بنا دینا۔ ایک شخص ایسا ہے کہ کسی وقت نماز پڑھی کسی وقت نہ پڑھی اور اس کو نماز کے خیال کا طریقہ بتا دیا۔ آہستہ آہستہ اس کو عادی بنا دیں تاوقتیکہ اپنے وقت پر نماز کا وہ عادی ہو جائے یہ بھی رحم ہے۔ اعلیٰ درجہ کا رحم ہے۔ کسی کو قرآن پاک کی تعلیم سے دینا یہ بھی رحم ہے۔ حدیث شریف کی تعلیم دیدینا یہ بھی رحم ہے۔ فقہی مسائل بتا دینا یہ بھی

رحم ہے، یہ سب رحم ہی کا رحم ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں کسی دوسرے پر رحم کرنے سے ہر طرح عاجز اور قاصر ہوں۔ ہر ایک کو حق تعالیٰ نے موقع دیا رحم کرنے کا۔ اگر کسی کے پاس کچھ نہیں کم از کم کلمہ تو ہے تو لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ تو سکھا سکتا ہے۔ جیسے بھی نہیں، کسی غریب کو دینے کے لئے کچھ تو ہے، نصیحت کی باتیں تو ہیں، خیر کی باتیں تو ہیں سکھا سکتا ہے، بتلا سکتا ہے۔ اس واسطے یہ ارشاد فرمایا اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ۔ زمین والوں پر تم رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ اسی کو کسی شاعر نے اردو میں کہا ہے ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر　　　خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

آج دنیا میں کیسی کیسی مصیبتیں آرہی ہیں۔ ہر جہت پریشانی ہی پریشانی ہے ان پریشانیوں سے متأثر ہو کر دعا تو ضرور کرتے ہیں کہ مسلمان کی پریشانیاں دور ہو جائیں مگر کس طرح دور ہوں کہ یہ نظام ختم ہو جائے، یہ طریقہ ختم ہو جائے، بھائی کونسا طریقہ ہے تو اس کا تذکرہ تو کرتے ہیں۔ کونسا طریقہ ہے۔ اس کے بجائے ایک آدمی معاصی میں مبتلا ہے اس کی اصلاح کس طرح ہو، اس کے لئے کونسا واسطہ کونسا طریقہ اختیار کیا جائے، اس کی فکر نہیں کرتے حالانکہ اس کی فکر کی ضرورت ہے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انسانوں کے اعمال ہوتے ہیں ویسے ہی لوگوں پر حاکم مسلط ہوتے ہیں۔ اعمال صالح ہوں گے تو حاکم صالح مسلط ہوں گے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ ایک بزرگ گذرے ہیں، دلی میں ان کا مزار بھی ہے۔ سلطان شمس الدین التمش بادشاہ تھے اس زمانے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ کے مرید بھی تھے۔ جس وقت حضرت قطب الدین

بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا اور ان کا جنازہ لایا گیا تو ان کے وزیر نے کہا یہاں جنازے کی نماز وہ شخص پڑھائے جس کی کبھی عشاء سے پہلے کی اور عصر سے پہلے کی چار سنتیں ناغہ نہ ہوئی ہوں، جس نے کبھی کسی نامحرم کو دیکھا نہ ہو، جس نے کبھی نامحرم کو ہاتھ نہ لگایا ہو۔ حضرت کی وصیت تھی کہ میرے جنازے کی نماز ایسا شخص پڑھائے۔ دیکھے کون آتا ہے، جو اس زمانے کے بادشاہ تھے وہ آگے بڑھے انھوں نے نماز پڑھائی۔ اور نماز کے بعد فرمایا الحمد للہ یہ چیز مجھ کو حاصل ہے، افسوس حضرت خواجہ صاحب نے راز فاش کر دیا۔ جب رعایا میں حضرت خواجہ قطب الدین رح جیسے لوگ موجود تھے تو ان کو حاکم اور بادشاہ کیسے ملے تھے جیسے سلطان شمس الدین التمش کہ جن کی عمر بھر میں کبھی عصر سے پہلے کی چار سنتیں اور عشاء کے پہلے کی سنتیں ناغہ نہیں ہوئیں، جنھوں نے کبھی کسی نامحرم کو آنکھ سے نہیں دیکھا، جنھوں نے کبھی کسی نامحرم کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اور جیسے ہم ہیں ایسے ہی ہمیں حاکم ملتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ حاکم کا شکوہ اور گلہ کیا جائے اور ان کو برا کہا جائے اپنے حال کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم نے اگر اپنے اعمال کو درست نہ کیا اور حاکموں کو برا کہا تو حاکم فرض کیجئے اگر بدل بھی گئے تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ دوسرے حاکم اچھے ہی آجائیں۔ کیا خبر کیسے آئیں اس سے بھی برے بدتر آئیں تو کیا کر سکتے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ کی رحمت کو حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ زمین والوں پر رحم کیا جائے تو آسمان والا رحم کرتا ہے۔ اور رحم کا سب سے اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ ہلاکت دائمی سے اس کو بچانے کی کوشش کی جائے۔ جہنم میں جانے سے اس کو روکا جائے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جو جہنم میں رہے اس سے بچا لیا جائے۔ جو شخص غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے، ہاتھ جوڑ کر

ماتھا ٹیکتا ہے اس کو وہاں سے ہٹا کر خالق کے سامنے لایا جائے کہ خالق کے
سامنے رہ کر عبادت کرے۔ ہمارے بزرگ اُستاذ حضرت مولانا حسین احمد
مدنی نور اللہ مرقدہٗ بیمار تھے اسی بیماری میں انتقال ہو گیا تھا۔ تو جب
بیمار تھے کچھ لوگ آئے عیادت کے لیے۔ مولانا نے پوچھا آپ لوگ کہاں
سے آئے ہیں، وہ لوگ سر جھکائے کھڑے رہے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ
میرے سامنے سر جھکاتے ہیں، اللہ کے سامنے سر جھکائیے۔ ایسے طریقہ پر کہا
کہ سب کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اپنے سامنے سر جھکانے کے اتنے
روادار نہیں تھے کہ میرے سامنے کوئی سر جھکا کر کھڑا ہو جائے۔ اللہ کے
سامنے سر جھکانا چاہیے۔ تو مخلوق سے ہٹا کر خالق کی طرف متوجہ کر دینا
اور خالق کی عبادت کی طرف بلانا سب سے بڑا ارحم یہ ہے جو نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب صحابہ کی جماعت
ہے جو ایمان سے مشرف ہوئے ہیں، ایک لاکھ چوبیس ہزار، یہ وہی لوگ ہیں
جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق سے ہٹا کر خالق کی طرف متوجہ کیا۔ بیت اللہ کے اندر بت
رکھے ہوئے تھے ان کی پرستش ہوتی تھی، ان کی پرستش سے ہٹا کر مالک الملک
کی طرف متوجہ کیا۔ ذرا ذرا سی چیزوں کو پوجا جاتا تھا، ان کی عبادت کی جاتی
تھی اور روزانہ بت بدلتے رہتے تھے۔ آج ایک بت کی پرستش کی کل کو دوسرے
کی پرسوں کو تیسرے کی۔ غرض اسی طرح جو ذرا اچھا سا چمکدار سا پتھر نظر
آیا تو اس کو اٹھا لیا اور جو پچھلا تھا اس کو پھینک دیا۔ یہ حالت تھی بتوں
کی پوجا پاٹ کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب سے ہٹا کر ایک مالک الملک
جو تمام عالم کا، زمین، آسمان، چاند کا، سورج کا، ستاروں کا، آگ پانی کا
ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، ہر چیز جس کے قبضہ قدرت میں ہے، اس کی جناب

کی طرف توجہ فرمایا۔ اور اس سے ان لوگوں کو اتنا بڑا فائدہ ہوا کہ پشتہا سے پشت سے باپ، دادا، پڑدادا کے وقت سے بتوں کی پوجا کرتے چلے آرہے تھے۔ وہاں سے ہٹ کر مالک الملک کو پہچاننے لگے کہ وہ کون ہے جس کے سامنے سر جھکانے کی ضرورت ہے جس نے سب کو پیدا کیا، سب کی روزی جس کے قبضے میں ہے، سب کی راحت اور آرام جس کے قبضے میں ہے، اس کے سامنے سر جھکانے کی ضرورت ہے۔ یہ اجتماع ہفتے میں ایک بار آپ حضرات کے یہاں ہوتا ہے۔ بہت بڑی خیر کی چیز ہے، برکت کی چیز ہے، اس میں تو یہی ہے کہ مخلوق خدا پر رحم کرنا سکھایا جاتا ہے کہ کس طرح دوسروں پر رحم کریں، مسلمان کس لیے دنیا میں آیا ہے۔ اس لیے نہیں آیا کہ پیسہ جوڑ جوڑ کر جمع کر لو۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز جن کو عمر ثانی کہا جاتا ہے ان کے ایک عامل نے اطلاع دی کہ قانون اسلام کا یہ ہے کہ جو شخص اسلام قبول کر لیتا ہے اس سے جزیہ ساقط کر دیا جاتا ہے۔ جزیہ وہ محصول ہے کہ جو شخص مسلمانوں کی رعیت بن کر رہتا ہے مسلمان اس کے جان و مال و عیال کی حفاظت کرتے ہیں وہ جزیہ اس کا ایک معاوضہ ہے۔ بہت تھوڑا سا معمولی سا، اس کی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ جو شخص اسلام قبول کر لیتا ہے اس سے جزیہ ساقط کر دیا جاتا ہے جزیہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ ان کے عامل نے اطلاع دی کہ بیت المال خالی ہو گیا ہے، بیت المال میں کوئی پیسہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ جو قانون ہے کہ جو اسلام قبول کر لیتا ہے اس سے جزیہ ساقط کر دیا جاتا ہے۔ اس قانون کو ختم کر دیا جائے۔ تو جواب دیا ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم قد بعث هاديا لا جابيا۔ اے خدا کے بندے اتنا تو سوچ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی روپیہ اکٹھا کرنے کے لیے آئے تھے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھیجا ہے

ہدایت کے لیے نہ کہ روپیہ جمع کرنے کے لیے۔ بیت المال خالی ہو جائے، خالی رہنے دو۔ اس کی پرواہ مت کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس مشن کو لیکر چلے تھے وہ مشن تو چل رہا ہے۔ دین اسلام تو چل رہا ہے۔ اس کی تو اشاعت ہو رہی ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم روپیہ جمع کرنے کے لیے نہیں آئے۔ وہاں تو یہ حال تھا کہ ایک جگہ یہودیوں کی بستی تھی۔ اس بستی پر مسلمانوں کے تحت، حکومت کے تحت میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ کچھ ڈاکو آئے۔ ان ڈاکوؤں نے ان کو لوٹ لیا۔ اس سال جو معاوضہ، جزیہ لیا گیا تھا وہ حضرت عمرؓ نے ان کو واپس کر دیا اور کہلا دیا کہ یہ تو ہم اس واسطے لیتے تھے تاکہ تمہاری حفاظت ہو۔ جب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکے تو اس کے لینے کا ہمیں کیا حق ہے۔ لہذا ہمیں اب اس کی ضرورت نہیں اور جتنا کسی پر متعین کیا جاتا تھا اس سے زیادہ نہیں لیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ملک شام سے ایک بوڑھا نصرانی آیا۔ حضرت عمرؓ مسجد سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے۔ دور سے آتا ہوا اس کو دیکھ کر فرما دیا ارجع فقد اتاک الغوث۔ لوٹ جاؤ تمہارا کام پورا ہو گیا۔ اپنے پاس تک آنے نہیں دیا۔ وہ واپس ہو گیا۔ اور دل ہی دل میں یا زبان سے بھی آہستہ گالیاں دینے لگا حضرت عمرؓ کو کہ یہ منصف کیا بنے ہیں یہ ظالم ہیں۔ میں اتنی دور سے چل کر آیا، میری بات تک نہیں سنی، پوچھا تک نہیں کیوں آیا ہے۔ اس سے محصول کچھ زیادہ لیا تھا وہاں کے عامل نے، اس کی شکایت لے کر آیا تھا۔ جب وہ واپس گیا وہاں، ان کے عامل کو کوئی اس کے پاس آیا کہ اللہ کے بندے تم کہاں تھے؟ ہم تو تم کو تلاش کر رہے ہیں، کئی روز سے تلاش کر رہے تھے کہ یہ محصول زیادہ آ گیا تھا۔ یہاں پر اس کا محصول واپس کرنے کیلئے ان کا عامل تلاش کر رہا ہے۔ لہذا اگر جزیے میں وصول ہوتا اسلام تو پھیلتا ہے،

دین کی اشاعت تو ہوتی ہے، جزیہ نہیں وصول ہوتا، نہ وصول ہو، بیت المال خالی رہ جاتا ہے خالی رہ جائے۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال میں جھاڑو دیکر صاف کردیا تھا۔ مصلیٰ بچھا کر دو رکعت نماز ادا کی۔ یہ تو شاہی کرتے روپیہ روپیہ جمع کریں، روپیہ تو ضرورت کے لئے ہے، جتنی ضرورت ہوا اتنی وہ ضرورت پوری ہوجاتی تھی کافی تھی۔ اس میں اپنے بھائیوں پر رحم کرنے کی ضرورت ہے۔ اور رحم کرنے کی یہی صورت ہے۔ ایک شخص جارہا ہے اپنا حقہ لئے ہوئے، حقہ پیتا ہوا۔ ہمارے اسلاف کی بات ہے ایک حاجی صاحب تھے خود نومسلم تھے، انھوں نے دیکھا دور سے، یہ کہا کہ یہ مسلمان ہو جائے گا۔ پس گئے اس کے پاس، کہنے لگے اوہو، یار، تم کہاں سے آرہے ہو، اس سے سلام کلام کیا مصافحہ کیا اور بات چیت شروع ہوگئی، بات چیت کرتے کرتے پانچ سات قدم آگے اور اس کو لے آئے مسلمان کرنے کے لئے، اس نے کہا مجھے مسلمان کرلو اچھی بات ہے وہ ہوگیا مسلمان۔ ہزاروں کی تعداد میں انھوں نے لوگوں کو مسلمان کیا۔ اسی سفر میں ایک صاحب نے بیان کیا کہ ساڑھے چار ہزار آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں، اتنی بڑی تعداد کو دوزخ سے بچا لیا جائے جنت کا حقدار بنا دیا جائے، اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی فہرست سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں داخل کردیا جائے بہت بڑی چیز ہے، اصل میں مسلمان دُنیا میں اسی واسطے آیا ہے کہ خود مصیبت اٹھا کر دوسرے کو راحت پہونچائے۔ خود بھوکا رہ کر دوسرے کو کھانا کھلائے، خود پریشان ہوکر دوسرے کو اطمینان دلائے۔ اسی لئے آیا ہے۔ یہ راستہ ہم لوگوں نے چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے پریشانیاں لاحق ہو رہی ہیں، جس مقصد کے لئے حق تعالیٰ نے پیدا کیا تھا اس مقصد کو پورا نہ کرکے ہم روپیہ جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے، کسی کو فکر ہے کہ میری دوکان

شاندار وجیہ ہو جائے، کسی کو فکر ہے مجھے موٹر اعلیٰ درجہ کی مل جائے، کسی کو فکر ہے مجھے مکان مل جائے، کسی کو فکر ہے مجھے زمین مل جائے، میں باغ لگا جاؤں، غرض یہ کہ اپنے اپنے ذہن میں سوچ سوچ کر بڑے پلان بنا رکھے ہیں، لیکن یہ پلان کسی کے ذہن میں نہیں کہ میرے ہاتھ پر لوگ مسلمان ہو جائیں، یہ لوگ جہنم سے بچ جائیں، دوزخ سے بچ جائیں، اللہ تعالیٰ کے مقرب بن جائیں، میری محنت اور کوشش سے یہ کسی ذہن میں نہیں۔ تو جس کام کے لئے بھیجا گیا تھا اس کا حکم تو ذہن سے نکال دیا۔ اور جو دوسری چیزیں ہیں جن کے لئے بھیجا نہیں گیا تھا بلکہ ان کے استعمال کی اجازت دی گئی کہ وقت ضرورت ان کو استعمال کر سکتے ہو، ان چیزوں کو اپنا مقصود بنا لیا۔ مکان بنانے کے لئے نہیں بھیجا گیا اجازت دی گئی کہ تمہیں مکان بنانے کی ضرورت ہو۔ رہنے سہنے کے لئے، بیوی بچوں کے لئے مکان بنا سکتے ہو، مگر کس طرح سے بناؤ، حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کے لئے اٹھتے اور وہیں برابر میں حضرت عائشہ رضہ زوجہ مطہرہ ہیں، حجرہ شریفہ میں اتنی جگہ نہیں تھی کہ وہ پیر پھیلا کر پوری طور سے لیٹ سکیں۔ نماز پڑھتے ہوئے جب سجدہ میں جاتے تب حضرت عائشہ کے پیروں کو ہاتھ سے اشارہ کرتے تو پیر سمیٹ لیتیں تو سجدے کی جگہ ہوتی۔ ذرا آدمی سر سیدھا کر کے کھڑا ہو کر ہاتھ اٹھائے تو ہاتھ چھت کو لگ جاتا تھا۔ اونچا اتنا، پھیلاؤ اتنا، ضرورت اتنے سے پوری ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول ہوتا تھا، ایک لنگی باندھ لی ایک چادر اوڑھ لی۔ عادتہً معمول یہ تھا، کرتا بھی استعمال فرمایا آپ نے، پائجامہ بھی آپ نے خریدا لیکن عادتہً استعمال یہ تھا، تو کم سے کم ضرورت پوری کرنے کے لئے کفایت کرنا، کس کام کے لئے مسلمان دنیا میں بھیجا گیا تھا، کم سے کم پر قناعت کرے کفایت کرے۔ اور اپنے

مال و دولت اور ساری قوتوں کو اللہ کے دین کی خاطر خرچ کرے اس کو چھوڑ دیا، اس کو یاد دلاتا ہے کہ ہم کس لئے پیدا کئے گئے تھے اور کیا کام کر رہے ہیں۔ تبلیغی اجتماع اسی مقصد کے لئے ہوتا ہے تاکہ ساری زندگی درست ہو جائے۔ اور زندگی درست ہونے کا حاصل یہی ہے کہ جس کام کے لئے زندگی عطا ہوئی تھی وہ کام اختیار کر لیا جائے۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ ایک قسم کے کھانے پر قناعت نہیں کی جاتی۔ آٹھ قسم کا، دس قسم، بارہ قسم کا کھانا ایک دسترخوان پر ہوتا ہے۔ اس لئے تو نہیں بھیجے گئے۔ آج مسلمان کو اس کا فکر زیادہ ہے کہ میرے دسترخوان پر زیادہ سے زیادہ قسم کے کھانے موجود ہوں۔ زیادہ سے زیادہ قسم کے لباس ہوں۔ عمدہ سے عمدہ میری گاڑی ہو، عمدہ سے عمدہ میری بلڈنگ، عمدہ سے عمدہ میری دوکان ہو۔ ان چیزوں کی فکر میں لگ گیا حالانکہ یہ چیزیں مقصود نہیں۔ مقصود جو کچھ ہے وہ دین ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے جنات اور انسانوں کو جو پیدا کیا ہے وہ صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اس عبادت کے واسطے ضرورت پیش آتی ہے مکان کی۔ مکان بنانے کی بھی اجازت دیدی۔ ضرورت پیش آتی ہے کپڑے پہننے کی، کپڑا بنانے کی اجازت دیدی۔ ضرورت پیش آتی ہے کھانے کی، کھانے کی بھی اجازت دیدی۔ حضرت سلمان فارسی رضؓ کھانا کھا رہے تھے، ایک دوست مہمان وہ بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔

تو کہنے لگے ساطر بھی ہوتا تو کیسے مزہ سے کھاتے۔ کھانا کیا تھا سوکھی روٹی کے ٹکڑے اور نمک کی ڈلی پیس رکھی تھی۔ ایک ٹکڑا دانت سے دبایا۔ جھٹ سے وہ لوٹا اور نمک کی ڈلی اٹھا کر منہ میں رکھ لی اور اسے چبا کر نگل گئے۔ یہ کھانا تھا۔ کہنے لگے کہ ساطر بھی ہوتا تو کیسے مزے سے کھاتے۔ ساطر ایک قسم کی

گھاس ہے جس میں چڑچڑا پن ہوتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضؓ اُٹھے اور اُٹھ کر بازار سے خرید کر لائے اور لاکر دونوں نے کھانا کھا لیا۔ بڑے مزے کے ساتھ روٹی کا ٹکڑا! دانت سے توڑتے کاٹتے تھے اور ساطر کی پتیاں چباتے تھے۔ روٹی، نمک، ساطر ان تین چیزوں سے مل کر وہ کھانا تیار ہو گیا تھا۔ کھانے کے بعد وہ کہنے لگے مہمان اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَنَّعَنَا بِمَا حَضَنَ۔ اللہ کے لئے حمد ہے کہ جس نے ہمیں قناعت دی ما حضر پر، جو موجود تھا اس پر قناعت کی ہم نے۔ حضرت سلمان فارسی رضؓ بولے، یار تجھے اگر ما حضر پر قناعت ہوتی تو میرا وضو کا لوٹا گروی نہ رکھواتا۔ پیسہ پاس نہیں تھا جو ساطر لاتے۔ ایک لوٹا جس کی ضرورت پانچ وقت پیش آتی ہے وہ لوٹا گروی رکھ کر ساطر لے آئے۔ یہ شان تھی ان حضرات کی۔ ان حضرات کے ذریعے اس دینِ اسلام نے فروغ پایا۔ اشاعت ہوئی۔ آج ہم لوگ ان کے طریق کو بالکل بھول گئے۔ نہ پڑھتے ہیں نہ کتابوں میں دیکھتے ہیں اور آگے کو ان کی حرص کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک صاحب کی بیوی نے آٹا گوندھا اور طشت میں رکھ کر گئی پڑوس میں گئی آگ لینے کے لیے۔ اتنے میں ایک سائل آیا۔ سائل نے کہا کہ اللہ کے نام پر بھیجو۔ انھوں نے وہ طشت اُٹھا کر اس کے حوالے کر دیا۔ جو آٹا گوندھا ہوا تھا۔ بھائی اندر تو کچھ ہے نہیں یہ ہے جا کر پکا بھنو۔ وہ لے کر چلا گیا۔ اب بیوی آئی۔ کہنے پوچھا میاں آٹا گوندھ کے رکھ گئی تھی وہ کیا ہوا۔ انھوں نے فرمایا روٹی پکنے گیا ہے روٹی پکنے گئی ہے اس کی۔ کہنے لگی مذاق کر رہے ہو۔ واقعی بتا دو کیا ہوا کہنے لگے مذاق نہیں واقعی روٹی پکنے گئی۔ ایک سائل آیا تھا۔ سائل نے سوال کیا میں نے اس کو دے دیا۔ کہنے لگی اللہ تم پر رحم کرے، گھر میں بچوں کے کھانے کیلئے

کچھ اور بھی بچا نہیں۔ کہنے لگے ہو یا نہ ہو اس کی مجھ کو خبر نہیں۔ باقی میرے سامنے آٹا گوندھا
اور رکھا ہے اور میں کہہ دوں گھر میں کیا ہے نہیں بلکہ دے دیجئے کو یہ مجھ سے نہ ہوا۔ ذرا غور کریں کہ
ہماری یہ حالت ہے کہ گھر میں، جیب میں، ہاتھ میں کوئی چیز موجود ہو اور پھر بھی ہم کہتے
ہیں کہ سب ختم نہیں دیتے کو۔ ان کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ یہ کہہ دیں کہ ہے نہیں، لیکن موجود
ہے۔ یہ بات کہہ ہی نہ سکے تھے اتنے میں ایک شخص آیا اس نے آکر آواز دی اور ایک
کپڑے میں روٹیاں لپٹی ہوئی گرم گرم لے کر آیا اور ایک بڑا پیالہ سالن کا بھی
لے کر آیا بھرے میں۔ بیوی کہنے لگی یہ تو واقعی روٹی بنانے لے گیا تھا اور میں تو
اتنی جلدی پکا بھی نہ سکتی جتنی جلدی اس کی روٹی پک کر آگئی۔ اور یہ تو سالن بھی
لے کر آیا ہے۔ ان کا معاملہ حق تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ تو یہ تھا کہ ایک سائل آکر
سوال کرتا ہے تو اپنے یہاں جو کچھ ہے کھانے پینے کے لئے اس کے حوالے کر دیا اور
حق تعالیٰ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ ہے کہ دوبارہ روٹی پکانے سے پہلے پہلے پکی
پکائی مع سالن کے بھیج دی۔ ضرورت اس کی ہے کہ ہم لوگ اپنا معاملہ اپنے مالک الملک
کے ساتھ صحیح کریں، اس کے ساتھ معاملہ صحیح کریں گے تو اس کی طرف سے بڑی راحتیں
آئیں گی۔ ایک کتاب میں لکھا ہے۔ ایک دفعہ بارش نہیں ہوتی تھی، پریشان تھے
سب۔ اس زمانے کے نبی اپنی اُمت کو لے کر باہر نکلے صحابہ پیچھے جنگل میں، گئے
نماز پڑھی، دعائیں کیں، خدا کے سامنے روئے، اُمت بھی رو رہی ہے نبی
بھی رو رہے ہیں۔ چالیس دن گزر گئے بارش نہیں ہوئی تو ان پیغمبر نے کہا،
یا اللہ کیا بات ہے۔ چالیس دن ہو گئے دعا کرتے کرتے دعا قبول نہیں ہوتی۔
وہاں سے جواب ملا کہ چالیس برس بھی دعا کرتے رہو تو قبول نہ ہوگی۔ یا اللہ کیا
بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تمہاری جماعت میں ایک بندہ ہے جس کے اندر چغلخوری
کی عادت ہے، اس کی بات اس سے کہہ دیتا ہے ان کے اندر نفرت پیدا کرا دیتا ہے

لڑائی کرا دیتا ہے۔ جب دُعا کرتے ہوئے دُعا آسمان کی طرف جاتی ہے پھر اس کی نحوست دروازہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ دعا اوپر نہیں جایا کرتی۔ پھر ان پیغمبر نے عرض کیا اچھا تو پھر اس بندے کا ہمیں نام بتا دیجئے تاکہ ہم اس کو اپنے مجمع سے الگ کر دیں پھر تو دعا قبول ہو گی۔ فرمایا کتنے بھولے آدمی ہو تم، ہم چغلخوری کو پسند نہیں کرتے ہیں ہم خود اپنے بندے کی چغلی کریں۔ تب انہوں نے عرض کیا، اعلان کیا کہ بھائی تم میں سے جو چغل خور ہے وہ یہاں سے اُٹھ جائے اور اگر نہیں اٹھے گا تو ایک ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر ہم اٹھائیں گے اور جس کے اٹھنے سے بارش ہو جائے تو ہم سمجھ جائیں گے کہ یہ تھا وہ چغل خور، جس کی وجہ سے ساری اُمت کی دُعا مردود ہو گئی تھی، تب کوئی نہیں اٹھا۔ لیکن جو چغل خور تھا اس نے کہا کہ یا اللہ تم نے اب تک میرے عیب پر پردہ ڈالا کسی پر ظاہر نہیں فرمایا کہ چغل خور کون ہے۔ چغل خور میں ہوں۔ میں گنہگار ہوں، خطا کار ہوں میری خطا کو معاف فرما۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں چغلی نہیں کروں گا، توبہ کرتا ہوں۔ وہاں دل میں تو اللہ سے معاملہ کیا اور آنکھ سے دو چار آنسو بھی ٹپکے۔ اتنے میں بادل آیا بارش ہو گئی۔ اس پیغمبر نے عرض کیا کہ باری تعالیٰ ابھی تک تو کوئی اٹھا بھی نہیں اس مجلس میں سے، وہ شخص یہیں ہے، موجود ہے جس کی وجہ سے بارش نہیں ہو رہی تھی یہ بارش کیسے ہو گئی۔ فرمایا ہمارے بندے نے ہم سے صلح کر لی پہلے لڑائی کر رکھی تھی اب صلح کر لی۔ پھر پوچھا کہ اب تو بتا دیجئے کون نیک بخت بندہ ہے جس کی صلح کی وجہ سے بارش ہو گئی۔ ساری مخلوق پر رحم ہوا تو فرمایا جب اس نے ہم سے لڑائی کر رکھی تھی ہم نے اس وقت اس کے عیب کو ظاہر نہیں کیا۔ آج جو اس نے صلح کر لی ہے اب ہم اس کے عیب کو ظاہر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ تو اس طرح پردہ پوشی کریں اور ہم لوگ ایک دوسرے کی برائی دُنیا میں کرتے پھریں۔ اچھا تھا سے

دو آدمیوں کے درمیان لڑائی پیدا کر دیں، نااتفاقی پیدا کر دیں اس لیے بارش نہ ہونے
اور دوسری مصیبتوں کے آنے کی وجہ جو کچھ ہے وہ ہماری بداعمالیاں ہیں۔ ان بداعمالیوں
کی اصلاح کی ضرورت ہے اور اس کیلئے کسی دوسرے کے پاس جانے کی زیادہ ضرورت
نہیں اپنے مالک الملک سے اپنا معاملہ درست کرنا ہے۔ کسی کا مالی حق ہو اس کو ادا کرنا ہے
جانی حق ہو اس کو ادا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جو حقوق دبا رکھے ہوں ان کو ادا کرنا ہے
خداوند تعالیٰ کے حقوق کو ادا نہیں کیا جاتا ہے۔ اس کے ادا کرنے کی کوشش کرنا اس
طریقے پر حقوق ادا ہوتے رہیں حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں گی۔ تو مسلمان
جس مقصد سے دنیا میں بھیجا گیا تھا وہ مقصد مسلمانوں نے کھو دیا، ضائع کر دیا۔
حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک ایک شخص اللہ
اللہ کہنے والا موجود رہے گا۔ ایک شخص کے اللہ اللہ کہنے سے تمام دنیا کا سماں قائم
ہے یہ اللہ اللہ کہنے کی ذکر کی ایسی برکت ہے، اللہ کے نام کی ایسی برکت ہے تو ذکر
ہم نے چھوڑ دیا گناہ میں مبتلا ہیں۔ اور اس کی وجہ سے جو نحوستیں پھیلی ہیں یا پھیلتی
آتی ہیں وہ آ رہی ہیں اور ان کی طرف توجہ نہیں۔ اور اگر ہے تو کیا اپنی سوچی
ہوئی تدبیروں کے ماتحت ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہونی چاہیے۔ حالانکہ جو تدبیر وہاں
سے بتائی گئی ہے اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ وہاں سے یہ تدبیر بتائی گئی ہے کہ مخلوقِ
خدا پر رحم کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔

دُعا:۔ حدیث شریف میں آیا ہے جس دعا میں درود شریف نہ ہو وہ دعا
اوپر نہیں جاتی ہے۔ اس لیے دعا کے آداب میں سے ہے درود شریف پہلے بھی
پڑھا جائے اور بعد میں بھی۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي
الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا

أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ. رَبَّنَا لَا تُزِغْ
قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ
عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا
وَارْحَمْنَا أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ.

اے پاک پروردگار ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما۔ یا اللہ تیرے دین سے جس قدر غفلت برتی ہے اس جرم عظیم کو معاف فرما۔ الٰہی رحم و کرم کا معاملہ فرما۔ فضل کا معاملہ فرما۔ الٰہ العالمین ہم سب کی خطائیں بخش دے پرانی بھی نئی بھی۔ اور ہم کو متوجہ فرما دے جس کام کے لیے پیدا کیا ہے اس کام پر کوشش کے لیے لگ جائیں۔ الٰہ العالمین تمام دنیا میں جہاں مظالم ہو رہے ہیں ان مظالم کو رد کر دے۔ ظالم کا ہاتھ پکڑ لے۔ مظلوموں کی نصرت فرما دے۔ الٰہ العالمین یہ سب کچھ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اے پاک پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ نیکی کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔ جن ہمارے بھائیوں نے بزرگوں نے نام لکھوائے ہیں یا اللہ ان کے ارادوں میں استقلال پیدا فرما۔ الٰہ العالمین ان کے اس ارادے کو قبول فرما اور جنھوں نے نہیں لکھوائے۔ ان کو نام لکھوانے کی توفیق عطا فرما۔ الٰہ العالمین اس دین کو تمام دنیا میں پھیلا دے اور اس کے لیے ہم کو پوری کوشش کرنے کی توفیق عطا فرما۔

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى
الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ. وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ
سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ
يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

تبلیغ کا مقصد اور طریقہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ، الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا وشفیعنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ ارسلہ بالحق بین یدی الساعۃ بشیراً ونذیراً ومن یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعص اللہ ورسولہ فانہ لا یضر الا نفسہ ولن یضر اللہ شیئاً۔ اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللہِ۔ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْکِتٰبِ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ۔

عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کے

آفرینش سے جتنی امتیں پیدا کی گئی ہیں سب میں بہتر ہو، سب میں خیر ہو، سب سے اعلیٰ ہو، سب سے اچھے ہو، اس امت میں خیر ہونے کی کیا بات ہے؟ خود بتلا دیا اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ جو لوگوں کے لئے بھیجی گئی ہے یہ امت دوسرے لوگوں کے واسطے ان کی ہدایت کے لئے، ان کی اصلاح کے لئے، ان کی خیر خواہی کے لئے بھیجی گئی ہے۔

کام کیا ہے اس اُمت کا۔ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دو، بُری باتوں سے روکو۔ جو کام انسانی ہمدردی کے موافق نہیں، خلاف کے خلاف ہیں، عقل کے خلاف ہیں، معاشرہ کے خلاف ہیں، اللہ کے خلاف ہیں ان سے روکو۔ ان کو مٹا دو، اور جو کام انسانی ہمدردی کے موافق ہیں اللہ کے حکم کے موافق ہیں خیر اور نصیحت کے ہیں ان کو پھیلاؤ، لوگوں میں شائع کرو۔ اس واسطے یہ اُمت سب سے بہتر ہے۔ پچھلی اُمتوں میں یہ تھا کہ ان کے لئے اعمال تجویز تھے، وہ اعمال کیا کرتے تھے۔ اس طرح سے ساری دنیا کے سامنے ایک حق کے پیغام کو لے کر جانا، پہنچانا یا ان کی ذمہ داری نہیں تھی۔ تھوڑے تھوڑے علاقہ کے لئے یہ اُمتیں ہوتی تھیں۔ جس نبی کی نبوت جس علاقہ کے لئے تھی تو اُمت وہیں تک تھی۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب پیغمبروں میں اخیر میں تشریف لائے اور سارے عالم کے لئے آئے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ نیز ارشاد ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ سب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ افریقہ کی طرف، امریکہ کی طرف بھی، فرانس کی طرف بھی، جرمن کی طرف بھی، ہندوستان کی طرف بھی، پاکستان کی طرف بھی، سارے عالم کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک خیر کی چیز لائے، بہتری اور بھلائی کی چیز لائے، جس سے دنیا بھی درست رہے، آخرت بھی درست رہے۔ ایسی چیز ایسی بڑی نعمت کو کسی خاص قوم یا کسی خاص اُمت کے لئے محدود نہیں کیا گیا بلکہ سارے عالم کے لئے دیا گیا ہے۔ جیسے آسمان سے ستارے نکلتے ہیں، کسی ستارے کی روشنی زیادہ ہے

کسی ستارے کی تھوڑی سی روشنی ہے۔ کوئی ستارہ کسی علاقہ میں نمودار ہے کوئی ستارہ کسی علاقہ میں نمودار ہے۔ لیکن جب آفتاب نکلتا ہے تو اس کی روشنی سارے عالم میں پہنچتی ہے، سب جگہ پر پھیلتی ہے۔ آفتاب کے بعد کسی ستارے کی ضرورت نہیں رہتی کسی روشنی کی ضرورت نہیں۔ جہاں جہاں تک آفتاب کی شعاعیں پہنچیں گی سب جگہ روشنی ہوتی چلی جائے گی۔ اسی طریقہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی عام آپ کی دعوت بھی عام۔ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ اہل کتاب اگر ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ اہل کتاب کو مخصوص کیا، اس واسطے کہ ان کی کتابوں میں تذکرہ تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ توریت میں بھی تذکرہ تھا، انجیل میں بھی ذکر تھا۔ ان کو خاص طور پر کہا گیا کہ تمہارے پیغمبروں کے اوپر جو کتابیں ہیں ان کی تعلیم ہے ان میں تذکرہ ہے۔ پیغمبروں نے تم سے کہا تھا کہ ایمان لاؤ نبی آخر الزماں پر۔ لہٰذا وہ لوگ ان پر ایمان لے آتے تو اچھا تھا۔ ایک نصرانی بادشاہ نے ایک خط لکھا ہے مسلمان خلیفہ کے نام۔ اس میں لکھا ہے ایک تمہارے پیغمبر ہیں حضرت محمد جن کو تم پیغمبر مانتے ہو ہم پیغمبر نہیں مانتے۔ ان کی پیغمبری میں اختلاف ہو گیا۔ اور ایک ہمارے پیغمبر ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو تم بھی پیغمبر مانتے ہو، ہم بھی پیغمبر مانتے ہیں، ان کی پیغمبری پر تو اتفاق ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی چیز کو چھوڑ کر اتفاق کی چیز کو سب کیوں نہ مان لیں۔ لہٰذا تم بھی عیسائی ہو جاؤ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مانتے ہی ہو، اختلاف سارا ختم ہو جائے گا۔ خلیفہ وقت نے علماء کے پاس اس خط کو بھیجا۔ ایک عالم نے جواب دیا کہ ہمارے پیغمبر ایسے ہیں جن کو ہم تو پیغمبر مانتے ہی ہیں لیکن تمہارے پیغمبر نے بھی ان کو پیغمبر مانا۔ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ تمہارے پیغمبر نے یہ کہا کہ میں بشارت دیتا ہوں ایک ایسے پیغمبر کی جو بعد میں آئیں گے ان کا نام احمد ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی پیغمبر مانا۔ اور تم کو ہدایت دی ہے کہ ان کو مانو تسلیم کرو۔

ایمان لاؤ۔ لہٰذا ہمارے پیغمبر کی پیغمبری تو بالاتفاق ہے۔ ہم بھی پیغمبر مانتے ہیں اور تمہارے
پیغمبر بھی پیغمبر مانتے ہیں۔ اور جس کو تم کہتے ہو عیسیٰ مسیح ابن اللہ ثالث ثلاثہ۔ وہ پیغمبر
تو کیا ہوتے اس نام کا کوئی آدمی پیدا ہی نہیں ہوا جو ابن اللہ ہو۔ اللہ کا بیٹا تو کوئی ہوا
ہی نہیں آج تک۔ اس کو پیغمبری سے کیا واسطہ۔ لہٰذا تم جس کو مانتے ہو اس کا وجود ہی
کہیں نہیں، پیغمبری کیا ہوتی۔ چونکہ پچھلی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اور حضورؐ
کے خلفاء کا بھی تذکرہ، حضورؐ کی امت کا بھی تذکرہ اور حضورؐ کے دین کا بھی تذکرہ ہے۔
اس لیے قرآن کریم نے کہا: وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک علاقہ میں تھا، شام کا
وقت تھا۔ ایک شخص نے دیکھا آسمان کی طرف اور کہا ھذا کوکب محمد۔ کہ یہ محمدؐ کا ستارہ
ہے۔ آج حضورؐ پیدا ہو رہے ہیں۔ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت سے
پہلے منتظر تھے۔ اس ستارے کو دیکھ کر سمجھ گئے اور یہ کہنے والا اہل کتاب میں سے تھا جس
نے یہ بات کہی تھی۔ وہ لوگ یہاں تک پہچانتے تھے۔ نام لکھا ہوا تھا ان کی کتابوں میں حضورؐ
صلی اللہ علیہ وسلم کا، کام لکھا ہوا تھا کیا کام کریں گے۔ پوری چیزیں موجود تھیں۔ اس لیے
قرآن کریم میں کہا گیا یہ ایمان لے آتے تو اچھا تھا۔ کیونکہ ان کو پہلے سے خبر کر دی گئی تھی۔
نصاریٰ نجران آئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے۔ اسلام کی حقانیت
پر بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ حضورؐ کی بات کو تسلیم نہیں کیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔
اللہ نے آیت نازل فرمائی۔ قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ
وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ۔ اور تم بھی اپنی اولاد
کو لے آؤ ہم بھی اپنی اولاد کو لے آتے ہیں اور اللہ کے سامنے مباہلہ کریں۔ کہ کیا جھوٹے پر
اللہ کی لعنت۔ ہم بھی اللہ سے دعا کریں ہاتھ اٹھا کر کہ جھوٹے پر اللہ کی لعنت۔ تم بھی دعا
کرو۔ تم خود اپنے آپ کو جھوٹا سمجھتے ہو دل میں تمہارے جھوٹ ہے۔ تم جانتے ہو۔ لیکن

زبان سے اقرار نہیں کرتے۔ اگر تم جھوٹے ہو تو تم پر لعنت ہے۔ ان لوگوں نے دیکھا آپس میں کہا دیکھو یہ تو جن کو لیکر حضورؐ تشریف لائے ہیں یہ ایسی مبارک صورتیں ہیں کہ اگر ان کے خلاف ہم نے کچھ کہا اور لعنت کی بددعا دی تو ہم ہی ہلاک و تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ انھوں نے مباہلہ نہیں کیا۔ وہ جانتے تھے۔ اسی لئے قرآن کریم نے کہا اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو اچھا تھا۔ آگے فرماتے ہیں مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔ بہت تھوڑے سے لوگ ہیں اہل کتاب میں سے جو ایمان لائیں گے اور اکثر تو نافرمان ہیں۔ دل میں یقین ہو جانے کے باوجود پھر ایمان نہ لانا کتنی بڑی بدبختی کی بات ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دو یہودیوں نے دیکھا اور دیکھ کر آپس میں کہنے لگے کہ یہی شخص ہے جو ہمیں جزیرۂ عرب سے نکالے گا۔ مدینہ طیبہ سے نکالے گا۔ آئے ان کے پاس اور آکر کہنے لگے کہ جب آپ کی بادشاہت ہوگی اور آپ حاکم بن جائیں گے اس وقت ہمیں نہ نکالنا۔ ابھی اس درجے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسنے لگے میں ایک اونٹ چرانے والا آدمی میں کہاں اور بادشاہت کہاں۔ کہا نہیں نہیں آپ لکھ دیجئے پرچہ۔ اصرار کے بعد پرچہ لکھ دیا۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ چار سو بیس نہیں جانتے تھے کہ کیا ہوتی ہے۔ سیدھے سادے لوگ تھے پرچہ لکھ دیا۔ اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنا بھی شروع نہیں ہوئی تھی جب یہ بات ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر وحی آئی۔ تیئیس ۲۳ برس تک نبوت کی اشاعت کی اس کے بعد وفات ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ اس وقت میں وہ یہودی لوگ پرچہ لیکر آئے ہیں آپ نے ہم کو امن دیا تھا۔ اب آپ ہم کو باہر نہیں کر سکتے۔ اتنا جانتے تھے وہ لوگ، صورت دیکھ کر پہچانتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سو رہے تھے ان کی آنکھ تھوڑی سی کھل گئی۔ اندر سے آنکھ کوئی تل سیاہ نشان تھا یہودی کے نظر پڑا۔ اس نے کہا بس بس یہی خلیفہ ہوں گے۔

سمجھی خلیفہ ہوں گے۔ یہاں تک پہچانتے تھے کہ کس جگہ پر قتل ہے کس جگہ پر نشان ہے۔ اس لئے
قرآن پاک کہتا ہے وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یہ اتنی نشانیوں کے جاننے
کے باوجود ایمان نہیں لائے۔ یہ اگر ایمان لے آتے تو اچھا تھا ان کو دوہرا اجر ملتا۔ پچھلی
کتاب پر بھی عمل کرنے کا اجر ملتا اور قرآن پاک پر بھی عمل کرنے کا اجر ملتا۔ یہ اپنے نبی
کے امتی ہونے کی حیثیت سے بھی ایک مقام حاصل کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی
ہونے کی حیثیت سے بھی ایک مقام حاصل کرتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا
ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے۔ آپ کی کتاب میں ایک امت کا تذکرہ ہے کہ وہ امت راحت
و مسرت کی حالت میں تو شکر گزار ہوگی اور مصیبت و رنج کی حالت میں صبر کرے گی۔
میری خواہش یہ ہے کہ وہ امت مجھے دے دیجئے۔ جواب ملا کہ وہ امت تو نبی آخر الزمان
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ عرض کیا کہ آپ کی کتاب میں ایک امت کا تذکرہ ہے
جو جہاد کرے گی مال غنیمت اس کے لئے حلال ہوگا۔ میری خواہش ہے کہ یہ امت مجھے
دے دیجئے۔ جواب میں کہا گیا کہ وہ امت تو نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔
آخیر میں بہت ساری باتیں ظاہر کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست
کی کہ اچھا وہ امت اگر مجھے نہیں مل سکتی تو مجھے ہی اس امت میں داخل کر دیجئے۔
اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنایا اور وہ درخواست کر رہے ہیں کہ مجھے اس امت میں داخل کر دیجئے
اس امت کے فضائل اتنے ہیں چونکہ یہ امت خیر امت ہے اس کا دین خیر الادیان ہے
اس کے رسول خیر الرسل ہیں، اس کی کتاب خیر الکتب ہے، یہ امت خیر الامم ہے۔
ہر طرح کی خیر ہی خیر ہے۔ خیر کو لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور دنیا میں
جتنے نفوس انسانیہ بستے تھے سب کے سامنے اس کو پیش کیا۔ جانور تک آپ پر ایمان
لائے۔ درختوں نے کلمہ پڑھا۔ پتھروں نے کلمہ پڑھا۔ آسمان سے آوازیں آئیں۔ جنات
ایمان لائے۔ مگر جن لوگوں کی تقدیر میں ایمان نہیں تھا وہ ایمان نہیں لا سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ان سب کے باوجود یہ اگر ایمان لے آتے تو کتنا
اچھا ہوتا۔ بہتر ہی بہتر تھا۔ خیر کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کتنے غضب کی بات ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو خیر لیکر جاتے ہیں لوگوں کے پاس۔ ایک نعمت لیکر جاتے ہیں اور
لوگ دھتکارتے ہیں، برا کہتے ہیں، گالی دیتے ہیں، لڑتے ہیں، قتال کرتے ہیں۔ کتنی
بدنصیبی کی بات ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔
مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔

ایک یہودی کو معلوم ہو گیا تھا اپنی کتاب کے ذریعے سے کہ نبی آخر الزماں کے ظہور کا
وقت قریب آرہا ہے اور وہ مکہ میں پیدا ہوں گے اور ہجرت کرکے مدینہ طیبہ میں
جائیں گے۔ اور مسجد نبوی کے قریب جہاں ٹھہریں گے مکان ہیں۔ وہ مکان یہودی نے
خرید لیا۔ اور اس نے سوچا کہ جب وہ تشریف لائیں گے تو سب سے پہلے میں ان کو اپنا
مہمان بناؤں گا۔ لیکن اس کے بعد وہ مکان فروخت کر دیا اور چلا گیا اور وہ مکان
حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آگیا۔ انہی کے یہاں مہمان ہوئے۔ یہودی
یہ بھی جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا وقت قریب آرہا ہے وہ یہاں
آکے ٹھہریں گے۔ ام معبد اور ان کے شوہر دونوں کے دونوں حضورؐ کی تلاش میں نکلے
اور یہاں پہرا آکر ایک مقام پر انھوں نے اپنا چھوٹا سا ایک خیمہ ڈال دیا۔ ٹھہر گئے وہاں۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے تھے تو ام معبد کے
خیمہ میں پہونچے تو فرمایا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہ آپ کے یہاں کچھ کھانے کی چیز
ہے؟ انھوں نے بتلایا مفلوک الحال ہے کچھ نہیں کھانے کو۔ شوہر تو گئے ہوئے تھے جنگل
بکریاں لیکر اور خود ام معبد اپنے خیمہ میں تھیں۔ ایک بکری بندھی ہوئی تھی وہاں۔
ام معبد سے پوچھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہ یہ بکری کیسی ہے۔ انھوں نے
کہا یہ تو جنگل جا نہیں پاتی ہے۔ کہا اچھا ہمیں اجازت دو اس کا دودھ دوہنے کی۔

انھوں نے کہا اس میں دودھ ہے کہاں۔ اس کی تو کھال ہڈیوں سے لگی ہوئی ہے گوشت
بھی اس میں نہیں ہے دودھ کیا ہوتا۔ بہرحال دودھنا چاہو تو دوہ لو۔ پانی لیکر پہلے
تھنوں کو دھویا۔ اس کے بعد دودھ نکالا۔ اور نکال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا۔
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیا۔ ام معبد رضی اللہ عنہا نے پیا۔ اور جو ان کے یہاں
برتن تھے ان میں رکھ دیا۔ اور اس کے بعد چل دیئے۔ شام کو جب ان کے شوہر آئے تب
انھوں نے اپنے خیمہ میں انوارِ نبوت محسوس کئے وہ طالبِ حق تھے انوارِ نبوت محسوس
کئے۔ پوچھا گھر میں کوئی مہمان آیا تھا۔ یہ دودھ کہاں سے آیا۔ بتایا ایسے ایسے دو شخص
آئے تھے۔ انھوں نے کھانے پینے کی چیز طلب کی۔ بکری مانگی۔ بکری کا دودھ نکالا اور
اس طرح سے خود بھی پیا ہمیں بھی پلایا۔ اور باقی رکھ دیا برتن میں۔ ان کے شوہر نے
کہا اللہ کی بندی ایسے مبارک مہمانوں کو کیوں نہیں روکا۔ ان کو تو روکنا چاہیے تھا انھی
کی خاطر تو ہم ٹھہرے تھے یہاں۔ مگر اب یہاں ٹھہرنے کا کیا کام چلو اپنا خیمہ اکھاڑ کر
مدینہ طیبہ چلے گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ،
ہجرت سے پہلے بہت واقعات اس قسم کے پیش آئے کہ اہل کتاب کو محسوس ہوئے۔
دوسرے لوگوں کو محسوس ہوئے اور اللہ تبارک تعالیٰ ان لوگوں کے اختیار کے بغیر
بھی ان کے قلب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ڈال دیئے۔ اس لئے فرما دیا
وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یہ اہل کتاب اگر ایمان لے آتے تو کتنا اچھا
ہوتا۔ خیر ہوتا ان کے لئے۔ مگر وہاں تو خیر کیا ہوتی۔ اہل کتاب تو بہت زیادہ جلتے
تھے۔ بہت زیادہ غصہ میں بھرے ہوئے تھے خاص کر یہودی تو حضورؐ سے بہت غصہ
میں تھے۔ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا۔ تو سب
سے زیادہ دشمنی یہود کو تھی حضورؐ کے ساتھ۔ اس واسطے کہ وہ جانتے تھے کہ ان کے آنے کے
بعد ہمارے مذہب کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے

اُن کے حواریین میں سے ایک نے کہا میری خواہش یہ ہے کہ حضرت نبی آخر الزماں کو دیکھوں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔ وہاں سے جواب ملا۔ اس حالت میں اس صورت میں تو نہیں دیکھ سکتے تم۔ تم چاہو تو ہم تم کو سانپ بنا دیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت ہجرت کریں گے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف۔ راستے میں ایک غار میں ٹھہریں گے تم اس غار میں جا کر ٹھہر جاؤ۔ وہاں تم کو زیارت ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے منظور کر لیا اس کو سانپ بنا دیا گیا۔ وہ آ کر اس غار میں ٹھہر گیا۔ وہ منتظر رہا۔ کئی صدیاں گذر گئیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اور پھر مشرکین نے مکہ مکرمہ میں چین نہیں لینے دیا۔ یہاں تک کہ قتل کا منصوبہ بنا لیا۔ اب اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا۔ پھر حضورؐ اس غار میں آ کر ٹھہرے۔ اس غار ثور میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ساتھ تھے۔ اوّل تو حضرت ابو بکرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر بٹھایا۔ فرمایا آپ ٹھہر جائیں میں غار کو دیکھ لوں۔ غار کو دیکھنے کے لیے گئے تاکہ اس کو صاف کریں ٹھہرنے کے واسطے۔ باہر آئے تو ایک چادر تھی آپ کے پاس۔ ایک چادر غائب تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا دوسری چادر کیا ہوئی؟ بتلایا کہ اس میں جو سوراخ تھے اس چادر سے پھاڑ پھاڑ کر وہ سوراخ بند کر دیے کہ ان میں کوئی موذی جانور نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلانے پلانے کی فکر میں تھے۔ ایک بکری والے کو دیکھا۔ اس سے پوچھا۔ اس نے بتلایا فلاں شخص کی ہے۔ انھوں نے کہا دودھ دوہنے کی اجازت دو۔ اس نے کہا اجازت ہے۔ دودھ دوہا۔ اور اس میں ذرا ٹھنڈا پانی ملا کر ٹھنڈا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شَرِبَ حَتّٰی رَضِیْتُ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا یہاں تک کہ میرا جی راضی ہو گیا۔ کیا محبت تھی کیا تعلق تھا کہ دودھ پی رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جی راضی ہو رہا ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا۔

پھر اس غار کو صاف کر کے اندر لے گئے اور عرض کیا کہ آپ میری ران پر سر رکھ کر
ذرا آرام کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے۔ دیکھا تو ایک سوراخ باقی ہے اس
غار میں، وہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا پیر رکھ دیا۔ اس سوراخ
میں وہ سانپ تھا۔ وہ سانپ نکلنے لگا۔ دیکھا تو سوراخ میں کوئی چیز اٹکا دی ہے
اس نے کاٹا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیر تھا وہ۔ کاٹنے پر حضرت ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ کو فکر ہوئی کہ اب سانپ کے کاٹنے سے میں تو مر جاؤں گا۔ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ جائیں گے۔ دشمن تاک میں ہے تلاش میں ہے، پھر رہے ہیں
جگہ جگہ ڈھونڈتے ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیں گے۔ اس غم اور صدمے
آنکھ سے آنسو نکلے حضور کے اوپر گرا وہ آنسو۔ تب حضور نے فرمایا کیا بات ہے۔
حضور میں تو ڈسا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ اس کی برکت
سے زہر کا اثر پیدا نہیں ہوا۔ وہ سانپ جو کئی صدیوں سے وہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ کہنے
لگا اللہ کے بندے اب دیدار کا وقت آیا تو تم نے پیر اڑا دیا اس میں۔ تو حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کے حواری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے مشتاق تھے۔ اس لیے کہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے اہل کتاب کو بہت معلومات تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے ذریعے سے ان کے اہل کتاب کو بہت کچھ معلومات تھیں۔ وہ لوگ اگر ایمان لے آتے
تو کتنا اچھا تھا۔ ان کے پیغمبر کی تصدیق ہو جاتی ان کے لیے۔ آگے فرماتے ہیں۔ لَنْ
یَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى۔ اے امت محمدیہ جب تم دوسروں کے واسطے نکالے گئے ہو
اپنے نفع و نقصان کے لیے نہیں نکالے گئے۔ تاکہ حق تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کو تمام
انسانوں کے پاس تقسیم کر دو۔ اس لیے نکالے گئے ہو۔ اہل کتاب نشانیاں دیکھنے
کے باوجود معجزات دیکھنے کے باوجود بھی ایمان نہیں لائے۔ اور فسق میں مبتلا ہیں
وہ عداوت پر اتر آئے ہوئے ہیں۔ تم کو ایذا دیت پہنچائیں گے۔ تمہارا ایمان

تو وہ چھین نہیں سکتے ہاں تھوڑی سی اذیت پہونچا سکیں گے۔ بہت معمولی ہوگی۔ چنانچہ وہ اذیتیں ساری کی ساری ہمارے اکابر و اسلاف بھگت چکے ہیں۔ آج ہمارے لئے کوئی اذیت نہیں، بڑی آزادی ہے، ہر طرح سے یاد رکھو آج دوسروں کو دشمنوں کو یوروپ وغیرہ کو مسلمانوں کی کسی حکومت سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کسی حکومت کے متعلق ان کو یہ توقع نہیں کہ وہ ہم پر حملہ آور ہوگی۔ اس کے پاس اتنے ہتھیار نہیں کہ وہ لڑ سکیں۔ فتح پانا تو کیا بات ہے لڑ بھی نہیں سکتے۔ مادی طاقت ایسی ہے ہی نہیں مسلمانوں کے پاس، البتہ خوف ہے تو انہی لوگوں سے ہے۔ جن کے دلوں میں دین کی قدر ہے دین کی تڑپ ہے اور وہ یہ جانتے ہیں کہ دوسروں تک اس دین کو پہنچانے والے یہی ہیں۔ اس کی وجہ سے فکر ہے۔ کئی سال کی بات ہے سہارنپور سے حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے لندن۔ میں بھی ساتھ گیا تھا۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ تقریباً پانچ ہزار آدمی روزانہ دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔ دور دور سے لوگ آتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضرت شیخ تشریف لائے ہیں تو ہوائی جہاز سے چلے آرہے ہیں۔ جیسے ایک صاحب نے امریکہ سے فون پر کچھ مسائل پوچھے وہاں کے ایک عالم سے تو انھوں نے کہدیا کہ تم فوراً چلے آؤ۔ جو کچھ پوچھنا ہے یہاں آکے پوچھ لینا۔ وہ اگلے روز پہونچ گئے اور جتنے مسائل پوچھنے تھے ان کو انھوں نے پوچھ لئے۔ تو اس وقت میں امریکہ کے اخبار میں شائع ہوا تھا کہ اسلام یوروپ کے دروازہ تک پہونچ چکا ہے۔ بڑا خطرہ لاحق ہوگیا یوروپ کو اسلام سے کہ دروازہ پر آ پہونچا ہے۔ حالانکہ یہ بیچارے کیا لڑتے ان کے پاس تو چاقو بھی نہیں، بندوق، تلوار اور مشین گن تو کیا ہوتی کوئی چیز نہیں کوئی ہتھیار نہیں۔ ان کے پاس جو کچھ ہے اللہ کا خوف ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو خوف کسی دل میں جمع نہیں ہوتے کہ اللہ کا خوف بھی ہو مخلوق کا خوف بھی ہو۔ اگر کسی کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا تو مخلوق کا خوف اس کے دل سے نکل چکا

ہوگا۔ یہ حضرات اذیتیں برداشت کر چکے ہیں لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى۔ تم ان کو اذیت ہرگز نہیں پہونچا سکتے۔ مگر تھوڑی سی تھوڑی اذیت پہونچائیں گے۔ رہا یہ کہ ختم کر دیں نیست و نابود کر دیں ایمان کو سلب کر لیں اس کی قدرت ان کو نہیں۔ ہاں مسلمان اگر خود ہی اپنے دین سے ناواقف ہو۔ نہ قرآن شریف پڑھتا ہے نہ حدیث شریف پڑھتا ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو دیکھتا ہے نہ مسائل سے واقفیت ہے وہ اگر ان کے پھندے میں آجائے زر، زن، زمین کی وجہ سے یا کسی دوسرے لالچ کی وجہ سے اور خوف کی وجہ سے وہ دوسری بات رہی۔ لیکن جس مسلمان کے دل میں واقعی ایمان ہے وہ ہرگز ہرگز ان کے پھندے میں قابو میں نہیں آسکتا۔ اس لئے فرماتے ہیں لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى۔

۱۸۵۷ء میں جو جہاد ہوا ہندوستان میں اس میں گرفتاری ہوئی اہل شرکی، سولی قائم کی گئی۔ دہلی کی جامع مسجد سے لال قلعہ تک بادشاہ کے آنے جانے کا جو راستہ تھا سڑک کا اس کے دونوں طرف درختوں پر لاشیں لٹکی ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ پر سولی قائم کر کے علماء کو سولی دی گئی۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کیا گیا اور جیل میں گئے۔ دیر تک رہے۔ وہاں ایک شخص پہلے سے محبوس تھا اس کو قرآن شریف شروع کرا دیا تھا مولانا نے۔ یہاں تک کہ مولانا کی جیل کا زمانہ ختم ہو چکا، پروانہ آگیا یہاں کا سرکاری کہ آپ رہا کئے جاتے ہیں آپ کی جیل کی مدت پوری ہو گئی۔ اس شخص نے کہا حضرت میرا تو قرآن رہ گیا۔ حضرت نے فرمایا میں نہیں جاتا میں تو تمہارا قرآن کریم ختم کرا کے جاؤں گا۔ تو جو جیل کی مدت تھی اس سے زائد صرف قرآن کریم ختم کرانے کے لئے رہے۔ ایسے لوگوں کو کیا جیل کی اذیت ہو سکتی ہے۔ کیا کوئی ستا سکتا ہے جو خود وہاں پر رہنے کا مشتاق ہو۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ گرفتار ہوئے۔ وہ کئی برس تک مالٹا کی قید میں رہے۔ طرح طرح سے ان کو ستایا گیا۔ سردی زیادہ ہوتی تھی۔ اخیر شب میں جب وہ تہجد کے لئے اٹھتے تھے تو حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ ساتھ تھے

وہ لوٹے میں ٹھنڈے پانی کو لیکر اپنے پیٹ پر رکھے رہتے تاکہ پیٹ کی گرمی سے پانی کچھ گرم ہو جائے۔ وضو کرنے کے قابل ہو جائے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ وضو کر کے نماز کی نیت باندھتے تو جو گورے پہرے پر ہوتے تھے وہ لاٹھی وغیرہ سے ان کے چوتڑ مارتے تھے
چنانچہ جس وقت ہندوستان تشریف لائے تو ان کے پہلو پر جگہ جگہ نشانات تھے
جس وقت ان کے افسر کو معلوم ہوا اس نے کہا اس شخص پر کیوں زیادتی کرتے ہو یاد رکھو یہ ایسا شخص ہے کہ اگر اس کو قتل کر دو گے تو اس کے خون سے حق حق کی آواز آئے گی۔ اس کو اگر جلا دو گے تو اس کی راکھ سے آواز آئے گی حق حق کی اس کو مت ستاؤ۔ چنانچہ ان حضرات نے صبر کیا۔ ان کے صبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند فرمائے۔ اس لئے جو اذیت حق کی بڑی اذیتیں وہ تو اکابر برداشت کر چکے۔ آج ہمارے سامنے کوئی اذیت نہیں ہے۔ بہت تھوڑی سی چیز ہے۔ ہمت کر کے قوت کے ساتھ اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے وقت دینا ہے۔ نہ کسی طاقت پر بھروسہ ہے، نہ کسی حکومت پر بھروسہ ہے محض اللہ پر بھروسہ کر کے کام کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہے۔ اور جو زمانہ جہاد کا تھا ہمارے اسلاف نے اس زمانہ میں جہاد بھی کیا اور طرح طرح سے کامیاب ہوئی۔ اس کو ایک شاعر نے کہا ہے ؎

اے بادِ صبا جھک کر کہنا میری جانب سے | گر در گُذرِ تربتِ مدینہ تو جا نکلے
باتیں جو بتائی تھیں تم نے وہ حقیقت تھی | وعدے جو کئے تم نے وہ سارے بجا نکلے
قیصر تھا نہ کسریٰ تھا میدانِ شجاعت میں | جب ارضِ مقدس سے یہ برگِ حنا نکلے

یہ حضرات نکلے ہیں دین کی خاطر اور کایا پلٹ ہو تی چلی گئی۔ ایک ایک شخص کے ہاتھ پر ہزاروں آدمی ایمان لے آئے۔ شیخ زکریا صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر نہ معلوم کتنے ہزار آدمی ایمان لائے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بے شمار لوگ ایمان لائے۔ اور خدا جانے ان میں سے کتنے بڑے بڑے عالم ہو گئے۔ اہل اللہ و عارف ہو گئے۔

کتنے حافظ اور قاری ہوئے، کتنوں نے جہاد کیا اور کتنوں نے کس قدر دین کو پھیلایا اور برابر یہ سلسلہ چل رہا ہے اور چلتا رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور یہ نہ سمجھیں کہ اگر آپ حضرات نے کام چھوڑ دیا تو دین رُک جائے گا۔ نہیں چھوڑنے والے تباہ ہو جائیں گے۔ اگر دین کو اختیار نہیں کیا تو دین کے چھوڑنے والے تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ دوسری قوم سے کام لے گا۔ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم۔ اگر مسلمان دین سے غفلت کرتے ہوئے اس کی طرف توجہ نہ کریں اس کو چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو دوسرے دین والوں کو کھڑا کر دے گا مسلمان بنا کر تاکہ وہ اسلام کی خدمت کریں گے اور محروم رہیں گے وہ جو دین کی خدمت نہ کریں۔ ہندوستان میں ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا۔ جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جہاں جہاں لڑائیاں ہوئیں مسلمانوں کے پاس کم ہتھیار، سواریاں کم۔ اور دشمن کے پاس آدمی زیادہ ہر چیز زیادہ لیکن جب لڑائی ہوتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان آگے بڑھتے چلے جاتے رہیں۔ ان کے مقابلہ میں دشمن پیچھے کو بھاگتے چلے جاتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا مسلمان جہاد میں اس نیت سے نہیں جاتا کہ دوسروں کو قتل کرے۔ دوسرے کے مال لوٹے ان کے تخت پر بیٹھے، ان کے تاج کو اپنے سر پر رکھے۔ ان کی حکومت کو چھین لے۔ مسلمان جاتا ہے دینِ حق کو بلند کرنے کے واسطے اور دین کی خاطر شہادت حاصل کرنے کے لئے۔ میرا جسم میری جان دین کے کام آ جائے۔ میری گردن دین کے کام آ جائے۔ مسلمان جانتا ہے کہ میرا مقصود آگے بڑھنے سے حاصل ہوگا۔ لہٰذا دشمن کے بڑے بڑے جتھوں میں گھستا چلا جاتا ہے اس نیت سے کہ شاید یہاں شہادت مل جائے۔ یہاں میرا سر قبول ہو جائے۔ اس کا جو مقصود ہے وہ تو آگے بڑھنے سے حاصل ہوگا اس لئے آگے کو بڑھتا ہے اور دشمن اپنی جان کو بچانے کی فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح سے میری جان بچ جائے۔ اس کا مقصود اپنی جان بچانا ہوتا ہے۔ اس کی جان بچنے کا راستہ جو اس کے نزدیک ہے بھاگنا ہے۔

وہ میدان چھوڑ کر بھاگتا چلا جاتا ہے۔ صاف صاف کی بات ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بادشاہ کے پاس گئے ایک سو آدمی لیکر وہاں چھ لاکھ فوج تھی۔ اصل میں لاکھ فوج کے مقابلہ میں ایک سو آدمی کیا نسبت ہے۔ ان کے درمیان دربار میں جاکر بڑے شاندار طریقے سے گفتگو کی۔ ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئے۔ بادشاہ نے غصہ میں آکر کہا۔ فوج کو حکم دیا کہ ان مسلمانوں کو گرفتار کرو۔ یہ سنتے ہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار نکال لی۔ اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ خبردار اب کوئی ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھے ہماری تمہاری ملاقات حوض کوثر پر ہوگی۔ یہ سنتے ہی سو کے سو صحابہ نے اپنی اپنی تلواریں نکال لیں۔ اس کا اتنا رعب پڑا کہ وہ بادشاہ کھسیانی ہنسی ہنس کر کہنے لگا۔ ارے بھئی تھوڑے ہی کہہ رہا تھا میں تو مذاق میں کہہ رہا تھا۔ میں تھوڑے ہی گرفتار کراتا ہوں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے ان کے سرہانے کھڑے ہوئے رو رہے تھے۔ وہ بتا رہے تھے کہ ہم نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی تو توقع نہیں تھی کہ ہمیں شہادت ملے گی عکرمہ تو کامیاب ہوگئے۔ دیکھئے میرے مقدر میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ انتقال کے وقت رو رہے تھے کہ میں کبھی فتح پانے کے شوق میں میدان میں نہیں گیا بلکہ موت کو تلاش کرتا پھرا۔ جہاں کہیں امید ہوئی کہ یہاں گھسنے سے موت آجائے گی وہاں گھستا چلا گیا۔ مگر موت نے ہمیشہ مجھ سے منہ پھیرا۔ ہائے افسوس! آج بوڑھی عورتوں کی طرح سے بستر پر پڑا کر مر رہا ہوں۔ تو مسلمان تو شہادت کے شوق میں آگے بڑھتا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ۔ اگر انھوں نے تم سے قتال کیا لڑائی کی تو پیٹھ پھیر لیں گے۔ اللہ کے وعدہ پر اطمینان رکھو۔ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ۔ پھر ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ مسلمانوں کی تو مدد کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ بھیجتے ہیں مدد کے لیے۔ اور ان کے اندر حوصلہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ تاریخ کی لڑائیوں میں دس دس فارس کے آدمی ایک ایک مسلمان کو گرا نہیں پاتے تھے۔ ان کے

دلوں میں یہ بیٹھ گیا تھا کہ یہ تو جنات قسم کے لوگ ہیں انسان ہی نہیں۔ یہ گرتے ہی نہیں مرتے ہی نہیں۔ ایک مسلمان کو گھیر لیا اور بڑی مشکل سے گرا دیا اور قتل کر دیا اور اس کے بعد سب کے سب بھاگے اور پہاڑ کی کھوہ میں گھس کر بیٹھ گئے اور بیٹھ کر یہ دیکھنے لگے کہ اب یہ زندہ ہو جائے گا، اب یہ اٹھ جائے گا، اب یہ چلا جائے گا۔ یہ کیفیت تھی۔ ایک نو عمر لڑکے سے کسی فارسی نے پوچھا کہ تم لوگوں نے ٹریننگ کہاں حاصل کی جہاد کی، لڑائی کی۔ وہ ہنسنے لگا اس میں ٹریننگ کی کیا بات ہے۔ کھجور کی شاخ کو توڑا ذرا ہاتھ سے چھیلا اس کا لگام بنا لیا گھوڑے پر چڑھ گئے، تلوار ہاتھ میں لی اور لڑنا شروع کر دیا۔ اس طریقہ پر وہ حضرات لڑتے تھے۔ سامان ان کے پاس ہمیشہ کم ہوتا تھا۔ غزوہ موتہ کے موقعہ پر تین شخص کا نام لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے جھنڈا لیں ابن رواحہؓ اگر وہ شہید ہو جائیں تو زید رضؓ جھنڈا لے لیں، اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر رضؓ جھنڈا لیں۔ پھر مسلمان جن کو تجویز کریں وہ جھنڈا لے لے۔ تین ہزار آدمیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا۔ اور وہاں تیس ہزار آدمی تھے۔ مقابلہ پر تین اور تیس کے درمیان کیا نسبت ہے۔ لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے کامیابی دی۔ فتح ہوئی۔ تو فتح جو ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ہوتی ہے۔ نہ آدمیوں کی زیادتی سے ہوتی ہے نہ مال و دولت کی زیادتی سے ہوتی ہے نہ آلات حرب کی زیادتی سے۔ فتح ہوتی ہے اللہ کی نصرت سے۔ اور حق تعالیٰ کی نصرت کب ہوتی ہے۔ جب اپنے نفس کی محبت پر دین کی محبت غالب ہو۔ اور اللہ کی خاطر اخلاص کے ساتھ کام کرنے کے لئے گھر سے نکلے اس نیت سے کہ اب ہمیں واپس نہیں آنا ہے۔

خداوند تعالیٰ قبول فرمالے جہاد میں۔ آج یہ مطالبہ نہیں کیا جا رہا ہے تبلیغی جماعت کے کہ تلوار لیکر میدان میں جائیں۔ بندوق لیکر جائیں۔ کسی کو قتل کر دیں۔ نہیں بالکل نہیں۔ ہرگز یہ مطالبہ نہیں۔ آج تو وقت کا مطالبہ ہے تھوڑا سا وقت دیجئے۔ ایک چلہ دو چلہ وقت دیجئے، وقت دے کر نکلئے۔ جو بشارتیں ان لوگوں کو تلوار کے سایہ میں

حاصل تھیں اس سے زیادہ بشارتیں آج اس میں موجود ہیں۔ جماعت گئی تھی فلسطین،
وہاں کے جو مفتی اعظم تھے وہ جماعت کو دیکھتے تھے اور روتے تھے بہت روتے تھے۔
ان سے پوچھا۔ کیا بات ہے؟ انھوں نے بتلایا کہ میں نے خواب میں زیارت کی کہ نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے مصافحہ کیا انھوں نے اپنا ہاتھ
جھٹک دیا اور فرمایا ہے ہیں میرے مہمان آ رہے ہیں میں ان کے پاس جا رہا ہوں۔ وہ
کہتے تھے میں نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے، اس کو بھی دیکھا، اس کو بھی دیکھا ہے
خواب میں۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مہمان فرمایا اور ان کے مصافحہ کیلئے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے ہیں۔ جاپان جماعت گئی۔ وہاں کے جو بدھ مذہب
کے سردار تھے وہ آئے اور جماعت کے ساتھ ٹھہرے، شرکت کی اور کہا ہمیں اجازت دو
ہم نماز میں تمہارے ساتھ شرکت کریں گے۔ انھوں نے کہا مجھے میری روح نے
بتایا کہ اس پہاڑ سے اتر کر فرشتے آئیں گے۔ سو تم ہی وہ لوگ ہو جن کو فرشتہ
کہا گیا ہے۔ ان سے پوچھا کہ آپ کے پاس کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ میرے پاس
بہت کچھ ہے لیکن آپ کے مقابلہ میں خاک نہیں۔ کہا جو کچھ ہے وہ تو بتائیے۔ جو
امیر جماعت تھے ان کی طرف ایک نظر دیکھا تو وہ گر پڑے بے ہوش ہو کر
کہ میرے پاس اتنی طاقت ہے۔ لیکن یہ جو کچھ آپ لوگ کہتے ہیں۔ سُبْحَانَ
اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھتے ہیں۔ ان کی طاقت
بہت بڑی ہے۔ ہر لفظ کے ساتھ ایک نور نکلتا ہے جو آسمان تک جاتا ہے۔
ان کو وہ نظر آتا ہے۔ نماز میں آ کر شرکت کی انھوں نے۔ بشارتیں موجود ہیں
حق تعالیٰ کی طرف سے نصرت موجود ہے۔ دل کی عافیت کے ساتھ ہیں اس کام
میں لگنے کی ضرورت ہے، اصول کی پابندی کے ساتھ۔ دل کی عافیت سے مراد یہ ہے
کہ اپنے دل کی حفاظت کرتے ہوئے کہ اس میں غیر اللہ کی چیز نہ آنے پائے

کہ ہمارا نام ہوگا۔ ہم جا کر فخریہ بیان کریں گے گھر میں کہ ہم نے تین چلّے دیے ہم نے چار چلّے دیے۔ اس قسم کی چیزیں نہیں ہونی چاہئیں۔ اللہ کے دین کی خاطر نکلنا ہے اور اس نکلنے کو اللہ کے یہاں پیش کرنا یا اللہ قبول فرمالے۔ تو ہی اخلاص عطا فرما دے۔ آج بہت ہلکا مطالبہ ہے۔ وہ مطالبہ نہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تھا تعالیٰ کا مطالبہ تھیں، لڑائی کی تیاریاں تھیں۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ تو یہ چلانا سیکھیے۔ آپ ایٹم بم بنانا سیکھیے۔ کچھ نہیں۔ دین کی خاطر سیدھے سادے عافیت کے ساتھ حکمت کے ساتھ بات پیش کرنا ہے اور اپنے بھائیوں کے سامنے پیش کرنا ہے جو کلمۂ اسلام پڑھتے ہیں ان کے سامنے پیش کرنا ہے تاکہ ان کا ایمان قوی ہو، اپنا ایمان قوی ہو، دونوں کے ایمان کی قوت کے لئے اللہ کی رضا کی خاطر نکلنا ہے۔ یہ مطالبہ ہے۔ اسی مطالبہ کے واسطے یہ جوڑ کئے جاتے ہیں، جماعتیں نکالی جاتی ہیں، تعلیم کے حلقے کئے جاتے ہیں، گشت کیا جاتا ہے، خصوصی ملاقاتیں ہوتی ہیں، اس کے اندر بڑی خیر و برکت ہے۔ یہی خیر و برکت ہے جس کو کہا گیا اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے آمین۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اے اللہ! ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما۔ الٰہ العالمین ہم اپنے خراب اخلاق و عادات کی وجہ سے ذلیل ہو رہے ہیں، ان سب کو دور فرما دے۔ الٰہی اخلاقِ فاضلہ عطا فرما۔ اعمالِ صالحہ عطا فرما۔ یا اللہ جن اخلاق و اعمال کی وجہ سے تیری طرف سے رحمت کے وعدے ہیں وہ ہمیں نصیب فرما۔

یا اللہ جن اخلاق و عادات پر تیری طرف سے غضب اور لعنت نازل ہوا اس سے ہم سب کی حفاظت فرما۔ یا اللہ تمام مسلمانوں کو حرام مال سے محفوظ فرما۔ الٰہ العالمین سب کے دلوں میں دین کی قوت عطا فرما۔ یا اللہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ہر مخلوق کی محبت پر غالب فرما۔ الٰہ العالمین جنھوں نے نام لکھایا ہے ان کے حوصلہ کو بلند فرما۔ ان کے نکلنے کو قبول فرما۔ ان کے نکلنے پر اچھے اثرات مرتب فرما۔ ان کے نکلنے پر ان کے پیچھے ان کے کاروبار، اہل و عیال کی حفاظت فرما۔ یا اللہ جنھوں نے نام نہیں لکھوایا ان کے دلوں میں قوت عطا فرما کہ وہ نام لکھوائیں۔ زیادہ دور اور دیر کے لیے ان کو سفر کی توفیق عطا فرما۔ الٰہ العالمین تمام مسلمانوں کی تمام دشمنوں سے حفاظت فرما۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ

محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

برحمتک یا ارحم الرّاحمین۔

تبلیغی محنت کے فوائد

خطبۂ مسنونہ

حق تعالیٰ نے دنیا میں رسول بھیجے کہ جو چیز حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو پیغمبر اس کو مخلوق تک پہونچا دے۔ جو رسول کی بات کو نہیں مانتے کفر پر جمے ہوئے ہیں اس کی کوئی پوچھ رسول سے نہیں ہوگی۔ وہ تو گمراہ ہیں۔ پیغمبر کا کام تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا وہ مخلوق تک پہونچا دیا۔ اب جو لوگ مانتے نہیں وہ مخالفتیں بھی کرتے ہیں، دشواریاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس راہ میں کام کرنے والوں کو دشواریاں پیش آتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئیں، لوگوں نے بات نہیں مانی، لوگوں نے اینٹ پتھر برسائے، گالیاں دیں، قتل کے منصوبے بنائے، سب کچھ کر دیا لیکن حفاظت کرنے والا جب اللہ تعالیٰ ہے تو کسی کی کوششیں کامیاب نہیں ہو سکتی، سب کی کوششیں بیکار ہو گئیں۔ اس لئے اللہ پاک حفاظت فرمانے والے ہیں، رسول کا کام یہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے بات کہے اور منسوب کرے اللہ کی طرف، نہ یہ کام ہے رسول کا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا اس کو چھپالے۔ رسول تو پہنچانے کے لئے آئے چھپانے کے لئے نہیں آئے۔

اسی وجہ سے ابتداء میں جب تو حید کی تعلیم دی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اور جتنے بُت تھے اُن بتوں کی پوجا پاٹ کو منع کیا، جس میں مشرکین مبتلا تھے۔ تو عرب کے قریش کے جو بڑے اونچے لوگ سمجھے جاتے تھے وہ آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے پاس دوڑ کر کہا کہ آپ کا بھتیجا ایسی ایسی باتیں کہتا ہے ہمارے بتوں کو کہتا ہے کہ کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کے قبضے میں کوئی چیز نہیں۔ بُت کا تو حال یہ ہے کہ کتا آیا اور ٹانگ اُٹھا کر پیشاب کر دیا۔ وہ تو اپنے اوپر سے کتے کو بھی بھگا نہیں سکتا۔ اگر مکھی آ کر بیٹھ جائے تو اس مکھی کو نہیں اُڑا سکتا۔ اتنا بے حس، بے جان، بے طاقت، ناتواں مگر وہ لوگ اس کو حاجت روا کہیں۔ اس کے سامنے سجدے کریں، اس سے اپنی مرادیں مانگیں۔ کس قدر بے عقلی کی بات ہے۔ تو ان لوگوں نے یہ کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سے کہ ان سے کہہ دیا کریں ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہیں۔ اگر آپ کو شادی کی ضرورت ہے تو جو نسی عورت جتنی عورتیں ضرورت ہے پسند کریں، ہم دیدیں گے۔ اگر آپ کو روپے کی سونے کی ضرورت ہے تو ڈھیر لگا دیں گے سونے کا اس کے سامنے۔ اگر اس کو بڑی سلطانی چاہیے تو ہم اس کو اپنا بادشاہ بنائیں گے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے یہ باتیں کہیں کہ وہ لوگ ایسے کہہ رہے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور ایک ہاتھ میں سورج دیا جائے تو بھی میں اپنی بات سے باز نہیں آؤں گا۔ میں تو بھیجا گیا ہوں اس کام کے لیے۔

اللہ تعالیٰ تو بڑا دانا ہے سمیع بصیر ہے دیکھتا ہے سب چیز، ایک فرشتہ بھیجا ملک الجبال۔ جس کے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے۔ اس نے آ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ میرے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں دو پہاڑوں کو ملا کر ٹکرا دوں گا

یہ لوگ جنھوں نے آپ کے ساتھ یہ بدتمیزی کی ہے، سب ختم ہو جائیں۔ مت جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو کیا بعید ہے کہ ان کی نسل سے کچھ لوگ ایمان لائیں۔ میرا مقصد تو ایمان کی اشاعت ہے، ایمان لانے والوں کی اشاعت۔ ان کے پاس جانا، پیغام پہنچانا ہے۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ ان کو ختم کر دیا جائے، عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ ایک دفعہ ایک اور قوم نے پریشان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چوٹ آئی۔ سخت چوٹ آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے

فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یہ سمجھ پاتے نہیں۔

یہ دعوت اور تبلیغ کا کام ہے۔ اسی دعوت اور تبلیغ کے کام کو مولانا الیاس نور اللہ مرقدہ نے کیا۔ ایک جگہ حالت وہاں ایسی کہ لوگ مسلمان تھے، سروں پر ان کے چوٹی اگی ہوئی، نام ان کے ہندوانہ، رسم ورواج ہندوانہ، بتوں کی پوجا پاٹ بھی کرتے تھے، کوئی چیز ان کے اندر ایمان کی نہیں تھی۔

ایک بستی ہے مسلمانوں کی لیکن مسجد میں نہ اذان ہوتی نہ نماز پڑھنے کے لئے کوئی جاتا ہے۔ بکریاں بیٹھی ہیں مینگنیوں کے ڈھیر اس میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے یہاں کام شروع کیا۔ ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارے گاؤں میں کون لوگ بستے ہیں؟ کہا مسلمان۔ فلاں گاؤں میں کون؟ کہا اس میں ہندو۔ پوچھا تم میں اور ہندوؤں میں کیا فرق ہے؟ کہا ہمارا نکاح قاضی پڑھتا ہے ان کا نکاح پنڈت پڑھتا ہے۔ بس اور کوئی فرق نہیں۔ ایک شخص کو نماز پڑھنی سکھائی۔ اس نے نماز پڑھی۔ اس کو دیکھ کر لوگ جمع ہو گئے۔ ایک دوسرے کو اشارہ کر کے بتلاتے تھے، دیکھو اس کے اوپر کیا ہے کسی خبیث جن کا اثر ہے۔

آن سیدھا کیوں ہو رہا ہے۔ کبھی جھکتا ہے کبھی گرتا ہے۔ کبھی اٹھ رہا ہے۔ انہیں
جگہ پر کام شروع کیا۔ ان لوگوں کے اندر اتنی صلاحیت نہیں کہ اپنے یہاں مدرسے
قائم کرلیں، اتنی صلاحیت نہیں کہ علم دین سیکھیں۔ ان کو چلے میں نکالنا شروع
کیا۔ ان کے ایک میاں جی تھے۔ میاں جی کا کیا حال ہے؟ جو سب سے زیادہ پڑھا
لکھا ہے۔ قرآن شریف شاید اس نے پڑھا ہو۔ ایک پارہ پڑھا ہوا ہوگا۔
وہ میاں جی تبلیغ میں چلے۔ اور یہ چودہ آدمی ان کے ساتھ ہیں اور یہ کچھ بھی
نہیں جانتے۔ وہی میاں جی ان کو کلمہ سکھا رہے ہیں۔ وہی میاں جی کسی کو الحمد
سکھا رہے ہیں، کسی کو قل ھو اللہ سکھا رہے ہیں، کسی کو التحیات سکھا رہے
ہیں کہ چلتا پھرتا دین سیکھے۔ دین سیکھنے کے واسطے دین سیکھنے کے لیے یہ مدرسہ
تھا ان لوگوں کا۔ چالیس روز میں بہت کچھ آگیا۔ وضو کرنا سیکھے، کلمے کے الفاظ
صحیح کر لیے، نماز کے سجدے رکوع کو صحیح کر لیا۔ الحمد یاد کوئی صورت قل ھو اللہ
یاد کرلی، التحیات یاد کرلی۔ اور یہ سمجھ میں آگیا کہ نماز پڑھنا ضروری ہے۔ پانچ
وقت پڑھنی ہوگی۔ وہاں سے واپس آگئے اپنے گھر۔ آکر اب گھر والوں کو
بھی تبلیغ کرتے ہیں کہ نماز پڑھو۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کو کہتا ہے۔ باپ
بیٹے کو کہتا ہے، بیٹا باپ کو کہتا ہے، چچا بھتیجوں کو کہتا ہے۔ بھتیجا چچا کو۔ اس طریقے
پر دعوت عام ہوتی گئی۔ اور ان لوگوں کی جہالت کا یہ حال تھا کہ پانچ
پانچ کوس کے فاصلے پر ایک ایک نقارہ رہتا تھا۔ جس کو وہ دھونسہ کہتے تھے
جب ان کے یہاں لڑائی ہوتی تھی یا لشکر بھرتی ہوتی تھی۔ سب اس میں شریک
ہوتے تھے تو نقارہ بجایا جاتا تھا۔ اس نقارے کی آواز پانچ کوس تک جاتی تھی۔
اسی پانچ کوس پر دوسرا نقارہ رکھا ہوا ہے۔ اس آواز کو سن کے وہ دوسرا
نقارہ بجاتا ہے۔ اس کی آواز اور پانچ کوس تک جاتی تھی تو تیسرا نقارہ بجا۔

اس کی آواز سن کر سارے علاقے میں یہ شہرت ہو جاتی. جیسی جاہل آواز کو جنگ یہ لڑائی ہے. کسی کے پاس کلہاڑی ہوتی. کسی کے پاس گنڈاسا. کسی کے پاس تلوار، کسی کے پاس بلم، کسی کے پاس چاقو، کسی کے پاس لاٹھی. یہ لے کر نکل آتے. یہ نہیں پوچھتے کہ کس بات پر لڑائی ہو رہی ہے، کس وجہ سے لڑائی ہو رہی ہے. لڑائی ہوتی بڑی طرح سے.

انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں بہت چاہا کہ ان کے جرائم کو ختم کر دیں. شراب پینے کی ان کی عادت، چوری کرنے کی ان کی عادت. ڈاکہ ڈالنے کی ان کی عادت، ساری برائیاں بھری ہوئی ان کے اندر اور تھے مسلمان. سخت سے سخت مسلمان حاکموں کو مقرر کیا، تاکہ ان کی یہ حرکتیں بند ہوں مگر کامیابی نہیں ہو سکی. اس تبلیغی کام کی برکت سے اللہ نے کامیابی دی. ان کو حلال حرام تک کی تمیز نہیں تھی کہ اپنی بیوی سے صحبت کرنا حلال ہے غیر سے صحبت کرنا حرام ہے، گالی دینا منع ہے، چوری کرنا منع ہے، پرایا مال لینا منع ہے. آہستہ آہستہ ان کو خبر ہو گئی ان چیزوں کی.

ان کی جہالت کی کیفیت یہاں تک تھی کہ ایک نابینا میاں جی تھے ان کے یہاں. ان سے بکرا بھی ذبح کراتے تھے. خود یہ لوگ ذبح نہیں کرتے تھے. ان کے پاس آئے کہ میاں جی یہ بکرا ذبح کر دیں. انھوں نے کہا اچھی بات ہے. میاں جی تھے نابینا، چھری انھوں نے میاں جی کے ہاتھ میں دیدی. انھوں نے الٹی چھری چلا دی، اور چھری چلا کر ختم کر دی. ایک دوسرے سے پوچھتے تھے وہ لوگ جنھوں نے بکرے کو پکڑ رکھا تھا کہ ذبح ہو گیا یہ، کٹ گیا. دوسرے نے کہا ہاں ذبح ہو گیا. ایک نے کہا خون تو اس میں سے نکلا ہی نہیں. دوسرے نے کہا کیسی کہی! ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ خون نہیں بھی نکلتا. بس میاں جی

تو چلے گئے۔

اس کے بعد جنھوں نے اس بکرے کے پیر پکڑ رکھے تھے۔ جب پکڑے سے چھوٹا تو بکرا بھی اٹھ کر چل دیا۔ انھوں نے کہا: یہ تو جی گیا (دوبارہ زندہ ہوگیا) پھر میاں جی کے پاس گئے کہ میاں جی بکرا تو دوبارہ زندہ ہوگیا۔ تب میاں جی پھر دوبارہ ذبح کرنے آئے۔ (جہالت کا یہ عالم کہ ذبح کا مفہوم بھی نہ جانتے سمجھتے تھے) چھری وہ ایسی تھی کہ جس کے اوپر دادا پردادا کے زمانے میں کچھ پڑھ کے رکھا تھا بسم اللہ اللہ اکبر (اسی پڑھے ہوئے کو کافی سمجھ کر) اس چھری سے ذبح کرتے تھے۔ خود بسم اللہ اللہ اکبر نہیں پڑھتے تھے کہ یہ چھری پڑھی ہوئی ہے۔ یہ کیفیت تھی ان کی جہالت کی۔ اب جو بکرا دوبارہ پکڑ کے لائے اور میاں جی نے ذبح کرنا شروع کیا۔ میاں جی کے ہاتھ میں اب چھری تھی تو سینے میں چلائی۔ بکرے نے چلانا شروع کیا: میں، میں۔ میں، تو میاں جی نے بکرے کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اس کو ذبح کرتا جاتا گالیاں دیتا جاتا۔ یہ تو جہالت کے نمونے بتاتا ہوں۔ یہ حالت ان لوگوں کی تھی۔

وہاں پر جب یہ کام (تبلیغی) ہونے لگا تو شروع شروع میں مخالفت ہوئی۔ کسی نے کہا کہ یہ تو انگریز کے آدمی ہیں۔ کسی نے کہا سی۔ آئی۔ ڈی ہیں۔ کسی نے کہا دھوکا دینے والے ہیں اور نہ جانے کیا کیا؟ جو حقیقت ہے وہ تو ایک دن واضح ہو کے رہتی ہے۔

وہاں ایک علاقہ میں مدرسہ قائم کیا۔ اپنے پاس سے تنخواہ دی۔ مدرسہ بنا کے رکھا مگر پڑھنے کون آئے۔ کوئی شوق ہو، دین کی عزت، دین کی رغبت ہو قلب میں تو پڑھنے بھی آئیں۔ کون پڑھنے کے لیے آئے۔ آئے بھی تو بہت معمولی۔ پھر یہ تبلیغی کام شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت دی کہ ایک

جذبہ تھا ایک عام آواز تھی چلو دین سیکھنے کے لئے۔ دین سیکھنے کے نام پہ نکلتے تھے ایک چلہ، دو چلے، تین چلے، ایک سال کے لیے نکلتے تھے۔

بیسیوں آدمیوں نے ان ہی چلوں میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ آپ خود غور کیجئے کہ ایک شخص کو شراب پینے کی عادت ہے، کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی ہے شراب سے۔ جب چلے میں نکلے تو چالیس روز تک وہ شراب نہیں پیے گا۔ کتنی بڑی دولت ہے یہ کہ چالیس روز تک شراب کی لعنت سے بچا رہا۔ اب گھر آیا، خیال آیا ہے شراب پینے کا۔ مگر خیال آتا ہے اور جو تبلیغ میں قوتیں پڑھا تھا یہ سنتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح فرمائی۔

ان لوگوں نے نمازیں پڑھنا شروع کیں، دین سیکھا۔ جگہ جگہ مدرسے بھی قائم ہو گئے اور مسلمان کے لڑکے دوسری جگہ بھی گئے جہاں مدرسے موجود تھے۔ وہاں حدیث پڑھی، فقہ پڑھا، تفسیر پڑھی، ان کی زندگی درست ہو گئی۔

پچیس سال تک یہ محنتیں مسلسل کی گئیں۔ پانچ پانچ کوس کا ایک مرکز بنا دیا گیا، کام چلتا رہا۔ ابھی لوگوں کا یہ حال ہوا کہ وہاں جا کر پوچھا ایک جگہ کوس میں۔ بتاؤ بھائی تمہارے اس پانچ کوس میں دین کا کیا کام ہوا۔ جو شخص مبلغ تھا وہاں رہتا تھا۔ اس نے بتایا کہ حضرت ہمارے اس پانچ کوس کے علاقے میں تین آدمیوں کے سوا باقی سب جماعت سے نماز پڑھتے ہیں۔

دوسرے پانچ کوس میں گئے۔ وہاں پوچھا کہ تمہارے اس علاقے میں دین کا کیا کام ہوا؟ انھوں نے بتایا کہ ہمارے اس علاقے میں کوئی دو مسلمان ایسے نہیں کہ جن میں آپس میں لڑائی ہو، نا اتفاقی ہو، سب بھائی بھائی ہیں۔ یہ ان لوگوں کا حال ہے جن کے یہاں اس سے قبل لڑائی کثرت سے ہوتی تھی۔

ایک علاقے میں جا کر پوچھا کہ تمہارے یہاں کیا کام ہوا؟ کہا کہ جتنے بھی بالغ

اس علاقے میں جیں وہ سب کے سب تہجد کے پابند تھیں۔ کتنا بڑا انقلاب آیا۔
اس کو دیکھا انگریزوں نے بھی دوسرے لوگوں نے بھی۔ ایک شخص نے چوری کی تھی، اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ تھانیدار ہندو تھا، مسلمان نہیں تھا۔ تھانیدار نے اس چور سے پوچھا تم نے تبلیغ میں وقت دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس کی پٹائی کی۔ اس سے وعدہ کرایا کہ میں تبلیغ میں وقت دیدوں گا۔ اس نے وعدہ کیا تو اس کو چھوڑ دیا۔ وہ تھانیدار جانتا تھا، سمجھتا تھا کہ یہ جو چوری وغیرہ جرم ہوتے ہیں تبلیغ کے ذریعہ سے ختم ہوتے ہیں۔
کیفیت یہ کہ دو شخصوں کے درمیان نزاع ہو، دونوں تبلیغی آدمی تھے، لڑائی ہو گئی ایک نے دوسرے کو تھپڑ مارا، اس کا دانت ٹوٹ گیا۔ جب اس کو خیال آیا کہ میں نے غلطی کی، اس کا دانت توڑ دیا، اتنا تیز دار آدمی ہوں۔ میاں جی کے پاس آ گیا۔ اس نے پوچھا میاں جی بتاؤ، دانت ٹوٹ گیا میری وجہ سے ایک کا، اس کی سزا کیا ہے؟ میاں جی نے کہا وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ۔ دانت کے بدلے دانت۔ کہا اچھی بات ہے۔ گیا بیٹھ گیا۔ اس نے کہا جس کا دانت توڑا تھا، لو بھائی میرا دانت توڑ دو جس طرح سے تیرا جی چاہے۔ پتھر مار کر توڑا کسی طرح۔ اس نے دانت پکڑ کر ہلایا، دانت مضبوط تھا، اس کے قابو میں نہیں آیا۔ اس نے پوچھا میاں جی معاف کرنا کیسا ہے؟ میاں جی نے کہا وَاَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ معاف کرنا تو بڑی اچھی بات ہے، بس معاف کر دیا۔ تو یہ جذبہ پیدا ہو جاتا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی اور اس غلطی کا بدلہ دینے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا، اپنے دانت کو پیش کرنا بہت بڑی نعمت ہے۔
آج کل جو مصیبت ہے وہ یہی کہ ہمیں گناہ کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ کام گناہ کا ہے، ہم نے کسی کی حق تلفی کی، کسی کو نقصان پہونچا دیا، احساس

نہیں کہ یہ بھی گناہ ہے۔

اپنے یہاں کا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ایک کاشتکار کے ساتھ کھیتوں میں پھر رہا تھا۔ وہ بتلا رہا تھا کہ یہ کھیت کس کا، یہ کھیت کس کا۔ اس نے کہا۔ مولوی! ہماری تقدیر میں حرام مال لکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا کیا مصیبت آ گئی تم پر۔ کیوں تمہاری تقدیر میں حرام مال لکھا ہوا ہے۔ کیا ہوا ہے؟

اس نے کہا۔ دیکھئے صاحب! یہ کھیت میرا ہے۔ یہ کھیت میرے پڑوسی کا۔ میرے کھیت میں بھی چنا ہے، میرے پڑوسی کے کھیت میں بھی چنا ہے۔ رات کو جب میں یہاں سے اپنے گھر جاؤں گا تو چنا اکھاڑ کر لے جاؤں گا پڑوسی کے کھیت میں سے۔ اپنے کھیت میں سے نہیں توڑوں گا۔ اور پڑوسی میرے کھیت میں سے لے گا اپنے میں سے نہیں۔ چنا دونوں کا ادھر بھی ادھر بھی۔ گنے کی فرق چیٹی آئی، پڑوسی کے کھیت میں سے اکھاڑوں گا اپنے کھیت میں سے نہیں۔

اب اس کا کیا حل ہے کسی کے پاس۔ دیکھ رہے ہیں جان رہے ہیں لیکن ڈر نہیں دل کے اندر، خوف نہیں۔ احساس اس کا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے ناراض ہوتے ہیں۔ اس بات کا احساس نہیں کہ ہمیں دنیا میں اس واسطے بھیجا گیا ہے کہ اللہ کو راضی کریں۔ ایسے اعمال اختیار کریں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ احساس ہی نہیں ہے۔ زندگی کا مقصد یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ کھانے، پینے، سونے کے اندر خرچ کر دیں۔ جیسے جانوروں کا حال ہوتا ہے کھانے پینے سونے کے اندر۔ کھانا ملنا چاہیے، چاہے حلال ہو یا حرام۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے:

كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ الْحَرَامِ فَالنَّارُ أَوْلَىٰ بِهِ۔ انسان کے بدن میں جو گوشت حرام مال سے تیار ہوتا ہے وہ دوزخ میں جانے کے لائق ہے۔

یہ سوچنا چاہیے۔

تو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تو اپنا حق ادا فرمایا۔ جتنے احکام آپ پر نازل ہوئے وہ آپ نے اُمت تک پہنچا دیئے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آخری خطبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم شریف میں دیا ہے کہ شاید آج کے بعد میں تمہارے ساتھ جمع نہ ہو سکوں گا۔ میرا وقت قریب آیا۔ خداوند تعالیٰ تم سے پوچھیں گے کہ کیا نبی نے تبلیغ کردی تھی۔ کیا جواب دو گے تم۔ هَلْ بَلَّغْتُ؟ کیا میں نے تبلیغ کردی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا۔ جی ہاں۔ آپ نے پہنچا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ اے اللہ تو گواہ رہ میں نے تبلیغ کردی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ۔ جنھوں نے مجھ سے دین سیکھا ہے اب ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اب اس کی تبلیغ کریں۔ اشاعت کریں۔

حدیث میں آتا ہے، روایات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سن کر ایک بڑی جماعت وہاں سے نکلی پھر ان کو زندگی بھر گھر آنے کی نوبت نہیں آئی۔ دین کے لئے جہاں تک ہو سکے جاؤ جتنی دور جا سکو جاؤ۔ ہر ایک کو یہ تمنا تھی کہ جتنی دور اپنے وطن سے جا سکوں وہاں تک جاؤں۔ وہ زیادہ اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھا جائے گا کہ اتنی دور گیا یہ شخص۔ اسی واسطے کہ دین کی تبلیغ کو اُمت کے سپرد فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سپرد فرمایا سارا دین۔ قرآن کریم میں جو احکام ہیں حدیث میں جو احکام ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دین صحابہ کے حوالے کردیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح پہنچا دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت آگئی، انھوں نے پہنچایا جہاں جہاں تک پہنچا سکتے تھے۔

پہلا واقعہ پیش آیا یہ کہ مسیلمہ کذاب ایک شخص اٹھا، جس نے نبوت کا دعویٰ

کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا مقابلہ کیا۔ جہاد کے لیے فوجیں بھیجیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا فر کو شکست دیدی۔ اسلام کو فتح دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مستقل جہاد ہوئے۔ ان کی خلافت میں ساڑھے چار ہزار مسجدیں بنوائیں۔ اور اس کی کوشش کی کہ ہر مسجد میں قرآن پاک ختم کیا جائے تراویح میں۔ کسی صاحب کے کان نا آشنا نہ رہیں، سب سن لیں، پڑھ لیں۔ حکم فرمایا جو فوج جنگ میں جہاد کرنے والے ہیں ان کو قرآن پاک حفظ کراؤ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اطلاع بھیجی۔ کہا کہ تمہارے پاس جو لوگ حفظ سے فارغ ہوں، ان کی فہرست میرے پاس بھیجدو۔ چنانچہ انھوں نے سپاہیوں کو فوجیوں کو قرآن پاک حفظ کرایا۔ دن میں جہاد کرتے تھے رات بھر قرآن پاک حفظ کرتے۔ دو سال کے ختم پر دو سو آدمیوں کی فہرست بھیجی کہ دو سو سپاہیوں نے قرآن پاک حفظ کرلیا۔ یہ کوفے کا حال تھا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مصر بھیجا۔ ان کو اطلاع کرائی کہ قرآن پاک حفظ کراؤ۔ انھوں نے دس ہزار کی فہرست بھیجی کہ دس ہزار نے اس سال قرآن پاک حفظ کرلیا۔ اس طرح سے انھوں نے یہ کام کیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک رات میں پورا قرآن پڑھتے تھے۔ وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانے میں دین کی بڑی خدمت کی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں منبر کے اوپر ہاتھ رکھ کر احادیث بیان کرتے تھے۔ اس قبر والے صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے ایسے سنا۔ انھوں نے یہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مکان میں بیٹھ کر ایک

دن اجتماع کرتے، ہفتہ واری اجتماع ان کے یہاں ہوتا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لوگوں کو بیان کرتے تھے۔ سکھایا کرتے تھے، یاد کراتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے۔ انھوں نے خط لکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، یہاں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ضرورت ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیج دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے شخص ہیں کہ میں خود ان کے علم کا حاجت مند ہوں۔ لیکن تم کو اپنے اوپر ترجیح دے کر بھیج رہا ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور اپنے ساتھ ڈیڑھ ہزار شاگردوں کو لے گئے۔ اور جا کر سارے علاقے میں پھیل گئے۔ کوئی کسی درخت کے نیچے احادیث سنا رہا ہے، کوئی کسی مسجد میں سنا رہا تھا، کوئی کسی دالان میں سنا رہا تھا، کوئی کسی مکان میں سنا رہا ہے۔ سارے علاقے کو علم سے منور کر دیا ان حضرات نے اس طرح سے محنت کی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کو تصنیف فرمایا۔ غسل کرتے، وضو کرتے، مسواک کرتے، دو رکعت نماز پڑھتے، پھر جا کر ایک حدیث لکھتے سولہ برس میں بخاری شریف مکمل ہو گئی اور اس بخاری شریف کا املا کراتے، بولتے تھے۔ ایک لاکھ سے زیادہ مجمع ہوتا تھا ان کی مجلس میں۔ وہ بیان کرتے تھے، پڑھ کر سناتے تھے، لوگ لکھتے تھے۔ ایک لاکھ کے مجمع کو نہ لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت تھی نہ اور کسی چیز کی ضرورت۔ اس طریقہ پر ان حضرات نے محنت کیا

حافظ حسن بن مندہ چالیس برس تک سفر میں رہے۔ ایک شہر میں جاتے وہاں معلوم ہوتا تھا کہ فلاں جگہ محدث ہیں وہاں پہنچ کر اس سے ساری حدیثیں سنتے تھے اور لکھتے تھے۔ دوسرے کے پاس گئے، تیسرے کے پاس گئے، اسی طرح

نے چالیس برس گزارے اور جب ان کا انتقال ہوا تو چالیس صندوق انھوں نے
اپنے لکھے ہوئے احادیث کے چھوڑے۔

اس واسطے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ
مِنْكُمُ الْغَائِبَ۔ جو حاضرین ہیں وہ غائبین کو پہونچا دیں۔ ان حضرات نے حق
ادا کیا، پورے طور پر ادا کیا۔ اور اُمت حق ادا کرتی چلی آئی ہے برابر۔ برابر یہ
کام ہوتا رہا، دین کی اشاعت۔ دین کی تبلیغ، جگہ جگہ پر جاتے ہیں کوششیں کرتے ہیں

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جب تشریف لائے اجمیر شریف
میں چشت سے چل کر آئے ہیں۔ درویشانہ صورت، کمبل اوڑھے ہوئے۔ ایک
جگہ پر بیٹھے۔ راجہ کا سنتری آیا۔ پوچھا کون ہو تم؟ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟
یہاں تو راجہ کے اونٹ بیٹھتے ہیں، یہاں سے اُٹھ جاؤ۔ کہا اچھی بات ہے۔
راجہ کے اونٹ یہاں بیٹھیں گے۔ اس کے بعد راجہ کے اونٹ جو آئے وہ بیٹھ گئے۔
اب ان اونٹوں کو اُٹھاتے ہیں تو وہ اُٹھتے ہی نہیں۔ اُٹھنے کی طاقت ہی
ان میں نہیں۔

نماز کا وقت آیا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے پانی مانگا کہ ہم کو بھی پانی دیدو
تاکہ ہم بھی ہاتھ منہ دھوکر اپنے رب کو یاد کریں گے۔ وہاں کوئی پانی دینے کے لئے
تیار نہیں۔ راجہ کا جو مندر تھا، اس مندر کے دروازے پر جاکر اندر کو منہ کر کے
جو بُت تھا، اس بُت کو خطاب کر کے کہا، اے بُت! تو بھی اُسی کا نوکر ہے میں
بھی اسی کا نوکر ہوں۔ یہ لوگ مجھے پانی نہیں دیتے تو ہی پانی دیدے۔ وہ بُت
گیا اور لوٹا اٹھا کے بھر لایا اور ان کے سامنے رکھ دیا۔ وہ لوگ سوچنے لگے کہ یہ کوئی
ایسا شخص ہے جس کے لئے ہمارا بُت خدمت کر رہا ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟

جس وقت انھوں نے سفر کیا اجمیر سے دہلی گئے، شہرت ہوگئی۔ بغیر پڑھے لکھے

بغیر اخبار، بغیر لاؤڈ اسپیکر کے کہ اجمیر کا سائیں اور درویش اور دہلی جا رہا ہے۔ سڑکیں نہ تھیں۔ پھر گئے محض دین کی اشاعت کرنے کے لیے۔ کیا چیز تھی ان کے پاس، طاقت تھی خدا کے خوف کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی جو طاقت تھی ان کے پاس۔

ایک جگہ پہونچے، یہ منہ چھپوتوں کا گاؤں تھا۔ وہ لوگ آئے ان کی خدمت میں بیٹھے۔ ایک ہزار آدمی اسی مجلس میں مسلمان ہو گئے۔ کئی لاکھ آدمی ان کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ ان میں سے کتنے ایسے آدمی ہوں گے جو عالم ہوں گے، حافظ ہوں گے، قاری ہوں گے، شیخ وقت بھی ہوں گے بزرگ بھی۔ انھوں نے کس قدر دین کی اشاعت کی ہوگی۔

ہمارے گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گذرے۔ ایک صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کثرت سے کیا کرتے تھے۔ انھوں نے پوچھا حضور! مولانا رشید احمد گنگوہی کیسے آدمی ہیں؟ فرمایا کہ وہ ایسے آدمی ہیں ان کی ایک طرف مولانا خلیل احمد ہوں گے دوسری طرف مولانا محمد یحییٰ ہوں گے۔ اور ایک بڑی جماعت علماء کی ان کے پیچھے ہوگی اور ایک جم غفیر بے شمار مسلمانوں کا ان کے پیچھے ہوگا۔ ان سب کو لیکر جنت میں جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ پوچھ ہوگی کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دین دے کر بھیجا تھا تم نے اس کا کیا حق ادا کیا۔ صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ پانچ وقت کی نماز پڑھ لی دوسروں تک پہونچانے میں کیا کیا؟ اس کی بھی بازپرس ہوگی۔ پوچھا جائے گا۔ وہاں دیکھا جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کو لے کر آئے تھے کس شخص نے کس قدر اس میں ہاتھ بٹایا، خدمت کی اور ساتھ دیا۔ اس کو دیکھا جائے گا۔ اگر آج اعلیٰ قسم کا مکان بنا لیا

بلڈنگ بنائی۔ قیامت میں اس کی پوچھ نہیں ہوگی کہ تمہاری بلڈنگ کیسی تھی؟ بلڈنگ تو یہاں ہی رہے گی، وہ قیامت میں ساتھ تھوڑا ہی آئے گی؟ کسی نے باغ لگایا تو قیامت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ تم نے کیسا باغ لگایا؟ کتنا پھل اس میں آتا تھا، بڑھیا تھا یا گھٹیا تھا۔ کیسے کپڑے پہنے، یہ سوال نہیں ہوگا۔ وہاں تو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ یہ ہوگا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے تھے اس کا تم نے کیا کیا اس دین کا کیا کام کیا؟ وہاں یہ سوال ہوگا۔

اس واسطے ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نعرہ لگاتے ہیں۔ یہ تو بہت آسان ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کا جو معیار بتایا ہے اس کو سوچنے کی ضرورت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی خاطر کتنی قربانی دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی خاطر پتھر کھائے۔ پیٹ پر پتھر باندھے۔ تم نے کیا قربانی دی۔ آج ہم لوگ دنیا کے کاروبار میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ جو جس کام میں لگا ہوا ہے بس اسی میں ہے، اسی کا ہو کر رہ گیا ہے۔ اپنی اولاد کے لئے خیر خواہی چاہتے ہیں کیا کرتے ہیں؟ بس یہی کہ ایک صاحب وکیل ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ میرا بیٹا میرے سامنے وکیل بن جائے اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے۔ ایک ڈاکٹر ہے وہ سوچتا ہے کہ میرا بیٹا میرے سامنے ڈاکٹر بن جائے، اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے۔ لیکن کیا یہ بھی تمنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عامل ہو جائے۔ کیا یہ بھی تمنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر قربانیاں پیش کرے۔

اللہ پاک کا بہت بڑا احسان ہے کہ تبلیغی جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ ہر شخص کو یہاں کام کرنے کا موقعہ ہے۔ یہاں پڑھا ہوا اور ان پڑھ، نیک اور بد اور اندر رہنے والا اور باہر رہنے والا سبھی قسم کے لوگ اس میں شریک

ہو سکتے ہیں، رکشہ چلانے والا بھی شریک ہے، پان لگانے والا بھی اس میں شریک
ہے، دوکان پر بیٹھنے والا بھی شریک ہے، سرکاری ملازم بھی شریک ہے، عہدیدار
بھی۔ یہ کام ایسا ہے کہ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا ہے کہ میرے بس کا نہیں۔ اپنی اپنی
حیثیت کے مطابق سب پر لازم ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ بخاری شریف پڑھا کرو تو
اس کے واسطے ضرورت ہے باقاعدہ کسی مدرسہ میں آٹھ دس برس جاکر پڑھے۔
محنت کرے، امتحان میں کامیاب ہو تب کبھی بخاری شریف پڑھانے کی صلاحیت
پیدا ہو جائے گی۔ اتنا آسان نہیں، لیکن تبلیغ میں جانا آسان ہے۔ کچھ نہیں تو
ہفتہ میں ایک مرتبہ اجتماع ہوتا ہے، اس میں جائے۔ ایک مرتبہ گشت ہوتا ہے
اس میں شرکت کرے ایک مرتبہ تعلیمی حلقہ ہوتا ہے تو اس میں بیٹھ جائے۔
یہ تو کر سکتا ہے، یہ کرنا بہت آسان ہے کچھ مشکل نہیں۔

تعلیمی حلقہ بہت اہم ہے، اس کو بیکار نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بیٹھ کر ہر ہفتے
میں ساری نماز سُنی جاتی ہے، کچھ سورتیں سنتے ہیں، صحیح پڑھتے ہیں یا غلط
پڑھتے ہیں۔ ایک شخص جس کی عمر ساٹھ برس کی تھی، اسی طرح تعلیمی حلقے میں بیٹھے
ہیں۔ بیٹھ کر سن رہے ہیں دعائے قنوت۔ اس میں ہے وَنَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ
اے اللہ ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور ہم تیرا کفر نہیں کرتے۔ اس نے پڑھا،
وَلَا نَشْکُرُکَ وَنَکْفُرُکَ۔ ہم تیرا شکر نہیں کرتے تیرا کفر کرتے ہیں۔ اس کے
اعمال کا کیا ٹھکانا ہے۔ کیا بات ہے؟ یہ کہ نماز بچپن میں پڑھی اور سیکھی تھی
کوئی لفظ صحیح یاد رہا کوئی زبان پر غلط چڑھا۔ کبھی پھر اس کو دیکھنے سنانے
کی نوبت نہیں آئی۔ اس واسطے ضرورت ہے کہ چھوٹے بڑے، استاد و شاگرد،
امام و مقتدی سب ایک دوسرے کو اپنی نماز سنائیں۔ جو غلطی ہو اس غلطی
کی اصلاح کریں، قرآن پاک صحیح کریں، اس کی ضرورت ہے۔ نہیں تو غلط ہی زبان

پر تسبیح پڑھ جائے گا پھر اسی کو آدمی پڑھے گا۔ چنانچہ وہ آدمی بہت روتا تھا کہ میری اتنی عمر ہو گئی، اب تک میں کفر کے کلمے خدا کے سامنے کہتا رہا۔

اس لیے تبلیغ کی زیادہ ضرورت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب تعلیمی حلقہ ہوتا ہے۔ اس میں بیٹھ کر سنایا جا رہا ہے کہ کیسی کیسی غلطی آدمی کرتا ہے۔ کلمے کے الفاظ تک صحیح نہیں ہوتے۔ اس سیکھنے سے کوئی بے نیاز نہیں، سب کو سیکھنا چاہیے، جاہل کو بھی سیکھنا چاہیے، عالم کو بھی، گریجویٹ کو بھی سیکھنا چاہیے، ان پڑھ کو بھی۔ اور جو طبقاتی کشمکش ہے وہ بھی اس تبلیغ کے ذریعے سے ختم ہوتی ہے۔ مجمع کا مجمع، طبقہ کا طبقہ، کوئی اعلیٰ تعلیم والا، کوئی ان پڑھ، کوئی نماز کا پابند، کوئی بالکل بے نمازی، سب کے سب ایک جگہ چلتے ہیں، ایک جگہ رہتے ہیں، ایک جگہ کھاتے ہیں، ایک جگہ بیٹھ کر اصلاح کرتے ہیں، دین سیکھتے ہیں، آپس میں میل محبت ہوتی ہے، ایک دوسرے کی قدر کرتے ہیں۔ اور اس مجمع میں ہر ایک بڑوں سے لیتا ہے اور چھوٹوں کو دیتا ہے۔ جب مختلف قسم کے لوگ ایک مجلس میں ہوں گے تو جس کے پاس جتنا علم ہوگا دوسرے اسے حاصل کریں گے، اور وہ اپنے چھوٹوں کو دیتے رہیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کو دیکھئے وہ حضرات مبلغ بھی تھے کاشتکار بھی۔ یہ نہیں کہ کاشتکار صرف کاشتکاری کرتے تھے بلکہ وہ تبلیغ بھی ساتھ ساتھ کرتے تھے، وہ تاجر بھی تھے مبلغ بھی تھے۔ زیادہ تر دین تاجروں کے ذریعے سے ہی پھیلا، وہ دوسرے ممالک میں گئے عرب سے نکل کر۔ اور وہاں لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی تعلیم دیتے تھے۔ اخلاق کی تعلیم کی وجہ سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

ایک بستی یہودیوں کی، اس میں کچھ مسلمانوں کی آبادی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کی نحوست کا ذریعہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان مسلمانوں کو وہاں سے بلایا
کہ اس بستی کو خالی کر کے یہاں آ جاؤ۔ جب یہودیوں کو معلوم ہوا کہ مسلمان بستی
کو خالی کر رہے ہیں تو وہ لوگ آئے اور یہ کہنے لگے کہ یہ مسلمان ہماری بستی سے کیوں
جائیں گے، یہیں رہیں۔ اگر تم کو روپے پیسے کی ضرورت ہو تو روپیہ ہم دیں گے،
تم کو دوکان کی ضرورت ہے تو دوکان ہم دیں گے، سامان کی ضرورت ہو تو
سامان دیں گے۔ جس چیز کی ضرورت ہو ہم دیں گے، تم یہاں سے کیوں جاؤ گے؟
جب سے تم آئے ہو ہمارے یہاں جھوٹ بولنا ختم ہو گیا، چوری، ڈاکہ زنی ختم
ہو گئی، زنا اور شراب نوشی بھی ختم ہو گئی۔ تمہاری برکت سے یہ سب کچھ ہوا۔ تم
ہماری بستی سے کیوں جا رہے ہو؟

جب مسلمان اپنی اصلاح کرتا ہے اور احکام شریعت پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ
اس کے اندر عجیب نورانیت پیدا کرتا ہے۔ اس کی صورت کو دیکھ کر اللہ یاد آتا
ہے، اس کے پاس بیٹھ کر اللہ کا خوف دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی محبت اس کے اندر آتی ہے۔

اس لئے یہ کام ایسے زمانے میں جبکہ عام بد دینی ہے، اخبار و رسالے دین
کے خلاف نکل رہے ہیں۔ قرآن پاک پر اعتراضات کئے جا رہے ہیں، حدیث
شریف پر اعتراضات کئے جا رہے ہیں کہ یہ آیت غلط ہے یہ آیت منسوخ
ہو گئی ہے، یہ حدیث ضعیف ہے کمزور ہے۔ یہ چیزیں پھیلتی جا رہی ہیں، اللہ تعالیٰ
نے اس کام کو چلایا اور سارے فتنوں کا علاج اس کے اندر ہے۔ جیسے آدمی
کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ہر فن کی ایک اصطلاح ہوتی ہے، جب تک
استاذ سے اس فن کو حاصل نہ کیا ہو تو وہ اصطلاح کو کیا سمجھے گا۔ مثلاً کہتے
ہیں یہ حدیث غریب ہے۔ کوئی کہے گا جو اصطلاح سے ناواقف ہو گا کہ غریب

مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث بھیک مانگنے کے لیے آئی تھی۔ غریب کے یہ معنی نہیں اور معنی ہیں۔ اسی طرح حنفیت کے اندر کچھ معنی ہیں، وہ اصطلاحات کی چیزیں ہیں، علماء اس کو جانتے ہیں، عوام ان چیزوں کو نہیں جانتے۔ جب تک عوام استاذ سے باقاعدہ نہ پڑھیں، خود مطالعہ کر کے کیا سمجھیں گے۔ اس لیے دین سارے کا سارا سیکھنے کی ضرورت ہے۔

آپ جانیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بڑھ کر ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کی معراج میں اپنے یہاں بلا کر۔ اور اس نماز کی پوری ترکیب عمل طور سے بتانے کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا دوسرے روز۔
حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے سامنے پانچوں وقت کی نماز پڑھی، ایک ایک چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ آج کوئی شخص کہے کہ میں قرآن شریف کو پڑھ کر قرآن کو دیکھ کر، اس کا ترجمہ دیکھ کر سارا مسئلہ سیکھ جاؤں گا، یہ اس کی غلط فہمی ہے، ناسمجھی کی بات ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک میں ہے وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ تکبیر کہیں، اسی طرح قرآن پاک میں ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کپڑے پاک کریں۔ قرآن پاک میں یہ بھی ہے فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی قبلہ کی طرف منہ کرو۔ قرآن پاک کا یہ بھی حکم ہے۔ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ قرآن پڑھو۔ اسی طرح قرآن پاک میں ہے۔ وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا رکوع کرو، سجدہ کرو۔ نماز کی ساری چیزیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ لیکن اگر کسی شخص نے کسی کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور صرف قرآن پاک دیکھ کر چاہے کہ نماز پڑھے تو وہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ نہیں فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھو جس طرح قرآن پاک میں لکھی ہوئی ہے۔ بلکہ فرمایا صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي۔

کہ جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اسی طرح سے نماز پڑھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح عرب سیکھتے تھے دوسرے لوگ بھی اسی طرح سیکھتے تھے۔ قرآن پاک کی کوئی آیت کہیں ہے اور کوئی آیت کہیں۔ رکوع کا تذکرہ کہیں، قیام کا تذکرہ کہیں اور تسبیح کا تذکرہ کہیں اور۔ سب ایک جگہ نہیں ہے، سارے قرآن پاک میں پھیلا ہوا ہے۔ ایک ٹکڑا یہاں ہے ایک ٹکڑا وہاں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ کونسا ٹکڑا کس کے ساتھ ملے گا۔ کوئی شخص ذاتی مطالعے سے نماز پڑھنا نہیں سیکھ سکتا۔

ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں نماز پڑھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قُمْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ۔ اٹھو نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے پھر نماز پڑھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا۔ تین بار فرمایا۔ اس شخص نے کہا حضور! اس سے اچھی نماز مجھے نہیں آتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شروع سے ساری نماز سکھائی، حالانکہ وہ بھی عرب تھا، عربی ان کی زبان تھی، قرآن پاک بھی عربی میں۔ سارے کے سارے یہ حضرات عرب۔ لیکن سب چیزیں سیکھنے سے آتی ہیں۔

آپ بتائیے کہ کوئی شخص کاشتکاری کرنا چاہتا ہے بغیر کسی سے سیکھے۔ کیا خود بخود کر سکتا ہے کہ کس موسم میں کیا بوئے گا، کس موسم میں پانی دے گا؟ جاننے والے سے پوچھنے کی ضرورت ہے۔ ایک شخص درزی کا کام سیکھنا چاہتا ہے کیا وہ بغیر استاد کے سیکھتا ہے؟ نہیں سیکھ سکتا۔ کیا قرآن پاک کو محض مطالعہ کر کے ہر شخص سیکھ سکتا ہے؟ ایسا نہیں۔ اس طرح سیکھتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیکھ لیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

سیکھا، تابعین نے صحابہ سے سیکھا، تبع تابعین نے تابعین سے سیکھا۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلتا آرہا ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی شخص ذاتی مطالعہ سے سیکھ لے، یہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے دین سیکھنے کا بہترین عام طریقہ یہ تبلیغ ہے۔ کھیتی بھی کرتے رہو، تعلیم بھی سیکھتے رہو۔ تو جیسے میں نے کہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاشتکار بھی تھے اور مبلغ بھی، تاجر بھی تھے اور مبلغ بھی، وہ حکمران بھی تھے اور مبلغ بھی۔ ہر وقت اُن کے ساتھ تبلیغ رہتی تھی، مبلغانہ شان ان سے کبھی ہٹتی نہیں تھی وہ برابر ساتھ رہتی تھی۔ اور ہر جگہ فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، جھوٹ بولنے سے منع فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ خلافی سے منع فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکہ دینے، سود لینے، چوری کرنے سے منع فرمایا، یہ چیزیں ان کی زندگی میں اتریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت بھی عجیب عطا فرمائی تھی، بصرہ میں جہاد ہوا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جہاد کر رہے تھے۔ ایک نصرانی بادشاہ سے لڑائی ہو رہی تھی، مدینہ طیبہ انھوں نے خط لکھا کہ یہاں مدد کی ضرورت ہے۔ مدد بھیجئے۔ جن صاحب کے یہاں خط لکھا انھوں نے دوسرے صاحب سے مشورہ کیا، انھوں نے پوچھا کتنے آدمی بھیجنے کا ارادہ ہے۔ بتایا کہ چار ہزار فوج بھیجنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ چار ہزار کو بھیج کر کیا کروگے! چار آدمیوں کو بھیجدو۔ ایک فلاں شخص کو بھیجدو، وہ ایک ہزار کے مقابلے میں ہے۔ ایک فلاں کو بھیجدو، وہ ایک ہزار کے مقابلے میں ہے۔ ایک فلاں کو بھیجو وہ ایک ہزار کے مقابلے میں ہے۔ ایک مجھے بھیجدو، میں ایک ہزار کے مقابلے میں ہوں۔ ایک ایک آدمی ایک ایک ہزار کا مقابلہ کرتا ہے چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا، ان ہی چار آدمیوں کو بھیجا گیا، گئے یہ چار آدمی مدد کے لئے گئے۔ یہ صاحب جنھوں نے یہ مشورہ دیا تھا، انھوں نے یہ کیا کہ سیدھے

نصرانی بادشاہ کے پاس پہنچے۔ اوّل تو اس بادشاہ کو تعجب ہوا کہ یہ کیسے
آگئے؟ باڈی گارڈ (محافظ) میرے ساتھ۔ فوج میرے ساتھ اور انتظام
میرے پاس۔ اس سب کو چیر پھاڑ کر نکلتے میرے پاس کیسے پہنچ گئے؟
انھوں نے کہا بادشاہ سے کہ تم مسلمانوں کو کیوں پریشان کرتے ہو۔ بادشاہ
نے کہا ان میں کوئی کام کا آدمی نہیں۔ انھوں نے دریافت کیا کہ کام کا
آدمی کیسے کہتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا۔ بارش نہیں ہوتی بارش برسا دے۔ انھوں
نے کہا۔ بارش برسانا اللہ کا کام ہے بندے کا کام تھوڑا ہی ہے۔ چلو اچھی
بات ہے۔ تبھی انھوں نے وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی صلوٰۃ الحاجت،
اور ہاتھ اُٹھایا دُعا کے لیے۔ کہا۔ اے اللہ تیرا دشمن، تیرے رسول صلی
اللہ علیہ وسلم کا دشمن، مسلمانوں کا دشمن، دینِ اسلام کا دشمن۔ اس ضد
میں ہے کہ بارش نہیں ہوتی، بارش برسا دے۔ مہربانی کرکے بارش عطا فرما۔
کہ اس کے ظلم سے نجات ملے۔ دُعا کرکے ابھی منہ پر ہاتھ نہیں پھیرا تھا کہ
بادل آیا، بارش خوب برسی۔ اس بادشاہ سے کہا: بتا اب تو بارش بھی
ہوگئی۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے میں فوج کو ہٹا لیتا ہوں۔ جنگ بند کردی۔
فوج ہٹالی۔ کچھ روز کے بعد پھر اس نے حملہ کیا۔ اب یہ خود گئے اس
جہاد میں۔ اور وہ سارے لشکر کو چیرتے پھاڑتے نصرانی بادشاہ کے محل
پہنچے، وہ بیٹھا ہوا تھا، دیکھ کر یہ پہچان گیا۔ انھوں نے اس سے کہا او نصرانی
تو نے کیا وعدہ کیا تھا؟ وعدہ خلافی کرتا ہے۔ پھر یہ کیا حرکت شروع کی؟
اس کو اتنی ہیبت ہوئی کہ وہاں سے اُٹھ کر بھاگا۔ ساری فوج اس کو دیکھ
رہی تھی، کسی کو اتنی مجال نہیں کہ اس کو روک سکے۔ بھاگتے بھاگتے آکر اس
نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ یہ پیچھے پیچھے دوڑے اور ٹانگ پکڑ کر اس کو

وہیں سے گھسیٹ کر لاتے ہماری فوج کے سامنے سے۔ ساری فوج کو اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان کو روک دے اور اپنے بادشاہ کو چھڑا لے۔ اللہ نے ان کو ہیبت اتنی دی تھی۔ اس واسطے کہ حدیث پاک میں ہے کہ کسی دل میں دو خوف جمع نہیں ہو سکتے۔ کہ خالق کا بھی ڈر ہو اور مخلوق کا بھی ڈر ہو۔ جس شخص کے دل میں خالق کا ڈر ہو اس کے دل میں مخلوق کا ڈر نہیں ہوتا۔ مخلوق کا ڈر اس کے دل سے نکل جائے گا جس کے دل میں خالق کا ڈر نہ ہو وہ مخلوق سے ڈرتا ہے۔ اس سے بھی ڈرے گا اُس سے بھی ڈرے گا۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ملتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ہتھیار سامان سب کم ہے حتیٰ کہ کھانے پینے کا سامان بھی کم ہے اور مقابلے میں جو دشمن ہے وہ ہر اعتبار سے زیادہ، فوج کئی گنا زیادہ، ہتھیار سامان بھی زیادہ، مگر جب لڑائی ہوتی ہے تو تاریخ بتلاتی ہے کہ مسلمانوں کے قدم آگے بڑھتے ہیں اور دشمن پیچھے بھاگتا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا ہر شخص اپنے مقصود کے پیچھے دوڑتا ہے۔ مسلمان کا مقصود ہے خدا کی راہ میں جان دینا۔ جب مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ دشمن کے اندر گھس کر میرا یہ مقصود حاصل ہوگا، اس لیے آگے بڑھتا ہے۔ اور دشمن کا مقصود تو اپنی جان کو بچانا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میدان سے ہٹنے اور پیچھے بھاگنے سے میری جان بچ جائے گی۔ اس لیے وہ پیچھے کو بھاگتا ہے۔

آج آپ حضرات سے مطالبہ میدانِ جنگ میں جانے اور سر کٹانے کا نہیں بلکہ اس سے بہت ہلکا مطالبہ ہے۔ وہ یہ کہ وقت نکالیں، ایک بستی سے دوسری بستی میں جائیں۔ چلے کا موقع ہو تو وہ گزاریں، پانچ سات روز کا موقع ہو وہ گزاریں۔ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جس کو جتنا موقع ہو وہ لگائیں

مطالبہ تو زیادہ سخت نہیں، بلکہ زیادہ مشکل نہیں، کوئی پریشانی کا باعث نہیں۔
یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم جائیں گے تو ہماری دکان کو کون سنبھالے گا، گھر کو کون
سنبھالے گا۔ ارے وہ سنبھالے گا جس نے گھر دیا ہے، جس نے یہ دکان دی ہے،
بچوں کو وہ سنبھالے گا جس نے یہ بچے عطا فرمائے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور اپنے گھروں سے بالکل
مطمئن تھے۔ جب دیکھا کہ جہاد کا موقع نہیں ہے، جہاد اس وقت نہیں ہو رہا ہے
ہم نے سوچا کہ اپنے گھر اپنے اہل و عیال کے پاس چلے جائیں تاکہ ان کی خبر گیری
حفاظت کریں۔ اس سے اگلے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس
چلو۔ گھر پہنچنے سے پہلے پہلے معلوم ہوا کہ حملہ ہو گیا۔ جب تک فکر تھی دین کی،
اس وقت تک اللہ نے گھر کی حفاظت کی۔ اور جب اپنے بچوں کی خود فکر
شروع کی تو دشمن نے حملہ کر دیا۔ اس لئے حفاظت کرنے والا تو اللہ ہے۔
حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص سفر کرنے سے پہلے گھر میں دو رکعت
نماز پڑھے، تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کی جان کی حفاظت کرتا ہے۔ جہاں پہنچ کر
ٹھہرے پہلے وہاں دو رکعت نفل نماز پڑھے۔ اللہ تعالیٰ وہاں کی سب چیزوں
سے حفاظت فرمائیں گے۔ آپ کو قفل (تالا) پر تو اطمینان ہے قفل لگا دیا چابی
جیب میں رکھ لی، لیکن دو رکعت نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی ہے۔ بھائی یہ
نہیں کہتا کہ قفل نہ لگائیں۔ قفل بھی لگائیں اور جو طریقہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے اختیار فرمایا، اس کو بھی اپنائیے۔ اصل محافظ حق تعالیٰ ہے تالا تو قفل
ہے تو کھولنا آسان ہے۔ اللہ چاہے تو حفاظت ہو، اور نہ چاہے تو حفاظت نہ ہو۔
بس اللہ کی راہ میں جائیں۔

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں نہ جا سکیں وہ کم از کم جانے والوں کی اعانت کریں

پڑوس میں ایک شخص گیا ہے چلے گئے ہیں۔ یہ دوسرے پڑوسی ہیں آس پاس وہ ان کی
حفاظت کریں، ان کے گھر کی حفاظت کریں، پوچھتے ہیں، کبھی کسی چیز کی ضرورت
تو نہیں ہے۔ وہ بھی انشاء اللہ ان کے شریک ہیں، ان کو بھی اجر و ثواب ملے گا۔
اس طریقے پر ایک دوسرے کی نصرت کرتے ہوئے کام کرتے رہیں۔

افریقہ میں ایک جگہ تین ڈاکٹر ہیں، انھوں نے آپس میں طے کر رکھا ہے کہ
چار مہینے یہ ڈاکٹر تبلیغ میں جائے گا باقی دو ڈاکٹر کام کریں گے۔ جتنی آمدنی
ہوگی اس کا ایک تہائی حصہ اس کے مکان پر پہنچا دیں گے جو گیا ہوا ہے۔
پھر چار مہینے کے لئے دوسرا جائے گا۔ اسی طرح ہوگا۔ کام بھی چل رہا ہے ڈاکٹری
بھی چل رہی ہے، سب کی آمدنی بھی ہو رہی ہے، اللہ کے دین کی خدمت بھی ہو رہی
ہے اشاعت بھی ہو رہی ہے، کتنا اچھا طریقہ ہے۔ اگر یہاں بھی اس قسم کا کوئی
نظام بنا لیا جائے۔ میں نہیں کہتا کہ ساری جماعت یکدم نظام بنالے بلکہ جیسے جیسے
جس کے حالات کے مناسب ہو اس طریقہ پر بنا لیا جائے، تو انشاء اللہ اس
طرح گھر کا کاروبار بھی چلتا رہے گا اور دین کی خدمت بھی ہوتی رہے گی، دین
سیکھتے بھی رہیں گے۔ اس سے اتنا بڑا فائدہ ہے کہ لندن میں تبلیغی جماعت میں
ایک صاحب کی تقریر سنی جو عالم نہیں تھے، انھوں نے تقریر میں تقریباً دو سو
حدیثیں بیان کیں، الفاظ حدیث عربی کے بیان نہیں کئے، بلکہ کہا ہم نے علماء سے
سنا ہے کہ حدیث میں ایسا آیا ہے۔ غور سے میں سنتا رہا سب صحیح صحیح بیان کیا۔
کوئی غلط چیز بیان نہیں کی، حالانکہ عالم نہیں۔ اس کے باوجود جب تبلیغی حلقہ ہوتا
ہے، جب کتاب سنائی جاتی ہے اس کو غور سے سنتے ہیں اور سن سن کے یاد کرتے
ہیں، یاد کر کے بیان کرتے ہیں۔

اور جو لوگ بہت ہی معذور ہیں وہ کم از کم دوسری طرح کی اعانت تو

کر سکتے ہیں کہ کسی جگہ پر بیٹھ۔ بیٹھنے کی ضرورت ہے، کسی کے پاس بستر نہیں۔ کوئی شخص مریض ہے۔ وضو کرنے کے لئے اس کو دور جانا پڑے گا۔ لوٹا پانی کا بھر کے رکھ دو وضو کرنے کے لئے۔ اسی طرح جسمانی خدمت کر سکتا ہے۔ غرض کوئی بھی شخص اعانت سے، دنیا کی خدمت سے بے نیاز نہ ہو۔ جس جس طریقے سے بھی ہو سکے خدمت کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہنے والے کو بھی سننے والے کو بھی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ

وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ